حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

اور

اُن کے خلفاء

ایک تحقیقی کتاب جس پر مصنف کو کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی

ادارت و اہتمام

محمد ارشد قریشی

اسلامک بک فاؤنڈیشن

۲۴۹ این ــ سمن آباد ــ لاہور

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

اور

اُن کے خلفاء

ایک تحقیقی کتاب جس پر مصنف کو کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی

ادارت و اہتمام

محمد ارشد قریشی

اسلامک بک فاؤنڈیشن

۲۴۹ این ـ سمن آباد ـ لاہور

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۳۹

ناشر : ـــــــــ اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ لاہور

طابع : ـــــــــ مکتبہ جدید پریس لاہور

تقسیم کار : ـــــــــ المعارف۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

سالِ اشاعت : ـــــــــ ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء

تعداد : ـــــــــ ایک ہزار

قیمت : ـــــــــ چھتیس روپے

اسلامک بک فاؤنڈیشن

بسعی واہتمام

الحاج محمد ارشد قریشی القادری

ایم اے (اقتصادیات) ایم اے (علوم اسلامیہ)

اعزازی ڈائریکٹر : اسلامک بک فاؤنڈیشن

۲۲۹۔ این سمن آباد۔ لاہور O فون ۴۱۵۲۳۴

واحد تقسیم کار: "المعارف" گنج بخش روڈ، لاہور

انتساب

اُن اہلِ دِل اور اربابِ دانش کے نام

جو

علم کی عظمت و تقدّس کے سامنے دینوی مزخرفات اور زر و جواہر کو ٹھیکریوں اور سنگریزوں سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے ، اور جن کا حال سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حسبِ ذیل قول کے مطابق ہے :

رضینا قسمۃ الجبار فینا ۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ
لنا علمٌ وللجہال مال ۔ اُس نے ہم کو علم دیا اور جاہلوں کو مال دیا
لان المال یفنی عن قریبٍ ۔ کیونکہ مال و دولت تو عنقریب فنا ہو
وان العلم باقٍ لا یزال ۔ جائیں گے اور علم ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مشائخ کرام کے اس مقدس تذکرہ کا سببِ تالیف یہ ہے کہ راقم السطور نے ۱۹۶۰ء میں تیرہویں صدی ہجری کے عارف باللہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ، جو کہ پاکستان کے بہت سے مشائخ کے مورثِ اعلیٰ ہیں، کے ملفوظات "نافع السالکین" کا اردو میں ترجمہ شائع کیا تاکہ موجودہ دور کے مدعیانِ مشیخت اس آئینے میں اپنی صورت دیکھیں اور ان کو معلوم ہو کہ بزرگوں کی اصل تعلیم کیا ہے۔ اس کے بعد برابر یہی خیال دامن گیر رہا کہ حضرت خواجہ تونسویؒ اور ان کے خلفا کی پاکیزہ زندگیوں کے حالات اصل صورت میں عامۃ المسلمین کے سامنے لائے جائیں۔ تا آنکہ ۱۹۶۲ء میں ایم اے (فارسی) اور ۱۹۶۵ء میں ایم اے (اردو) پاس کرنے کے بعد اتفاق سے علامہ ڈاکٹر راجہ غلام سرور صاحب ایم۔ اے پی ایچ ڈی (علیگ) صدر شعبہ فارسی، کراچی یونیورسٹی سے اُن کے وطن کالس ضلع جہلم میں ملاقات ہوئی تو اس موضوع پر ان سے گفتگو ہوئی۔ انہوں نے احقر کو مشائخ تونسوی اور ان کے خلفا کی خدماتِ اسلام و تصوفِ اسلام پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کا مشورہ دیا۔

چونکہ راقم السطور کا خاندان بھی اسی سلسلہ سے منسلک ہے، اور احقر کے جدِ اعلیٰ حضرت خواجہ فیض بخش للہی بھی حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفا میں سے ہیں، اور ہمارے موروثی کتب خانہ میں مشائخ سلسلۂ چشتیہ کے تذکروں اور ملفوظات پر مشتمل کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ اس لیے خاندانی تعلق اور فطرتی مناسبت کی وجہ سے راقم نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ اور جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کے مشورہ سے اپنے مقالہ کا موضوع حسبِ ذیل منتخب کیا۔

"مشائخ تونسویؒ در پاکستانِ غربی و سہم آنان در تصوفِ اسلام"۔

انتخاب موضوع کے بعد ۱۹۶۷ء میں جناب ڈاکٹر صاحب کی وساطت سے کراچی یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا اور کام شروع کر دیا گیا۔

اس سلسلہ میں پہلا مرحلہ ضروری مواد اکٹھا کرنے کا تھا، اور حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور آپ کے خلفا کے حالات سے متعلق مواد حسب ذیل خانقاہوں کے کتب خانوں میں موجود تھا:-

۱ - تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازیخاں	۲ - مکھڈ شریف، ضلع کیمبلپور
۳ - سیال شریف، ضلع سرگودھا	۴ - للہ شریف، ضلع جہلم
۵ - میرا شریف، ضلع کیمبلپور	۶ - جلالپور شریف، ضلع جہلم
۷ - گولڑہ شریف، ضلع راولپنڈی	۸ - گڑھی افغانان، ضلع راولپنڈی

چنانچہ ضروری کتب کے حصول کے لیے احقر نے ان میں سے بعض مقامات کا دو دو تین تین مرتبہ سفر کیا اور سب جگہوں سے ضروری مواد اکٹھا کیا گیا - علاوہ ازیں مذکورہ بالا خانقاہوں کے سجادہ نشینان اور دوسرے بزرگوں سے، جن کا تعلق مشائخ تونسویہ سے ہے، نجی خطوط کے ذریعہ مختلف معلومات حاصل کی گئیں، اور سب حضرات نے اس سلسلہ میں تعاون کیا۔

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا گیا:

۱ - کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۲ - پبلک لائبریری - لاہور

۳ - کتب خانہ کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

نیز کراچی میں استاد مکرم جناب ڈاکٹر غلام سرور صاحب کے ذاتی کتب خانہ سے اور بعض دوسرے بزرگوں کے ذاتی کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا گیا۔

ضروری مواد اور کتب حاصل کرنے کے بعد کام شروع کیا گیا جو کہ پانچ سال کی لگاتار محنت سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۹۷۲ء میں اختتام کو پہنچا۔ اور کراچی یونیورسٹی کے اساتذہ اور دوسرے فاضل ممتحنین کی تصویب کے بعد ۱۹۷۳ء میں کام کو معیاری قرار

دیا جا کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی۔
ممتحنین میں حیدر آباد سندھ یونیورسٹی کے صدر شعبہ اردو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ بھی تھے۔ جو فضیلتِ علمی کے ساتھ تصوف کا عملی تجربہ بھی رکھتے ہیں اور صوفی منش بزرگ ہیں۔ انہوں نے اس کام پر اظہارِ پسندیدگی کرتے ہوئے اس کی اشاعت کا مشورہ دیا۔ نیز دوسرے اہلِ ذوق و اہلِ دل بزرگوں نے بھی اس کی اشاعتِ عام کے لیے اصرار کیا۔ اس لیے اس کا اردو ایڈیشن تیار کر کے عوام و خواص کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس کام کے دوران ہم کو جس افسوسناک صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا، اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ اگرچہ اس ملک میں مشائخِ عظام اور اولیائے کرام کے حالات پر کافی ذخیرہ کتب موجود ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ بڑی بڑی ضخیم کتابیں بھی اوّل سے آخر تک بزرگوں کے خوارق و کرامات اور محیر العقول واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ اس عظیم انبار میں سے اگر کسی بزرگ کے ذاتی حالات اور واقعی کمالات معلوم کرنا چاہیں اور ان کے اصل کام کا کھوج لگانا چاہیں تو سینکڑوں صفحات کی کتاب میں سے بمشکل چند سطریں مل سکتی ہیں۔ علامہ سیّد عبدالحیؒ ندوی جنہوں نے ہند و پاکستان کے علما و مشائخ اور مشاہیر و اکابر کے حالات پر نزہتہ الخواطر کے نام سے ایک عظیم الشان کتاب لکھی ہے۔ وہ جب اسی قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہوئے تو انہوں نے اس راہ کی مشکلات کا اظہار اس طرح کیا:

"ملک کی بدمذاقی دیکھئے کہ ابتدا سے اب تک ہندوستان کی سینکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں، مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر نہیں اترتی۔ جس کتاب کو اٹھا کر دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ رزم بزم کا کوئی افسانہ ہے، قرنادہ کوس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی ملے گا تو چنگ و رباب کے ذکر سے اس کو آپ خالی نہ پائیں گے، اگر مقفیٰ عبارتوں اور مسجّع فقروں کے خارزار میں آپ کا دامن الجھ گیا تو یہ بھی ملنے کا نہیں، ایسی حالت میں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی علمی

زندگی کی صحیح تصویر ایسے نا تمام مرقع میں پائیں ..... کچھ ان بزرگوں کے حالات میں کتابیں رہتی ہیں جو کسی سلسلۂ طریقت کے ساتھ مربوط تھے۔ مگر اس بد مذاقی کا کچھ ٹھکانہ ہے کہ آپ ان کتابوں سے ان کے نام و نسب، نشو و نما، تعلیم و تربیت، طریقۂ بود و ماند اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ ملے گا، قرنا و کوس کا تو یہاں کچھ کام نہیں، مگر چنگ و رباب یہاں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ مصنف کا سارا زور ان کے کشف و کرامت کے بیان کرنے پر صرف ہو جاتا ہے اور اس کو اس حد تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماوراء کوئی اور ہستی نظر آتے ہیں۔ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں اور نہ خصائص انسانی سے ان کو سروکار ہے نہ علمی مشاغل سے ان کو کچھ واسطہ ہے۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانونِ فطرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالید ثلاثہ و عناصر اربعہ پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قائم رکھیں۔"[1]

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر، مشائخ طریقت پر تحقیقی کام کے لیے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ اس قسم کا کام کرنے والے حضرات سے مخفی نہیں۔

ہمارے تذکرہ نگار حضرات کی کوتاہیوں کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ نے اپنے زمانہ میں تونسہ شریف کو ایک ایسا علمی مرکز بنا دیا تھا جہاں بیک وقت پچاس پچاس اساتذہ اور ہزار سے دو ہزار تک طلبہ مقیم رہتے تھے اور حدیث، تفسیر، فقہ اور منطق و فلسفہ وغیرہ کی انتہائی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور سب اساتذہ و طلبہ کے اخراجات حضرت تونسوی ؒ کے لنگر سے پورے ہوتے تھے۔ گزشتہ صدی کی دینی ویرانی اور سیاسی بدنظمی کے دور میں سینکڑوں ہزاروں لوگوں کو علوم دینیہ کی انتہائی تعلیم دلا کر دین کی حفاظت کا سامان کرنا بلا شبہ دین اسلام کی بہت بڑی خدمت ہے۔ لیکن حضرت تونسوی ؒ کی سیرت پر فارسی میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی اس دار العلوم کی تفصیلات کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا۔ سب سے پہلے

---

[1] یادِ ایام (تاریخ گجرات) ص ۵۸، ۵۹۔

اس دارالعلوم کی تفصیلات ایک انگریز جج (مسٹر فاربس ڈسٹرکٹ جج ملتان) نے مقدمۂ تونسہ کے فیصلہ میں درج کیں۔ اور بعد کے تذکرہ نگاروں نے اسی انگریز کی مہیا کردہ معلومات کو اپنی کتابوں میں لکھا (ملاحظہ ہو، کتاب ہذا کا باب ہفتم فصل دوم)

مقالہ کی ترتیب

اصل فارسی مقالہ کی ترتیب اس التزام کے ساتھ شروع کی گئی تھی کہ متن میں جس بزرگ کا بھی ذکر آئے خواہ اس کا تعلق کسی دوسرے سلسلہ سے ہو، اس کے متعلق حاشیہ میں تحقیقی نوٹ لکھا جائے اور ہندوپاکستان میں چشتیہ سلسلہ (یعنی خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ سے لے کر خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ تک جتنے بزرگوں کا ذکر آئے، ان سب کے مشہور خلفا کا ذکر بھی کیا جائے۔ لیکن اس التزام سے مقالہ کی ضخامت، یونیورسٹی کی مجوزہ ضخامت سے بڑھ جانے کا امکان تھا، دوسرے یہ کہ متقدمین مشائخ چشت پر کافی تحقیقی کام ہو چکا ہے۔ بالخصوص پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامیؒ نے اپنی کتاب "تاریخ مشائخ چشت" میں کبار مشائخ چشت کے کافی حالات جمع کر دیئے ہیں اور ان سب کا استقصا تحصیل حاصل تھا۔ اس لیے بہت سا مواد حذف کر دیا گیا۔

زیر نظر کتاب میں جو کہ اصل مقالہ کا اردو ایڈیشن ہے، بہت سی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں، نیز اس میں مندرجہ ذیل بزرگوں کے اجمالی حالات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

شاہ نیاز احمد بریلویؒ خلیفہ خواجہ فخر الدین دہلویؒ۔
خواجہ قاضی محمد عاقلؒ خلیفہ خواجہ نور محمد مہارویؒ
حافظ محمد جمال ملتانیؒ خلیفہ خواجہ نور محمد مہارویؒ
مولانا محمد باران کلاچویؒ خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ
مولانا احمد تونسویؒ خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ
حافظ سید محمد علی شاہ خیر آبادیؒ خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ
حاجی نجم الدین راجستانیؒ خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ

لیکن اس اردو ایڈیشن میں اصل فارسی مقالہ کے باب نہم اور باب دہم کو، جو خالص ادبی مباحث پر مشتمل ہیں، حذف کر دیا گیا ہے۔ باب دہم میں سے صرف دیوانِ صابر کے تحقیقی مطالعہ

کا حصہ باقی رکھا گیا ہے۔

اس طرح یہ ایک نئی کتاب بن گئی ہے۔

اظہارِ تشکر و امتنان

ناچیز مصنّف ضروری سمجھتا ہے کہ مذکورہ بالا چشتی خانقاہوں کے سجادہ نشینان اور ان کے کتب خانوں کے مدبران کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرے، جنہوں نے ضروری کتابیں مہیا کیں اور ہر طرح سے تعاون کیا۔

بالخصوص حضرت خواجہ فخر الدین صاحب سجادہ نشین تونسہ شریف، اور حضرت خواجہ معین الدین صاحب سجادہ نشین تونسہ شریف کا احقر بہت ممنون ہے، جنہوں نے کتب خانہ محمودیہ، تونسہ شریف سے استفادہ کا موقعہ دیا اور ضروری کتب مہیا فرمائیں۔ علاوہ ازیں نجی خطوط کے ذریعہ بہت سی اہم معلومات بہم پہنچائیں۔

نیز نوابزادہ فتح اللہ خان صاحب علیزئی (ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر) ساکن ڈیرہ اسماعیل خان کا مصنف بہت ممنون ہے جنہوں نے تونسوی خانوادہ سے متعلق بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں اور نجی خطوط کے ذریعہ بہت سی معلومات فراہم کیں۔

علاوہ ازیں مصنف کا اخلاقی فرض اور تقاضائے احسان شناسی ہے کہ اپنے محسنین کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرے۔ یعنی جناب علامہ ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی ایم اے۔ پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی کا جنہوں نے اپنی فضیلتِ علمی اور طویل تجربات کی روشنی میں مصنّف کو اس موضوع سے متعلق بہت سے قیمتی مشورے دیئے اور اس راہ کی راہ نمائی فرمائی۔

نیز استاد مکرم جناب علامہ ڈاکٹر راجہ غلام سرور صاحب، ایم اے، پی ایچ ڈی (علیگ) سابق صدر شعبۂ فارسی، کراچی یونیورسٹی کا احقر تہ دل سے ممنون ہے، اور صمیم قلب سے اعتراف کرتا ہے کہ اگر مسلسل پانچ سال تک ہر قدم پر آپ کی راہنمائی نہ ہوتی تو اس کام کی تکمیل ناممکن تھی۔

اسی ضمن میں مجھے جناب اے ایس بزمی انصاری صاحب ممبر مجلس ادارت انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے، جن کے تحقیقی مقالہ بعنوان "احوال و

آثار علامی سعد اللہ خان" مطبوعہ در مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے احقر نے بہت استفادہ کیا ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے نجی خطوط کے ذریعہ بھی بہت سی اہم کتب اور حوالہ جات کی مراجعت کے لیے رہبری فرمائی۔ ان کی تحقیقات سے احقر نے مقالہ ہذا کے باب چہارم فصل سوم میں اپنے جد اعلیٰ خواجہ فیض بخش للّٰہی کے خاندانی حالات لکھتے ہوئے رہنمائی حاصل کی ہے۔ لیکن یہ اضافہ اس اردو ایڈیشن میں کیا گیا ہے کیونکہ ان کی تحقیقات اصل فارسی مقالہ کی تکمیل کے بعد سامنے آئیں۔

اس سلسلہ میں مجھے دو اور بزرگوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے، جن کے تحقیقی علوم سے اس عاجز نے بہت استفادہ کیا ہے۔ یعنی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ احقر انکے قدیمی نیازمندوں میں سے ہے اور ان کی شفقت و محبت ہمیشہ میرے شاملِ حال رہی ہے۔ اگر کسی درجہ میں کوئی علمی خدمت اس عاجز سے ہو سکی ہے تو یہ انہی کا فیض ہے اور دوسرے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی جن کی تصنیف "تاریخ مشائخ چشت" سے احقر نے مقالہ ہذا کی تسطیر کے دوران بہت استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں "الفضل للمتقدم" کا مجھے اعتراف ہے۔

اپنے رہبر طریقت کی خدمت میں ہدیہ تشکر

آخر میں مجھے اپنے مربّی روحانی سیدی مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ، جن کو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ سے چاروں سلاسلِ طریقت یعنی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ میں خلافت حاصل تھی، کے احسانات و عنایات کا اعتراف کرنا ہے۔ جن کی خدمت میں ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک تقریباً دس سال تک عدمِ تسلسل کے ساتھ زیر تربیت رہ کر اس عاجز نے صحیح تصوّفِ اسلام کو سمجھا اور اپنے مرشد گرامی قدر کی ذات میں ایمانی کیفیات کا بدرجۂ اتم مشاہدہ کیا۔ اگرچہ حضرت اقدسؒ نے اس ناچیز کو سلوکِ متعارف طے کرا کر اجازتِ بیعت بھی عطا فرمائی، لیکن یہ ناکارہ اپنی کم ہمتی اور نالائقی کی وجہ سے عملی طور پر کچھ زیادہ حاصل نہ کر سکا، تاہم الحمدللہ کہ اہلِ حق و صداقت کا راستہ معلوم ہو گیا

اور اہلِ حق کے تعلق سے نجات کی امید ہو گئی ۔

اُحب الصالحین ولستُ منہم　　لعل اللہ یرزقنی صلاحا

حضرت مرشد کا دوسرا احسان اِس عاجز پر یہ ہے کہ احقر نے حضرت ہی کے ایما سے حضرت کے بعض خلفاء سے کتاب وسنّت کی تعلیم حاصل کی ۔ یعنی تفسیرِ قرآن مجید تو حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی ؒ سے پڑھی اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف) حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب دھرم کوٹی تلمیذ حضرت مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری دیوبندی ؒ سے پڑھی ۔ نیز ہدایہ اور تفسیر ابنِ کثیر ؒ بھی انہی مولانا محمد عبد اللہ صاحب ؒ سے پڑھی ۔ اس طرح میرا سلسلۂ سندِ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ سے متصل ہو گیا اور وہ دو طرح سے ہے ۔

۱۔ احقر محمد حسین عن مولانا محمد عبد اللہ ؒ عن علامہ محمد انور شاہ ؒ عن شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒ عن مولانا رشید احمد انصاری گنگوہی ؒ ، عن شاہ عبد الغنی مجددی ؒ عن شاہ محمد اسحٰق دہلوی ؒ عن شاہ عبد العزیز دہلوی ؒ عن شاہ ولی اللہ فاروقی دہلوی ؒ ۔

۲۔ احقر محمد حسین عن مولانا محمد عبد اللہ عن مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی ؒ عن مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی ؒ عن مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ؒ عن حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی دہلوی ؒ ۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ؒ کا سلسلۂ سندِ حدیث آخر تک مشہور و معروف ہے ۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی ؒ کا سلسلۂ سندِ حدیث دو واسطوں سے علامہ ابن عابدین شامی ؒ اور دو ہی واسطوں سے شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی ؒ تک پہنچتا ہے ۔

الغرض کتاب وسنّت کی تعلیم بھی اس عاجز کو حضرت مرشد ہی کے طفیل حاصل ہوئی ۔

یہ مقالہ اس موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت نہیں رکھتا ، یہ تو متاخرین بزرگانِ سلسلۂ چشت کے سیرتی خاکے پیش کرنے کی ایک طالب علمانہ کوشش ہے ، جس میں

بہت سی اغلاط و اسقام کا امکان ہے۔ اہلِ نظر سے چشم پوشی کی امید ہے۔ فارسی مقالہ میں بہت سے اہم مباحث یونیورسٹی کے قواعد کی پابندیوں کی وجہ سے نہیں آسکے۔ جن کا اس کتاب میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اس کتاب کی افادیت و اہمیت اصل مقالہ سے بھی بڑھ گئی ہے۔

اسلامک بُک فاؤنڈیشن

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برّ صغیر پاک و ہند میں اسلام کو جو فروغ ملا ہے وہ صوفیہ کرام کی تبلیغی و تجدیدی مساعی کی بدولت ملا ہے اور اب بھی نفاذِ دین اور تطہیرِ معاشرہ کے لیے اسلام کی روحانی اقدار اور صوفیہ کرام کی تعلیمات کا فروغ ضروری ہے، ان ہی مقاصد عظیمہ کیلیے اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور عظیم الشان کام کر رہا ہے، ساڑھے تین سال کی مختصر مدت میں فاؤنڈیشن کی طرف سے تقریباً چالیس اہم کتبِ تصوف تحقیقی اور معیاری انداز میں مختلف زبانوں میں شائع کی جا چکی ہیں اور مزید کتب تصوف زیر تحقیق و تالیف و ترجمہ و اشاعت ہیں۔ حال ہی میں فاؤنڈیشن کی طرف سے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے چار اہم تذکرے، سیر الاولیا، مناقبِ محبوبین (اردو ترجمہ)، مرات العاشقین (اردو ترجمہ) اور سلطان الہند شائع ہو چکے ہیں۔ مجھے انتہائی مسرت ہے کہ پیشِ نظر تحقیقی تذکرہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، حضرت تونسوی کے عرس مبارک ۱۳۹۹ھ کے موقعہ پر فاؤنڈیشن کی طرف سے بڑے اہتمام سے پیش کیا جا رہا ہے جس پر میرے محترم دوست الحاج محمد ارشد قریشی ڈائریکٹر اسلامک بک فاؤنڈیشن لائق صد تحسین ہیں۔ اہلِ نظر اور اہلِ دل حضرات یقیناً اس علمی کتاب کو شرفِ پذیرائی بخشیں گے اور اسلامک بک فاؤنڈیشن نے اسلام کے اخلاقی اور روحانی اقدار کے احیاء کی جو تحریک شروع کی ہے اس میں اس علمی ادارہ سے بھرپور تعاون کریں گے۔

محمد حسین للّٰہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد

سرزمین ہندوپاکستان پر مسلمانوں کے قدم پہلی صدی ہجری میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آئے ، ۱۵ھ/۶۳۶ء میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا تو انہوں نے ایک بحری بیڑہ تیار کیا اور اپنے دو بھائیوں الحکم بن ابی العاص ثقفیؓ اور مغیرہ بن ابی العاص ثقفی کو سندھ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ پہلے الحکمؓ نے بمبئی کے نواح میں حملہ کیا، ہندوؤں کو شکست فاش دی اور کثیر مال غنیمت لے کر واپس لوٹے[۱]۔ ان کے بعد مغیرہ نے سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل پر حملہ کیا لیکن وہ راجہ سامہ بن سیلا یچ سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے[۲]۔ یہ سندھ پر مسلمانوں کا پہلا بحری حملہ تھا۔

اس کے بعد ۲۲ھ/۶۴۲ء میں عبداللہ بن ربیع نے کرمان اور سیستان پر قبضہ کر لیا اور مکران کی طرف پیش قدمی کر کے ہندوؤں کو شکست دی[۳]۔

۲۴ھ/۶۴۴ء میں حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عبداللہ ابن عامرؓ کو عراق کا گورنر مقرر کیا، عبداللہ بن عامرؓ نے ۲۹ھ/۶۴۹ء میں عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کو سیستان کا والی مقرر

---

[۱] فتوح البلدان ص ۵۳۰ [۲] سید عبدالحیؒ ندوی کے بیان کے مطابق مغیرہؓ، سرزمین سندھ میں آسودۂ لحد ہوئے۔ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۴۳ نیز تحفۃ الکرام ص ۳۱۔

[۳] فتوح البلدان۔ ج ۲۔ ص ۵۳۰

کیا، عبدالرحمٰن بن سمرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، انہوں نے پہلے زرنج پر قبضہ کیا، پھر مکران اور سیستان کو فتح کیا۔ یہ اس ملک پر مسلمانوں کا پہلا بری حملہ تھا۔

حضرت علیؓ باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے سندھ و ہند پر لشکر کشی نہ کر سکے۔ لیکن ۴۰ھ/۶۶۰ء میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ۴۳ھ/۶۶۳ء میں دوبارہ عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کو سیستان کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ چار ہزار کا لشکر لے کر مکران کے سرکش لوگوں کو سزا دینے کے لیے مکران پہنچے۔ آپ نے مکران، ساکران السبیلہ اور قیقان (سندھ) کے علاقوں کو فتح کر لیا۔[1]

حضرت امیر معاویہؓ کے ایک اور جرنیل المہلب نے شمالی ہندوستان کی سرحد پر واقع درہ خیبر کے راستے کابل اور پشاور کو تاخت و تاراج کیا اور قندابیل (سندھ) پہنچے، یہاں ایک شدید جنگ میں ہندوؤں کو شکست فاش دی۔[2]

ولید بن عبدالملک اموی کے عہد خلافت میں ۷۵ھ/۶۹۴ء میں مشرقی ممالک کا حاکم اعلیٰ حجاج بن یوسف ثقفی مقرر ہوا، اس وقت سندھ پر راجہ داہر بن صصعہ اور راجہ رن مل کی حکومت تھی۔ ۸۰ھ/۶۹۹ء میں محمد بن حارث علافی نے حجاج کے خلاف خروج کیا اور وہ راجہ داہر کی پناہ میں آگئے۔ اسی عرصہ میں حجاج کے ایک جرنیل سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی نے مکران پر قبضہ کر کے سعید علافی کو کسی قصور کی بنا پر قتل کیا تو محمد بن حارث کے بیٹوں نے راجہ داہر کے ساتھ مل کر سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو قتل کر دیا اور مکران پر قابض ہو گئے۔ حجاج نے یہ خبر سن کر مجاعہ بن سعر التمیمی کو سندھ کی سرحد پر تعینات کیا۔ مجاعہ تمیمی نے مکران پر قبضہ کر لیا تو محمد بن حارث علافی کے بیٹے محمد اور معاویہ ارور چلے گئے۔ مجاعہ بن سعر تمیمی نے مکران میں رحلت کی تو ان کی جگہ حجاج نے محمد بن ہارون نمری کو سندھ کی سرحد پر متعین کیا۔[3]

اسی عرصہ میں سندھی بحری قزاقوں نے عربوں کے چند جہاز لوٹ لیے اور مسلمان عورتوں کو قید

---

[1] فتوح البلدان جلد ۲ ص ۵۳۱ و الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، حیدرآباد ۱۹۲۷ء۔

[2] ایضاً۔ جلد ۲۔ ص ۵۳۱، ۵۳۲۔

[3] نزہۃ الخواطر۔ جلد اول۔ ص ۵۴، ۵۵، ۶۳۔

کرلیا۔ اس کی اطلاع حجاج کو پہنچی تو وہ طیش میں آگیا اور اس نے سندھ پر مکمل قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا، پہلے تو اُس نے عبید اللہ بن نبہان کو مسلمان عورتوں کو قزاقوں کی قید سے نکالنے کے لیے دیبل روانہ کیا لیکن عبید اللہ بن نبہان قزاقوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تب حجاج نے ۹۲ھ / ۷۱۰ء میں اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم ثقفی کو مختصر سے سامانِ حرب کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ اس نوجوان نے دیبل سے لے کر ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا اور ۱۰ رمضان ۹۳ھ / ۷۱۱ء کو راجہ داہر کو شکست دے کر سندھ کے وسیع و عریض علاقے پر قبضہ کر لیا۔[۱]

حجاج بن یوسف ۹۵ھ / ۷۱۳ء میں مرگیا اور ۹۶ھ / ۷۱۴ء میں ولید بن عبد الملک کے انتقال کے بعد سلیمان بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو فاتح سندھ محمد بن قاسم کو گرفتار کر لیا گیا، اُسے ٹاٹ کے کپڑے پہنا کر اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر معاویہ بن مہلب کے ساتھ عراق روانہ کر دیا گیا اور واسط کے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا، اسی جیل خانہ میں ۹۶ھ / ۷۱۴ء میں اُس نے وفات پائی۔ سندھ میں محمد بن قاسم کی جگہ یزید بن ابی کبشہ کا تقرر ہوا۔[۲] اس کے بعد حبیب بن مہلب کا تقرر ہوا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے عہد خلافت میں عمرو بن مسلم باہلی اور یزید بن عبد الملک کے عہد میں ہلال بن احوز تمیمی سندھ کے گورنر رہے۔[۳]

ہشام بن عبد الملک کے عہد خلافت میں جنید بن عبد الرحمٰن المری سندھ کے ناظم مقرر ہوئے، ۱۱۱ھ / ۷۲۹ء میں جنید کو خراسان کا حاکم بنایا گیا اور ان کی جگہ تمیم بن زید عتبی سندھ کے گورنر بنائے گئے۔ تمیم عتبی کے انتقال کے بعد عراق کے حاکم اعلیٰ خالد قسری نے حکم بن عوانہ کلبی کو سندھ کا ناظم مقرر کیا۔ حکم کے ساتھ عمر بن محمد بن قاسم ثقفی بھی تھا جس کو حکم نے تمام امورِ حکومت سونپ دیئے۔ عمر بن محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کے دہانہ پر منصورہ کے نام سے ایک شہر آباد کیا اور بہت سے نئے علاقے فتح کر لیے۔ ۱۲۵ھ / ۷۴۲ء میں ہشام کی وفات کے بعد

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فتوح البلدان، بلاذری، جلد ۲ ص ۵۳۱، ۵۴۳ و نزہۃ الخواطر جلد اوّل۔

۲۔ ایضاً۔ ص ۵۳۱، ۵۴۳۔

۳۔ ایضاً۔ ص ۵۴۴، نیز دیکھئے تحفۃ الکرام ص ۷۱۔

ولید بن یزید بن عبدالملک خلیفہ ہُوا تو اُس نے عمر بن محمد بن قاسم کو معزول کر کے اس کی جگہ یزید بن عرار کو سندھ کا ناظم مقرر کیا۔[1]

۱۳۲ھ/۷۴۹ء میں بنو امیہ کی جگہ بنو عباس نے مسندِ خلافت پر قبضہ کیا، اور پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس عبداللہ السفاح کی طرف سے ابو مسلم خراسانی کو خراسان وغیرہ مشرقی علاقوں کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ابو مسلم نے پہلے مغلس عبدی سجستانی کو ایک فوج دے کر سندھ روانہ کیا، اس کے بعد موسیٰ بن کعب تمیمی کو بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ سندھ بھیجا۔ موسیٰ تمیمی نے منصور بن جمہور کلبی کو، جو خلیفہ کا باغی تھا، منصورہ میں شکست دی اور پورے سندھ پر قبضہ کر لیا۔ موسیٰ تمیمی نے منصورہ میں ایک مسجد تعمیر کی۔ ۱۴۰ھ/۷۵۷ء میں وہ رخصت پر بغداد چلا گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا عیینہ بن موسیٰ تمیمی سندھ کا ناظم مقرر ہوا۔ عیینہ تمیمی نے خلیفہ ابو جعفر منصور کی سرتابی کی تو اس نے ۱۴۲ھ/۷۵۹ء میں عمر بن حفص بن عثمان اور عقبہ بن مسلم کو سندھ روانہ کیا۔ ان دونوں نے عیینہ تمیمی کو شکست دی اور سندھ دوبارہ خلافتِ عباسیہ کے زیرِ نگین آگیا۔[2]

اسی زمانہ میں اہل بیت نبوی میں سے حضرت عبداللہ الاشترؒ بن محمد النفس الزکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰؒ بن حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ سندھ تشریف لائے اور یہیں عباسی حکومت کے گماشتوں سے لڑتے ہُوئے شہید ہوئے۔[3]

۱۵۷ھ/۷۷۳ء میں خلیفہ منصور عباسی نے معبد بن خلیل تمیمی کو سندھ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا، جب یہ خراسان پہنچے تو ایک فرمان کے ذریعہ سندھ کی تولیت عطا کی اور جو مقامات تاہنوز فتح نہیں ہُوئے تھے معبد تمیمی نے فتح کر لیے اور ۱۵۹ھ/۷۷۵ء میں خلیفہ مہدی بن منصور عباسی کے زمانہ میں سندھ ہی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔[4]

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۵۳۵ [2] فتوح البلدان ص ۵۳۳ تا ۵۴۰ ۔ [3] نزہۃ الخواطر ص ۸۲
[4] نزہۃ الخواطر ص ۹۳
معبد بن خلیل تمیمی کے بعد عہد بنو عباس میں تقریباً چوبیس گورنر یکے بعد دیگرے سندھ پر حکومت کرتے رہے اس کے بعد بغداد کے "آل تمیم" کے کچھ لوگ حکومت سندھ پر مامور ہُوئے ان کے بعد سومروں نے حکومت کی۔
(تحفۃ الکرام۔ ص ۸۳ تا ۸۷)

سندھ کے گورنروں میں سے ہلال بن احوز تمیمی موسیٰ بن کعب تمیمی، عینیہ بن موسیٰ تمیمی اور معبد بن خلیل تمیمی، حضرت تمیم انصاری بدنی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، جیسا کہ صاحب طبقات اکبری نے لکھا ہے:۔

"مؤلف تاریخ طبقات بہادر شاہی گوید کہ در اوایل زمان حکومت فرمان روائی ناحیۂ سند در اولاد تمیم انصاری بودہ ...... و من نظام الدین احمد کہ مؤلف این تاریخم اعتماد بر تاریخ طبقات بہادر شاہی نمودہ"[1]

پہلی اور دوسری صدی ہجری میں ہندو پاکستان میں اکابر شیوخ کی آمد

جیسا کہ سطور بالا میں لکھا گیا ہے۔ پہلی صدی ہجری میں صحابہ کرام میں سے بعض حضرات سرزمین ہندوستان پر تشریف فرما ہوئے۔ ان کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت عرب و عراق سے آکر سندھ میں آباد ہوئی۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں محمد بن قاسم نے دیبل کی فتح کے بعد وہاں کی زمین کی پیمائش کروا کر اس کے قطعات عرب فاتحین میں تقسیم کئے۔ علاوہ ازیں اس نے ایک عظیم الشان مسجد بنوائی اور دیبل میں چار ہزار مسلمان آباد کئے۔ پھر جب سندھ کا علاقہ ملتان تک فتح ہو گیا تو محمد بن قاسم نے مال غنیمت کے خمس میں سے ہر شہر اور ہر قصبے میں مساجد تعمیر کروائیں۔ اور پورے سندھ میں مسلمان پھیل کر جگہ جگہ آباد ہو گئے۔[2]

محمد بن قاسم کے ساتھ اور اس کی واپسی کے بعد بھی جو عرب خاندان سندھ میں آکر آباد ہوئے، انہوں نے سندھ میں جابجا قرآن و حدیث کے درس جاری کر دیئے اور اس سرزمین سے ایسے ایسے باکمال لوگ نکلے جنہوں نے عالم اسلام سے اپنے علم و فضیلت کا لوہا منوایا۔ ان میں سے چند اکابر حسب ذیل ہیں:۔

یزید بن ابی کبشہ: محمد بن قاسم کے جانشین تھے اور تابعین میں سے تھے۔ یزید بن ابی کبشہ ایک باصلاحیت ناظم ہونے کے ساتھ ساتھ ثقہ محدث بھی تھے۔ انہوں نے حضرت ابوالدرداءؓ

---

[1] طبقات اکبری ص ۵۱۲ و تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۱۹ (اردو ایڈیشن ص ۸۷)
[2] تاریخ معصومی ص ۲۶۔

اور شرحبیل بن یوسف سے حدیثیں روایت کی ہیں، اور امام بخاریؒ نے جامع الصحیح میں، امام شیبانیؒ نے کتاب الآثار میں اور امام حاکم نیشاپوریؒ نے المستدرک میں ان کی روایتیں نقل کی ہیں[1]۔

حضرت مفضل بن المہلبؒ

یہ بھی تابعین میں سے ہیں اور حضرت نعمان بن بشیرؓ صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں موجود ہیں[2]۔

شیخ ابو حفص ربیع البصریؒ

ثقہ محدث اور تابعین میں سے ہیں، یہ بھی سندھ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ خود حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد تھے اور ان کے شاگردوں میں حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، حضرت وکیع بن الجراحؒ (استاد امام محمد بن ادریس شافعیؒ) جیسے لوگ ہیں۔ انہوں نے سندھ میں حدیث کا درس دیا[3]۔

موسیٰ بن یعقوب الثقفیؒ

محمد بن قاسمؒ کے ہم قبیلہ تھے اور اسی کے ساتھ سندھ آئے تھے۔ ان کو محمد بن قاسم نے الور کی فتح کے بعد وہاں کا قاضی و خطیب مقرر کیا۔ یہ عہدہ ان کی اولاد میں صدیوں تک باقی رہا۔ علی بن حامد کوفی مصنف "چچ نامہ" کی ملاقات الور میں اسماعیل بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب الثقفی سے ہوئی تھی۔ جو وہاں کے خطیب تھے[4]۔

اسرائیل بن موسیٰ البصریؒ

ثقہ محدث اور تبع تابعین میں سے تھے۔ سندھ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ حضرت حسن بصریؒ، محمد بن سیرینؒ اور وہب بن منبہؒ جیسے لوگوں سے روایت کرتے ہیں، اور ان کی روایات امام بخاریؒ نے جامع الصحیح میں نقل کی ہیں[5]۔

---

[1]، [2]

[3] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۶۲ [4] چچ نامہ۔ ص ۹۶

[5] نزہۃ الخواطر۔ عربی جلد اول۔ ص ۳۳

22447

ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن السندیؒ

تابعین میں سے ہیں اور نامور محدث ہیں۔ ان کے والدین سندھی ہیں۔ حضرت امامہ بن سہلؓ صحابی کو انہوں نے دیکھا ہے اور محمد بن کعب القرظیؒ، موسیٰ بن بشارؒ نافع مولیٰ ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے مدینہ منورہ اور بغداد میں بھی درسِ حدیث دیا۔ اور عراق و عرب کے علماء نے ان سے سندِ حدیث لی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے انہیں مغازی پر سند تسلیم کیا ہے[1]۔

الحافظ الحدیث الامام ابو بکر محمد بن محمد بن رجاؒ

سندھ کے مشہور محدثین میں سے ہیں۔ اسحٰق بن راہویہؒ امام احمد بن حنبلؒ اور علی ابن المدینیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ الصحیح کے نام سے مرتب کیا۔ ۲۸۶ھ/۸۹۹ء میں فوت ہوئے[2]۔

الحافظ الحدیث خلف بن سالم سندیؒ

آل مہلب کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور مشہور محدثین میں سے ہیں۔ یہ سندھ سے بغداد چلے گئے تھے۔ ابو بکر بن عیاشؒ نے انہیں ثقہ اور یحییٰ بن معین نے انہیں صدوق کہا ہے۔ ۲۳۱ھ/۸۴۵ء میں فوت ہوئے[3]۔

ابو العطا سندی

مشہور شاعر، جن کے قصائد کتاب الحماسہ میں موجود ہیں۔

حضرت ابو علی سندی

سندھ کے صوفیا میں سے ہیں۔ جن سے حضرت بایزید بسطامیؒ (م ۲۶۱ھ/۸۷۴ء) نے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ انہی کے متعلق حضرت بایزید بسطامیؒ فرمایا کرتے تھے:۔

انی تعلمت من ابی علی علم الفنا والتوحید وھو تعلم منی الحمد وقل ھو اللہ احد[4]	میں نے ابو علی سندھی سے علم فنا اور علم توحید حاصل کیا اور انہوں نے مجھ سے الحمد اور قل ھو اللہ احد سیکھی۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۲۱۳
[2] تذکرۃ الحفاظ ص ۶۸۶
[3] تذکرۃ الحفاظ جلد دوم۔ ص ۶۵
[4] رجال السند والہند ص ۲۸۴

ان بزرگوں نے سندھ میں اسلام اور علمِ دین کا جو پودا کاشت کیا، وہ بڑھ کر جب تناور درخت بنا تو اس میں بے شمار پھل پھول آئے۔ چنانچہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں دیبل، منصورہ اور لوقان وغیرہ میں سینکڑوں محدثین اور علماء و مشائخ پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنے چشمۂ علوم سے ایک عالم کو سیراب کیا۔ چند مشاہیر کے نام یہ ہیں:۔

دیبل کے مشاہیر علماء و شیوخ

احمد بن محمد بن ہارون المقری الدیبلی المحدثؒ، علی بن موسیٰ دیبلی المحدثؒ، خلف بن الموازینی المحدثؒ، صاحبِ کشف و کرامات الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الدیبلی القاری، ابو العباس احمد بن نصیر بن الحسین القاضی الدیبلیؒ، ابو القاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی المحدثؒ، علی بن احمد بن محمد دیبلی الفقیہ و المحدثؒ، ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ دیبلی المحدثؒ، ابو العباس محمد بن محمد بن عبد اللہ الوراق الزاہد المحدثؒ (امام حاکم نیشاپوری کے استاد)، شیخ ابو محمد دیبلی الصوفیؒ (از اصحاب حضرت جُنید بغدادیؒ)، ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن سعد دیبلی ثم نیشاپوری الزاہد والمحدثؒ (امام حاکمؒ کے استاذ)، ابو القاسم الحسین بن محمد بن اسد المحدث الدیبلیؒ، ابوبکر محمد بن حسین بن محمد دیبلی القاریؒ (امام ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی کے استاد) ابو موسیٰ دیبلی الصوفی الزاہدؒ (بایزید بُسطامی کے ہمشیرہ زادہ) وغیرہم[1]

علامہ طبری اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق ۲۸۰ھ/۸۹۳ء میں دیبل میں زبردست زلزلہ آیا۔ جس میں ایک لاکھ سے زیادہ انسان لقمۂ اجل بنے۔ جو لوگ زندہ بچے انہوں نے عرب ممالک کی راہ لی۔ چنانچہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں دیبلی نسبت رکھنے والے علماء و محدث مصر، عراق، شام اور حجاز میں مشغولِ درس و تدریس نظر آتے ہیں۔

منصورہ کے علماء و شیوخ

دیبل کی طرح منصورہ میں بھی ایک جماعت علماء و شیوخ کی موجود تھی منصورہ کے مشاہیر یہ ہیں:۔

المحدث الکبیر عبد اللہ بن اسماعیل بن ابراہیم بن عیسیٰ بن ابی جعفر المنصور المعروف بہ ابن لویہؒ

---

[1] دیبل کے علماء و مشائخ کے حالات کے لیے دیکھئے، رجال السند والہند و کتاب الانساب و ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

(م ۳۵۰ھ/۹۶۱ء)، ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ المحدث والقاری المنصوریؒ (استاد امام حاکمؒ صاحب المستدرک)، ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح التیمی، قاضی منصورہ، مصنف کتاب "المصباح الکبیر" و "کتاب الہادی" (استاد امام حاکمؒ) ابوبکر احمد بن محمد منصوری بکرآبادیؒ[1] (م ۴۲۳ھ/۱۰۳۱ء)

بوقان کے علما و شیوخ دیبل و منصورہ کے بعد سندھ کا تیسرا علمی مرکز بوقان تھا، بوقان کے مشاہیر حسب ذیل ہیں:۔

محمد بن احمد بن منصور بوقانی المحدثؒ (شاگرد امام ابوحاتم بن محمد بن حبان بستیؒ) متوفی ۳۵۴ھ/۹۶۵ء۔ ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد بوقانیؒ (شاگرد امام بغویؒ)، محمد بن احمد بن محمد بن خلیل بن احمد بوقانیؒ (شاگرد امام ابوبکر بن خلف شیرازیؒ)۔

علاوہ ازیں ابومحمد جعفر الخطاب القصداریؒ، ابوداؤد سیبویہ بن اسماعیل قصداری ثم مکیؒ (م ۴۶۰ھ/۱۰۶۷ء) جیسے مشہور محدثین بھی سندھ ہی کی خاک پاک سے اٹھے تھے[2]

سندھ کے ان علمی مراکز کا فیض ملتان اور لاہور تک پہنچ گیا تھا، چنانچہ اس دور کے علما میں لاہوری نسبت رکھنے والے علما کا نام بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ قاضی عبدالکریم السمعانیؒ نے حسب ذیل علما کا ذکر کیا ہے:

ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن الاشعثی اللوہوریؒ، ابوالحسن علی بن عمر الحکم اللاہوریؒ (م ۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء) ابوالقاسم محمود بن محمد بن خلف اللہاوریؒ وغیرہم۔[3]

برصغیر ہند و پاکستان میں چشتی مشائخ کی آمد سندھ میں جو عرب حکمران اور عرب شیوخ آئے، ان کا دائرہ اثر سندھ تک محدود رہا۔ ادھر تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان سے باہر صوفیا کے سلسلے وجود میں آچکے تھے۔ پانچویں صدی ہجری کی ابتداء میں جب سلطان محمود غزنویؒ (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) نے شمال کی طرف سے ہندوستان کے قلب و جگر پر حملے کرنے شروع کیے، تو سلطان محمودؒ کے

---

[1] ایضاً صفحہ گذشتہ [2] کتاب الانساب و رجال السند والہند و ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔ [3] کتاب الانساب ص ۴۹۷۔

ساتھ علما و مشائخ بھی ہندوستان میں آنے شروع ہوئے۔ سب سے پہلے جو چشتی بزرگ ہندوستان میں تشریف لائے وہ خواجہ ابو محمد چشتیؒ (م ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء) ہیں، جنہوں نے محمود غزنویؒ کی فوج میں شامل ہو کر جہاد ہندوستان میں حصّہ لیا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں :-

"وقتی کہ سلطان محمود بہ غزو سومنات رفتہ بود، خواجہ (ابو محمد چشتی) را در واقعہ نمودند کہ بمددگاری وی باید رفت، در سن ہفتاد سالگی با درویش چند متوجہ شد، چوں آنجا رسید بہ نفس مبارک خود با مشرکان و عبدِ اصنام جہاد کرد"[1]

جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف گیا ہوا تھا، خواجہ ابو محمد چشتی کو اشارۂ غیبی ہوا کہ اس کی مدد کے لیے جائیں۔ وہ ستر برس کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنفس نفیس جہاد میں شرکت فرمائی۔

سلطان محمود غزنویؒ نے سومنات پر ۴۱۶ھ/۱۰۲۵ء میں حملہ کیا، جبکہ خواجہ ابو محمد چشتی ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء میں وفات پا چکے تھے۔ مولانا جامی کی مراد غالباً حملۂ ہندوستان سے ہے، کیونکہ سومنات پر حملہ کرنے سے پہلے سلطان مذکور ہندوستان پر آٹھ حملے کر چکا تھا۔ غالباً پہلے حملے میں خواجہ ابو محمدؒ سلطان کے ہمراہ تھے۔ لیکن خواجہ ابو محمد چشتیؒ نے ہندوستان میں قیام نہیں فرمایا بلکہ واپس چشت کو چلے گئے۔

سلطان محمودؒ غزنوی نے ہندوستان پر اگرچہ بڑے کامیاب حملے کئے اور ہندو راجگان کا زور توڑ دیا، لیکن وہ کوئی مستحکم اور پائیدار حکومت قائم نہ کر سکا تا آنکہ سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء) نے ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں رائے پتھورا معروف بہ پرتھوی راج کو مکمل طور پر شکست دی اور اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا اور ہندوستان کی قدیم راجپوت حکومت کا خاتمہ کر کے ہندوستان پر مسلمانوں کی مضبوط و مستحکم حکومت قائم کر دی[2]

---

[1] نفحات الانس۔ ص ۲۹۷ [2] تاریخ ایران۔ ص ۱۴۲ تا ۱۴۴

قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی اور دوسرے مؤرخین کے بیانات کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ بانی سلسلہ چشتیہ در ہند، سلطان شہاب الدین محمد غوری کے حملوں کے دوران جو ۵۷۹ھ سے ۶۰۲ھ تک جاری رہے، ہندوستان تشریف لاکر اجمیر میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اگرچہ قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی نے حضرت خواجہ اجمیریؒ کا سلطان شہاب الدین محمد غوریؒ کے اس لشکر کے ہمراہ ہندوستان تشریف لانے کا لکھا ہے[1] جس نے پرتھوی راج کو ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں شکست دی۔ لیکن قاضی صاحب کا یہ بیان صحیح نہیں ہے بلکہ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ اس فتح سے پہلے ہندوستان تشریف لاکر اجمیر میں قیام پذیر ہو چکے تھے[2] اور اس ملک کی روحانی تسخیر میں مصروف تھے۔ (ملاحظہ ہو کتاب ہٰذا کا باب اوّل)۔

چھٹی صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی کا یہی وہ زمانہ ہے جبکہ وحشی تاتاریوں نے اسلامی ممالک پر مظالم ڈھائے اور علم و تمدن کے قدیم مراکز بالخصوص مرکز خلافت اسلامیہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ بخارا، سمرقند، رے، ہمدان، خوارزم، نیشاپور، قزوین وغیرہ شہروں کو تاراج کیا اور شرفا کی عزتیں خاک میں ملا دیں۔ خانقاہوں اور مدارس میں خاک اڑنے لگی، ہندوستان میں مستقل و مستحکم اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد بہت سے علما و مشائخ، ایران، ترکستان، عراق و شام وغیرہ سے ہجرت کر کے ہندوستان آنے لگے ان علما و مشائخ نے لاہور، دہلی، ملتان، اُچ وغیرہ میں قیام پذیر ہو کر جگہ جگہ خانقاہیں اور مدارس قائم کر دیئے۔ لیکن حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ کو ان سب پر تقدم حاصل ہے، کیونکہ آپ اس وقت ہندوستان تشریف لائے جب یہاں قدیم راجپوت حکومت قائم تھی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے مختصر طور پر تصوف اسلام کی اجمالی تاریخ اور تصوف اسلام کی حقیقت بیان کر دی جائے۔

---

[1] طبقات ناصری، ص ۱۲۰ [2] طبقات سلاطین اسلام۔ ص ۶۳

تصوّفِ اسلام کی اجمالی تاریخ

تصوّف کی لفظی تحقیق کی بحث غیر ضروری ہے۔ تصوّف خواہ صوف سے مشتق ہو، خواہ صفا سے خواہ صف سے اور خواہ صُفّہ سے، اس کے معنی اور مفہوم کے تعیّن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ لطفی جمعہ نے "تاریخ فلاسفۃ الاسلام" میں لکھا ہے کہ صوفی کا لفظ "تیوصوفیا" سے مشتق ہے، جو ایک یونانی کلمہ ہے جس کے معنی حکمتِ الٰہی کے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق صوفی وہ حکیم ہے جو حکمتِ الٰہی کا طالب ہوتا ہے اور اس کے حصول میں کوشاں رہتا ہے[1]۔

ابوالحسن قناد کہتے ہیں کہ صوفی، صفا سے مشتق ہے جس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہے یعنی جو لوگ کدورتِ بشریہ سے پاک صاف کر دیئے گئے ہیں وہ صوفی ہیں۔ یا یہ کہ جو لوگ سادگی کی بنا پر صوف کا لباس استعمال کرتے تھے ان کو صوفی کہا جانے لگا یا اصحابِ صُفّہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے[2]۔

امام قشیری (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) کی تحقیق کی رُو سے لفظ صوفی دوسری صدی ہجری سے کچھ پہلے مشہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کی وفات کے بعد، اُس وقت کے اکابر و افاضل کا لقب "صحابہ" تھا، کیونکہ صحابیت سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں تھی جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت اختیار کی وہ تابعین کہلائے اور "تابعین" کے فیض یافتہ حضرات کو "تبع تابعین" کا لقب دیا گیا۔ اس کے بعد زمانہ کا رنگ بدلا اور ظلم و جور کا دَور دورہ ہُوا تو جن لوگوں کی توجہ یادِ الٰہی اور دینی امور کی طرف زیادہ رہی ان کو زہاد و عباد کہا گیا۔ پھر جب بدعات کا ظہور ہُوا اور اُمتِ مسلمہ میں اختلاف پیدا ہُوا تو خواص اہلسنّت، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

---

[1] تاریخ فلاسفۃ الاسلام

[2] تلبیس ابلیس۔ ص ۱۷۱، ۱۷۳

صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اور تزکیہ نفوس میں لگے رہتے تھے، اُن کو "صوفیہ" کا لقب دیا گیا[۱]

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (م ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے صوفی کا لقب ابوالہاشمؒ (م ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) کو دیا گیا اور ایک عیسائی رئیس نے شام میں بمقام رملہ صوفیہ کے لیے ایک خانقاہ بنوادی تھی[۲]

شیخ ابونصر سراج طوسیؒ (م ۳۷۸ھ/۹۸۸ء) کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کے الفاظ مقرّبون، مسارعین الی الخیرات، صادقین، قانتین، متوکّلین، مخلصین، اولیا، ابرار، شاہدین وغیرہ سے صوفیہ ہی مراد ہیں[۳]

اگرچہ قرآن وحدیث میں صوفیہ اور تصوّف کا لفظ نہیں آیا، لیکن مذکورہ بالا الفاظ کے مصداق صوفیہ ہی ہیں، کیونکہ یہ اوصاف انہی میں پائے جاتے ہیں۔

اکابر صوفیہ کے تصوّف کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں جن سب کا استقصار یہاں غیر ضروری ہے۔ شیخ الاسلام حضرت زکریا انصاریؒ (م ۹۲۶ھ) نے تصوّف کی جو تعریف کی ہے وہ ان سب اقوال کا حاصل اور جامع ہے۔ حاشیہ رسالہ قشیریہ پر لکھتے ہیں:۔

"التصوف هو علم تعرف به احوال تزكية النفوس وتصفية الاخلاق وتعمير الظاهر و الباطن لنيل السعادة الابدية موضوعه التزكية والتصفية والتعمير وغايته نيل السعادة الابدية"[۴]

تصوّف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس، تصفیہ اخلاق، تعمیر ظاہر و باطن کے احوال کا علم ہوتا ہے تاکہ سعادتِ ابدی حاصل کی جاسکے۔ اس کا موضوع بھی تزکیہ و تصفیہ اخلاق و تعمیر ظاہر و باطن ہے اور اس کی غایت و مقصد سعادتِ ابدی کا حاصل کرنا ہے۔

---

۱ الرسالۃ القشیریہ فی علم التصوف ص ۱۲۶
۲ نفحات الانس۔ ص ۳۱
۳ کتاب اللمع۔ ص ۱۶
۴ حاشیہ رسالہ قشیریہ ص ۷

کتاب اللہ، سنّت رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے والوں کے تین گروہ ہیں:

۱- ارباب حدیث ۲- فقہا ۳- صوفیا

لیکن عمل کے لحاظ سے جن درجات عالیہ کو صوفیہ طے کر لیتے ہیں وہاں تک عام علما، فقہا اور اصحاب حدیث کی رسائی آسانی سے نہیں ہوتی، کیونکہ صوفیہ ہر معاملے میں خدا پر نظر رکھتے ہیں ان کا مطلوب و مقصود تمام تر خدا ہی کی رضا ہوتا ہے۔ یہ لوگ کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں پر عمل کرتے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالیؒ (م ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء) لکھتے ہیں:-

علمت انّ طریقتہم انما تتم بعلم و عمل وکان حاصل علمہم قطع عقبات النفس والتنزہ عن اخلاقہا المذمومۃ وصفاتہا الخبیثۃ حتّیٰ یتوسل بہا الیٰ تخلیۃ القلب عن غیر اللہ و تحلیۃ بذکر اللہ[1]	مجھے معلوم ہوا کہ صوفیہ کا طریقہ علم و عمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کا قطع کرنا، اخلاقِ ذمیمہ اور صفات خبیثہ سے پاک و منزہ ہونا ہے تاکہ اس کے ذریعہ قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکر الٰہی سے آراستہ کیا جائے۔

تصوّف کی اہمیّت بیان کرتے ہوئے امام غزالیؒ دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

فمن لم یرزق منہ شیئاً بالذوق فلیس یدرک من حقیقۃ النبوۃ الا الاسم[2]	جس نے تصوّف کا کچھ مزہ نہیں چکھا، وہ نبوت کی حقیقت نہیں جان سکتا، بجز اس کے کہ نبوّت کا نام جان لے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) صوفیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"جبکہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم علوی میں انتقال فرمایا تو آپ کے وارثوں میں بموجب ان کی استعداد کے خدا تعالیٰ کی نگہبانی کے وعدے (انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون) نے ظہور فرمایا پس ایک فرقہ تو موافق استعداد ازلی کے حفظ ظاہر کا مخزن ہوا اور وہ فقہا اور محدثین اور غزاۃ اور قراء ہیں کہ ہر زمانے میں ان لوگوں نے

---

[1] المنقذ من الضلال - ص ۳۲

[2] ایضاً ص ۳۳

دین کی تحریف کے روکنے میں سعی بلیغ کی اور اہلِ اسلام کو دین کے حاصل کرنے کی رغبت دلا کر مستعد کیا اور ہر ایک صدی میں ایک مجدد پیدا ہوتا رہا جسکے بیان کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے اور ایک فرقہ موافق اپنی استعداد ازلی کے حفظِ باطن کا مخزن ہوا، جس کو "احسان" کہتے ہیں تاکہ یہ فرقہ ہر ایک زمانہ میں اہل زمانہ کا مرجع ہو، اور ان کو انوارِ طاعات اور حلاوتِ عبادات اور اخلاق فاضلہ کے حاصل کرنے میں رہنمائی کرے[1]"۔

بعض مستشرقینِ یورپ، جیسے براؤن BROWNE نکلسن NICHOLSON زویمر ZWEMER ڈوزی DOZY وغیرہ کا یہ کہنا کہ تصوفِ اسلام، یونانی فلسفہ یا ہندی ویدانت سے ماخوذ ہے[2]۔ ان لوگوں کی تصوفِ اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر ہے جو لوگ گھر کے باہر کھڑے ہو کر گھر کے اندر کی چیزوں کا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو بہت سی چیزوں کے بارے میں غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ یہی حال مستشرقین اور دوسرے معترضین کا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ایک زمانہ میں یونانی فلسفہ کا اثر مسلمان علمائے کلام پر پڑا اور بعض صوفیا بھی فلسفۂ یونان اور ہندی ویدانت سے متاثر ہوئے، لیکن محققین صوفیا اور مشائخ کرام کا جو تصوف ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ماخوذ ہے، جیساکہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ جن بعض اکابر نے فلسفۂ یونان یا اشراقیت وغیرہ سے کوئی چیز لی بھی تو اسے حصولِ مقصود کا ذریعہ بنایا، مقصود نہیں بنایا۔

تمام سچے صوفیائے کرام بڑی شدت اور تاکید سے کتاب و سُنّت کے اتباع کی تلقین کرتے رہے چند بزرگوں کے اقوال ملاحظہ ہوں:۔

حضرت سری سقطیؒ (م ۲۴۹ھ/۸۶۳ء) فرماتے ہیں:۔

"جس شخص نے ایک ایسی باطنی حقیقت کا دعویٰ کیا جس کی تردید شریعت کے ظاہری حکم سے ہوتی ہے، اس نے غلطی کی[3]"۔

---

[1] قطرات ترجمہ ہمعات - ص ۷ [2]

[3] تلبیس ابلیس - ص ۱۶۶

حضرت بایزید بسطامیؒ

(م ۲۶۱ھ/۸۷۴ء) فرماتے ہیں:-

"اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کو اس قدر کرامات دی گئی ہیں کہ وہ ہوا میں اُڑتا ہے تو اُس سے دھوکا نہ کھاؤ، یہاں تک کہ یہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی اور حدود شریعت کی حفاظت میں کیسا ہے"[1]

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ

(م ۲۹۷ھ/۹۰۹ء) فرماتے ہیں:-

"ہمارا یہ علم (تصوف) کتاب و سنّت کے ساتھ مشروط ہے۔ لہٰذا جس نے قرآن نہ پڑھا ہو یا حدیث نہ لکھی ہو، اسے ہمارے علم میں گفتگو نہیں کرنی چاہیے"[2]

حضرت ابوبکر طمستانیؒ

(م ۳۴۰ھ/۹۵۱ء) فرماتے ہیں:-

"الطریق واضح والکتاب والسنة قائمٌ بین اظہرنا"[3] راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب و سنّت ہمارے سامنے موجود ہے۔

حضرت ابو عمر بن علیدؒ

فرماتے ہیں:-

"جس وجدانی بات پر کتاب و سنّت دو گواہ نہ ہوں، وہ باطل اور ناقابلِ تسلیم ہے"[4]

حضرت ابو عثمان نیشاپوریؒ

فرماتے ہیں:-

"ظاہر میں جو چیز خلافِ سنّت ہے وہ باطن میں بھی ریا کی علامت ہے"[5]

صوفیا کی انہی تعلیمات کے پیشِ نظر علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن علی ابن جوزی المحدث (م ۵۹۰ھ/۱۲۰۰ء) لکھتے ہیں:-

"قدیم صوفیا قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر کے امام تھے اور مسلمانوں کو علوم شرعیہ کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔ کتاب و سنّت کا اتباع کرتے تھے اور اس کی تاکید کرتے تھے"[6]

اسی طرح متاخرین میں سے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ، خواجہ نظام الدین اولیا دہلویؒ

---

[1] تلبیس ابلیس - ص ۱۶۸ [2] تلبیس ابلیس - ص ۳۴۷

[3] رسالہ القشیریہ - ص ۴۴ [4] الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان - ص ۶۲

[5] مدارج السالکین - جلد دوم - ص ۲۲۶ [6] تلبیس ابلیس - ص ۳۴۵، ۳۴۶

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، شیخ احمد رفاعیؒ، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ کلیم اللہ دہلویؒ، مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلویؒ، مولانا خواجہ فخر الدین دہلویؒ، اور دوسرے اکابر کی تصانیف ان کے ملفوظات و مکتوبات موجود ہیں، ان سب بزرگوں کے بے شمار اقوال کا استقصا یہاں غیر ضروری ہے، خلاصہ کلام یہ کہ ان سب بزرگوں نے اعتصام بکتاب اللہ و بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت تاکید کی ہے اور ان سب بزرگوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

○

تاریخ اسلام میں صوفیائے کرام کا تسلسل

متقدمین صوفیہ کے پہلے طبقہ میں سب سے پہلے حضرت خواجہ حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ/۷۲۸ء) کا نام آتا ہے، اگرچہ خواجہ حسن بصریؒ تابعین میں سے ہیں اور صوفی کا لقب بقول مولانا جامیؒ سب سے پہلے ابوالہاشم الصوفیؒ (م ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) کو دیا گیا، تاہم حضرت خواجہ حسن بصریؒ تمام سلاسل مشائخ کے گل سرسبد ہیں۔ آپ نے بنوامیہ کے دورِ مظالم اور دنیا پرستی اور عیش کوشی کے زمانہ میں مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی پیروی کی طرف توجہ دلائی اور دنیا کی غفلت میں پڑنے کے بجائے آخرت کو پیشِ نظر رکھنے کی تلقین کی، اسی لیے حضرت امام غزالیؒ نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ کا کلام انبیاء کرام کے کلام سے مشابہ ہے[1]۔

خواجہ حسن بصریؒ قرآن و حدیث کے مطالب و تفاصیل پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ

---

[1] احیاء علوم الدین۔ جلد اول۔ ص ۴۲

کا کلام سوز و درد میں ڈوبا ہوا ہونے کی وجہ سے بڑا پُر تاثیر تھا۔ فصاحت و بلاغت میں آپ حجاج بن یوسف جیسے افصح العرب سے بڑھ کر تھے۔

اس دَور کے دوسرے صوفیا میں حضرت مالک دینارؒ، حضرت محمد واسعؒ، حضرت حبیب عجمیؒ، خواجہ فضیل بن عیاضؒ، خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔

ان کے متبعین میں سے حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ (م ۱۸۱ھ/ ۷۹۷ء) اور حضرت سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ/ ۷۷۷ء) نے تفسیر و حدیث پر کتابیں لکھیں۔

حضرت معروف کرخیؒ (م ۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء) نے عارفانہ کیفیات کی تشریح کی۔

حضرت حارث محاسبیؒ (م ۲۴۲ھ/ ۸۵۷ء) نے محاسبۂ نفس اور وساوس و خطرات پر کتابیں لکھیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ (م ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء) نے صوفیانہ حقائق کا اظہار کیا اور احوال و مقاماتِ ولایت مرتب کئے۔

حضرت سری سقطیؒ (م ۲۴۹ھ/ ۸۶۳ء) نے بغداد میں حقائق اور توحید پر مسائل بیان کیے اور اکثر مشائخ عراق ان کے حلقہ میں آئے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ (م ۲۶۱ھ/ ۸۷۴ء) نے فن تصوف کو بہت زیادہ ترقی دی اور بہت سے نکات پیدا کئے[1]

حضرت حمدون قصارؒ (م ۲۷۱ھ/ ۸۸۴ء) نے نیشاپور میں طریقہ ملامتیہ کی ابتداء کی اور فرقہ ملامتیہ وجود میں آیا۔ (ترکِ تکلفات کی بنا پر ان کو ملامتیہ کہا گیا در اصل یہ لوگ متبعِ سنّت تھے۔ بعد کے لوگوں نے خرابیاں پیدا کیں)

حضرت سہیل بن عبد اللہ تستریؒ (م ۲۸۳ھ/ ۸۹۶ء) نے حلاوتِ مناجات اور اذواقِ عبادات کا شوق دلایا۔

حضرت ابو سعید خرازؒ (م ۲۸۶ھ/ ۸۹۹ء) نے بقا و فنا کی تشریح کی۔

حضرت جنید بغدادیؒ (م ۲۹۷ھ/ ۹۰۹ء) نے تصوف کی عام اشاعت کی اور اشارات و

---

[1] ان بزرگوں کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ تذکرۃ الاولیاء و تلبیس ابلیس۔

کنایات سے احوال و اذواق کا اظہار کیا۔

حضرت شیخ علی رودباریؒ (م ۳۲۲ھ/۹۳۳ء) نے تزکیۂ نفس کی تلقین کے ساتھ اتباعِ کتاب و سنت کی تاکید کی۔

حضرت ابوعلی ثقفیؒ (م ۳۲۸ھ/۹۳۹ء) نے بھی تصوّف کے رموز و نکات آشکارا کیے۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ (م ۳۳۴ھ/۹۴۵ء) نے تصوّف کو خوب فروغ دیا۔

حضرت ابوبکر طمستانیؒ (م ۳۴۰ھ/۹۵۱ء) نے احوالِ صوفیہ کو تابع احکامِ شریعت بنانے کی تلقین کی۔

یہاں تک متقدّمین صوفیہ کا دور ہے۔ ان میں سے ابوبکر شفافؒ، ابوسلیمان دارانیؒ، حضرت حسین نوریؒ، اسماعیل بن نجید، ابوعثمان حیریؒ زیادہ مشہور ہیں[1]

یہ سب حضرات اتباعِ کتاب اللہ و اتباعِ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کسبِ حلال اور خدمتِ مخلوقِ خدا کے علاوہ حصولِ اخلاقِ عالیہ و ترکِ عاداتِ ذمیمہ کی تلقین کرنے میں ممتاز تھے۔

متأخرین صوفیہ کے دوسرے طبقہ کے بعض لوگ یونانی فلسفہ سے متأثر ہوئے اور ان میں عاشقانہ اشعار اور زاہدانہ قصائد کا بھی رواج ہوا۔ نیز اس دور میں صوفیہ کے متعدد گروہ اور خانوادے وجود میں آئے۔ جن میں بعض گروہ غیر مقبول اور خلافِ شریعت تھے۔ محققین اور راسخین فی العلم نے ان کی تردید کی۔ اور یونانی فلسفہ کو رد کر کے کتاب و سنّت اور علومِ نبوت کی برتری واضح کی۔

اس دور کے صوفیہ نے تصوّف و سلوک پر مفصل کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے حسبِ ذیل بزرگوں کی تصانیف زیادہ مشہور ہیں:۔

شیخ محمد بن یحییٰ ابونصر سراج طوسیؒ (م ۳۷۸ھ/۹۸۸ء) نے کتاب "اللمع" لکھی۔

یہ کتاب جو کہ عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ تصوف کے مستند ذخیرہ میں سب سے قدیم ہے۔ اس میں تصوف کے متعلق جتنے بھی ضروری پہلو نکل سکتے ہیں، مصنف نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔

---

[1] ان بزرگوں کے حالات کے لیے دیکھیے۔ تذکرۃ الاولیاء۔ و تلبیس ابلیس۔

ہر ہر ضروری شعبہ پر کافی بحث کی گئی ہے[1]۔

شیخ ابوطالب مکی (م ۳۸۶ھ/۹۹۶ء) نے "قوت القلوب" تصنیف کی۔ لیکن اس میں بعض موضوع حدیثیں جمع کر دیں۔

شیخ ابوبکر (م ۳۹۱ھ/۱۰۰۰ء) نے التعرف لمذہب اہل التصوف لکھی۔

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی (م ۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء) نے "کتاب السنن" لکھی اور صوفیہ کے لیے تفسیری حقائق جمع کر دیئے نیز صوفیہ کے حالات پر ایک بسوط کتاب "طبقات الصوفیہ" کے نام سے لکھی۔

شیخ ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء) نے "کتاب الحلیہ" تصنیف کی۔ یہ کتاب دس جلدوں میں ہے اور مشائخ کے حالات و احوال پر مشتمل ہے۔

ابوسعید ابوالخیر (م ۴۴۱ھ/۱۰۴۹ء) نے اپنی رباعیات میں صوفیانہ و عاشقانہ کیفیات کا اظہار کیا۔

شیخ ابوالحسن علی ہجویری (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) نے "کشف المحجوب" لکھی۔

شیخ الاسلام شیخ عبداللہ انصاری ہراتی (م ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) نے عربی میں "منازل السائرین" لکھی۔ اس کتاب کی متعدد شرحیں لکھی گئیں اور صوفیہ میں بہت مقبول ہوئی۔ علاوہ ازیں "طبقات الصوفیہ" اور "جامع الکلام" تصنیف کیں۔

شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) نے "کتاب الرسالہ فی العلم التصوف" لکھی۔ جس کی شرح "لطائف الاشارات" کے نام سے لکھی گئی۔ اس کتاب میں بہت سی اصطلاحاتِ تصوف کو جمع کیا گیا[2]۔

محمد بن طاہر مقدسی نے صفوۃ التصوف لکھی۔ لیکن یہ شخص شیخ ابوالفضل بن ناصر حافظ کے قول کے مطابق اباحیہ مذہب رکھتا تھا[3]۔

حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد ابوحامد غزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے "احیاء علوم الدین" اور "کیمیائے سعادت" لکھیں جو کہ علوم تصوف پر مشہور و معروف ہیں۔

[1,2] کتاب اللمع۔ مطبوعہ مصر۔

[3] تلبیس ابلیس۔ ص ۱۷۳۔

حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء) کے مواعظ نے فنِ تصوّف کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ حضرت کے مواعظ جو "الفتح الربانی" اور "فتوح الغیب" کے نام سے جمع کیے گئے ہیں بڑے پُرتاثیر ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی تصنیف "غنیۃ الطالبین" مشہور ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (م ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) نے "عوارف المعارف" لکھی، جس میں شریعت و طریقت کے احکام کو جمع کیا۔ صوفیہ میں یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اور شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ اور ان کے خلفا اس کتاب کا باقاعدہ درس دیتے رہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی کتاب "فتوحاتِ مکیہ" اور "فصوص الحکم" کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ آپ نے مسئلہ وحدت الوجود کو ظاہر کیا اور اس کے بعد تصوّف کا ایک نیا دور شروع ہوا[۱]۔

تصوّف کے اس دَور میں بہت سے گمراہ اور غیر مقبول فرقے اور گروہ وجود میں آئے۔ جیسے قلندریہ، جبریہ، اباحیہ، حلولیہ وغیرہ۔ محقق صوفیہ نے ان کا رد کیا، بالخصوص علامہ ابن جوزیؒ (م ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) اور ان کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء) نے ان کے ملحدانہ خیالات کو رد کیا اور ان کے عقائد کو کتاب و سُنّت کے خلاف بتایا[۲]۔

اس دور میں صوفی شعرا حکیم سنائی غزنویؒ، خواجہ فریدالدین عطارؒ (م ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء) اور مولانا جلال الدین محمد رومیؒ (م ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) نے شعر و شاعری کے ذریعہ تصوّف کو عالمگیر تحریک بنا دیا، اور عارفانہ اور عاشقانہ اشعار سے دلوں میں آگ لگا دی۔ مولانا جلال الدین محمد رومیؒ کی مثنوی صدیوں تک مشائخ کرام پڑھتے پڑھاتے رہے۔

سلاسل تصوّف

یہی وہ دور ہے جس میں صوفیا کے روحانی سلسلے وجود میں آئے۔ مؤرخین نے بہت سے صوفی خانوادوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے مشہور اور فعال سلسلے حسب ذیل ہیں:-

---

[۱]

[۲] دیکھئے تلبیس ابلیس و الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان۔

سلسلۂ چشتیہ - اس سلسلہ کے بانی خواجہ ابو اسحاق شامیؒ (م ۳۲۹ھ/ ۹۴۰ء) ہیں۔ یہ سلسلہ تمام سلاسلِ تصوّف سے قدیمی ہے اور آج تک اس کا فیض جاری ہے متحدہ ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ (م ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) کے ذریعہ آیا اور آپ ہی نے اسے معراجِ کمال تک پہنچایا۔ آپ کے بعد شیخ کبیر شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر (م ۶۶۴ھ/ ۱۲۶۵ء) کے خلفا نے اس سلسلہ کو ہندوستان کے کونے کونے تک پہنچا دیا۔ (مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب اوّل)

سلسلۂ قادریہ - یہ سلسلہ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء) سے منسوب ہے۔ آپ کے خلفا اور خلفا کے خلفا نے عراق، شام اور ہندوستان میں اس کی اشاعت کی۔ متحدہ ہندوستان میں یہ سلسلہ شیخ شمس الدین حلبیؒ (م ۸۳۴ھ/ ۱۴۳۰ء) کے خلیفہ شاہ محمد غوث اوچیؒ (م ۹۲۳ھ/ ۱۵۱۷ء) کے ذریعہ آیا۔ پنجاب میں شاہ معروف خوشابیؒ (م ۹۸۰ھ/ ۱۵۷۹ء) اور شیخ میر محمد معروف بہ میاں میر لاہوریؒ (م ۱۰۴۵ھ/ ۱۶۳۵ء) نے اس سلسلہ کی اشاعت کی۔ سندھ میں قادری مشائخ نے بہت کام کیا۔ سندھ کا راشدی سلسلہ اور پنجاب کا نوشاہی سلسلہ، اسی سلسلہ کی شاخیں ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ - اس سلسلہ کی بنیاد ترکستان میں خواجہ محمد اتا لیسویؒ (م ۵۶۲ھ/ ۱۱۶۶ء) نے رکھی۔ خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ (م ۵۷۵ھ/ ۱۱۷۹ء) نے اس کو ترقی دی۔ اس وقت تک اسے سلسلہ خواجگان کہا جاتا رہا۔ خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ (م ۷۸۹ھ/ ۱۳۸۸ء) نے اسے معراجِ کمال تک پہنچایا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ، سلسلۂ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ سب سے آخر میں خواجہ محمد باقی معروف بہ خواجہ باقی باللہ سمرقندی کابلیؒ (م ۱۰۱۲ھ/ ۱۶۰۳ء) کے ذریعہ پہنچا۔ اتباعِ سنت اس سلسلہ کا شعارِ خاص ہے۔

سلسلہ سہروردیہ - اس سلسلہ کی بنیاد شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردیؒ (م ۵۶۳ھ/ ۱۱۶۷ء) نے رکھی اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (م ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۴ء) نے اس کی اشاعتِ عام کی۔ ہندوستان میں ان کے خلیفہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (م ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۲ء) اور قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے اس سلسلہ کو پروان چڑھایا۔

شیخ جلال الدین بخاری اوچیؒ اور آپ کے خلفا نے اس سلسلہ کو سندھ و پنجاب میں پھیلایا۔

سلسلہ کبرویہ ۔ یہ سلسلہ شیخ نجم الدین کبریٰؒ (م ۶۱۰ھ/۱۲۱۳ء) سے منسوب ہے شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ کے خلیفہ تھے اور ان کے خلیفہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ تھے۔ یہ سلسلہ توران و کشمیر میں بہت پھیلا۔ امیر کبیر سید علی ہمدانی (م ۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء) نے کشمیر میں اس سلسلہ کی اشاعت کی۔

سلسلہ فردوسیہ ۔ اس سلسلہ کے بانی شیخ بدرالدین سمرقندیؒ خلیفہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ ہیں۔ شیخ بدرالدین سمرقندیؒ کے خلیفہ شیخ رکن الدین فردوسیؒ اور ان کے خلیفہ شیخ نجیب الدین فردوسیؒ تھے۔ اس سلسلہ کی عام اشاعت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ (م ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء) نے کی۔ بہار اور بنگال میں اس سلسلہ کے بزرگوں نے کام کیا۔

سلسلہ شطاریہ ۔ یہ سلسلہ شیخ عبداللہ شطاریؒ (م ۸۶۳ھ/۱۴۵۸ء) سے منسوب ہے۔ سید محمد غوث گوالیاریؒ اور شیخ وجیہہ الدین گجراتیؒ نے اسے گجرات کاٹھیاواڑ اور جنوبی ہندوستان میں پھیلایا۔

سلسلہ شاذلیہ ۔ یہ سلسلہ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ سے منسوب ہے۔ مصر، سوڈان وغیرہ میں اس کی اشاعت ہوئی۔

سلسلہ مولویہ ۔ یہ سلسلہ مولانا جلال الدین محمد رومیؒ (م ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) سے منسوب ہے۔ اس کی اشاعت ترکستان، شام و عراق میں ہوئی۔

سلسلہ حیدریہ ۔ یہ شیخ قطب الدین حیدرؒ سے منسوب ہے۔ یہ سلسلہ خراسان (افغانستان) میں پھیلا۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ ۔ یہ سلسلہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے خلیفہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ (م ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) سے منسوب ہے۔ آپ کے خلفا نے پورے ہندوستان میں پنجاب سے لے کر بنگال، دکن اور گجرات تک اس سلسلہ کو پھیلایا، ہمارے مقالہ کا موضوع یہی سلسلہ ہے۔ پچھلی دو صدیوں میں ہندوپاکستان بالخصوص مغربی پاکستان میں اسی سلسلہ نے اسلام اور تصوفِ اسلام کی خدمات سرانجام دیں۔

---

[1] دیکھئے ضیاء القلوب، القول الجمیل۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ ۔ یہ سلسلہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے دوسرے خلیفہ شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ (م ۶۹۶ھ/۱۲۹۶ء) سے منسوب ہے۔ اس سلسلہ کے مشائخ نے سلسلہ نظامیہ کے پہلو بہ پہلو کام کیا۔ شیخ عبدالحق ردولویؒ اور شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اس سلسلہ کو ترقی دی۔ موجودہ دور میں سب سے زیادہ فعال اور متحرک یہی سلسلہ ہے۔[1]

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ ۔ حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) سے منسوب ہے۔ حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ، حضرت خواجہ محمد باقی معروف بہ خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) اور ان کے صاحبزادگان اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید دہلویؒ اسی سلسلہ کے شیوخ ہیں۔[2]

ان تمام سلاسل کے شیوخ و اکابر چونکہ علوم ظاہر و باطن دونوں کے عالم تھے، اس لیے ان مشائخ اور صوفیہ میں ہر قسم کے لوگ پیدا ہوئے اور ہر ایک نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اسلام کی خدمت کی۔ محدثین، فقہا، مفسرین، قراء اور مجاہدین سبھی قسم کے لوگوں کا ان سلاسل سے تعلق رہا ہے۔

اہلِ تصوّف اور جہاد فی سبیل اللہ

تصوّفِ اسلام، اخلاص و للّٰہیت، یقینِ کامل اور خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا کرتا ہے اور روحانی و قلبی قوتوں کو بڑھاتا ہے۔ اور یقین و محبت خود شہپرِ پرواز عطا کرتے اور سرفروشی و جانبازی کے جذبات پیدا کرتے ہیں اور جس تصوّف سے مذکورہ بالا اوصاف پیدا نہ ہوں وہ اور جو کچھ بھی ہو اُسے تصوّفِ اسلام کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے خلیفۂ وقت یزید بن عبدالملک اموی اور حجاج بن یوسف

---

[1]، [2] سلسلہ چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ، نظامیہ، صابریہ کے شجرۂ مشائخ کے لیے دیکھئے ضیاء القلوب و القول الجمیل۔

جیسے ظالم و قاہر پر جس طرح برملا تنقید کی[1]، تاریخ اُسے آج تک بُھلا نہیں سکی۔ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحؒ نے ہارون الرشید عباسی کو جس بے پروائی سے نصیحتیں کیں اور حضرت امام احمد بن حنبل رحؒ نے جس طرح مامون الرشید عباسی کے مقابلہ میں مسئلہ خلقِ قرآن کے سلسلہ میں استقامت دکھائی[2] وہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحؒ اپنے دور کے عباسی خلفا کو[3] اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحؒ اور اُن کے خلفا، سلاطینِ ہند کو اُن کے منہ پر جس طرح کھری کھری سناتے تھے[4]، یہاں تک کہ اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے تھے، تاریخ کے مشہور و معروف واقعات ہیں۔ دورِ آخر میں شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی رحؒ جس طرح اکبر اور جہانگیر کے پیدا کردہ الحاد و لادینیت کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑے ہوئے، اور اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کیا، وہ بھی تاریخ تصوف کا ایک روشن باب ہے۔ انہی شیوخِ طریقت میں سے کتنے ہی ایسے تھے جنہوں نے بنفسِ نفیس کافروں سے جہاد کیا اور میدان کارزار میں دادِ شجاعت دی۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ چشتی سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی نے اپنے مریدوں سمیت سلطان محمود غزنوی رحؒ کے لشکر میں شریک ہو کر جہاد ہندوستان میں حصہ لیا تھا۔ دورِ مابعد میں بھی بہت سے شیوخِ طریقت میدانِ جہاد میں اپنا سر کٹاتے نظر آتے ہیں۔

۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء میں روس کے علاقہ طاغستان پر جب روسیوں نے قبضہ کیا تو اُن کے مقابلہ میں طاغستان کے نقشبندی مشائخ میدان میں نکل آئے۔ ان میں سے غازی محمد معروف بہ قاضی مُلا پیش پیش تھے، جو روسیوں سے جہاد کرتے ہوئے ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں شہید ہوئے اور اُن کے جانشین حمزہ بے اور حمزہ بے کے جانشین شیخ شامل رحؒ نے ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء تک مسلسل روسیوں کے خلاف جہاد جاری رکھا[5]۔

---

[1] ، [2] ، [3] تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول ص ۳۶ ، ۹۸ ، ۱۸۲ -

[4] ایضاً جلد سوئم ص ۱۵۶

[5] "بیس بڑے مسلمان" مرتبہ عبدالرشید ارشد میں دیکھئے بعنوان "اہل تصوف اور دینی جدوجہد" ص ۹۸۵ -

مغرب میں امیر عبدالقادر الجزائری نے فرانسیسیوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء سے ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء تک مصروفِ جہاد رہے۔ امیر عبدالقادر الجزائری ایک بلند مرتبہ شیخ طریقت تھے۔ جنہوں نے تصوف پر ایک کتاب "المواقف" کے نام سے لکھی [۱]۔

اسی طرح بارہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی میں جب فرنگی تمام عالم اسلام پر چھا گئے۔ تو ان کے مقابلہ میں عالم اسلام کے مختلف گوشوں سے شیوخ طریقت اور اصحاب سلسلہ اپنے سروں سے کفن باندھ کر میدان میں نکل آئے اور تزکیہ نفس اور ارشاد و دعوت کے ساتھ ساتھ میدان جہاد میں داد شجاعت دیتے رہے۔

اطالویوں نے برقہ و طرابلس پر قبضہ جمانا چاہا تو اُن کے مقابلہ میں سید محمد احمد سوڈانی معروف بہ مہدی سوڈانی اور سید احمد الشریف السنوسی نے اپنے مریدین کو ساتھ لے کر جہاد کیا اور پندرہ سال تک افریقہ کے اس علاقہ میں اطالویوں کے پاؤں نہیں جمنے دیئے۔ علاوہ ازیں علاقہ کانم اور وادیٔ سوڈان میں ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء سے ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء تک فرانسیسیوں سے برسرپیکار رہے۔ افریقہ کے صحرائے اعظم میں ان بزرگوں کی خانقاہ سنوسیہ افریقہ کا سب سے بڑا روحانی مرکز اور جہاد کا دارالتربیت تھی [۲]۔

متحدہ ہندوستان میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے خلیفہ سید احمد شہید بریلوی، شاہ اسماعیل شہید اور شاہ عبدالرحیم ولایتی چشتی صابری (حضرت میاں نور محمد جھنجھانوی کے مرشد) نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جو جہاد کیا اور بالآخر ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں شہید ہوئے، ان کے بعد ان کے خلفا میں سے مولانا سید نصیر الدین، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا یحییٰ علی اور مولانا احمد اللہ صادق پوری نے عرصہ دراز تک انگریز کے خلاف عملاً جدوجہد جاری رکھی وہ بھی تاریخ تصوف ہی کا ایک اہم باب ہے کیونکہ یہ سب لوگ اہل طریقت تھے [۳]۔

---

[۱]، [۲] "میں بڑے مسلمان" مضمون بعنوان "اہل تصوف اور دینی جدوجہد"۔ ص ۹۸۵
[۳] سیرت سید احمد شہید۔ جماعت مجاہدین۔

انگریزوں کے خلاف سید صبغۃ اللہ شاہ قادری راشدی کی جدوجہد بھی ناقابل فراموش ہے[1]۔

اسی دور میں خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ (م ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء) ملتان میں سکھوں کے خلاف میدان جہاد میں برسرپیکار رہے۔ (دیکھئے کتاب ہذا کا باب اوّل)۔

ان کے پہلو بہ پہلو شمالی ہندوستان میں حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سواتیؒ (م ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) سلسلۂ قادریہ کے مشہور شیخ طریقت، اپنے خلفا اور مریدین کو ساتھ لے کر پہلے سکھوں سے اور بعد میں انگریزوں سے برسرپیکار رہے۔ آپ اپنے مریدین سے انگریز کے خلاف جہاد پر بیعت لیا کرتے تھے[2]۔

دَورِ آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) اور ان کے خلفا میں سے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ نے شاملی کے میدان میں انگریزوں کے خلاف جہاد کیا اور ساتھ ساتھ مسندِ ارشاد و سلوک کو بھی زینت بخشی، انہی کے خلفا میں سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) اور ان کے جانشین مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنی جانوں کو داؤ پر لگا کر استخلاصِ وطن کے لیے جو کوششیں کیں اور اسی سلسلہ میں جزیرہ مالٹا میں قید رہ کر جو اذیتیں برداشت کیں، اور اس کے ساتھ ساتھ سلسلہ درویشی اور خانقاہی اور درس و تدریس کو بھی جاری رکھا[3]۔ یہ بھی سلسلۂ تصوف ہی کی سنہری کڑی ہے۔

ان تاریخی حقائق کے باوجود تصوّف اور اہلِ تصوّف پر بے عملی اور سپر اندازی کا الزام لگانا، حقائق کا منہ چڑانا ہے:

---

[1] - تذکرہ صوفیائے سندھ۔

[2] - تذکرہ علما و مشائخ سرحد۔ جلد اوّل - ص ۱۴۹

[3] - "بیس بڑے مسلمان"۔

تصوّفِ اسلام کیا ہے

گذشتہ سطور میں ہم نے تصوّفِ اسلام کے بارے میں بعض صوفیا کے اقوال پیش کئے ہیں۔ علاوہ ان کے دوسرے اکابر صوفیا نے اپنی اپنی کتابوں میں تصوّفِ اسلام کی تعریف و تشریح کی ہے، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ تصوّف تین چیزوں کا نام ہے۔

۱۔ یقین کامل۔

۲۔ رابطۂ عبدیت و محبتِ الٰہی۔

۳۔ تزکیۂ نفس و تصفیہ اخلاق۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں قلب کا ایسا اطمینان و یقین جیسا کہ کسی حقیقت کے مشاہدے سے ہوا کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطۂ عبدیت نصیب ہو، اور بندہ کا دل ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی محبت و عظمت سے معمور رہے۔ اور اس بندہ کی پوری زندگی یعنی اُس کے اخلاق، اس کے معاملات اور اس کی معاشرت کی روح یہی ایمان و یقین اور رابطۂ عبدیت و محبت بن جائے۔

اصل تصوّف تو یہی کچھ ہے۔ رہے اذکار و اشغال، اور مراقبات و اجرائے لطائف وغیرہ، تو وہ سب چیزیں انہی کیفیات کو پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں، جو کہ مختلف ادوار میں مختلف بزرگوں نے اپنے اپنے تجربہ اور مسترشدین کی استعداد کے پیشِ نظر طالبین کو تلقین کیے۔

باقی کشوف و کرامات، تصرفات و خوارق، وجد و حال اور رویائے صادقہ وغیرہ بھی مقصود نہیں ہیں بلکہ صرف عبادات و ریاضات کے نتائج ہیں یا انعاماتِ الٰہیہ ہیں، لیکن مقصودِ اصلی نہیں ہیں کیونکہ یہ چیزیں استدراجاً غیر مسلموں کو بھی ریاضتیں کرنے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اسی لیے محققّین صوفیہ کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی اہمیّت نہیں۔[1]

حقیقی اسلامی تصوّف تو بس ہوا نے نفس سے نجات پانا یافت و شہودِ حق کا قائم کرنا اور

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ۔

خلق سے فانی ہوکر حق سے بقا پاتا ہے۔

اوپر ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ تصوفِ اسلام، کتاب اللہ و سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل فرمایا:

"بُعِثتُ لاتمم مکارم الاخلاق"

اور قرآن مجید میں آپ کا کام یہ بتایا گیا۔ " ویُزکّیھم و یُعلمھم الکتاب والحکمۃ" یعنی تزکیۂ اخلاق اور تعلیمِ کتاب و حکمت۔ اور قرآن مجید میں فلاحِ دارین کا مدار تزکیۂ اخلاق قرار دیا گیا۔

قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا (سورہ والشمس۔ پارہ ۳۰)

(جس نے اپنے نفس یعنی روح کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا، اور جس نے اسے (اخلاق ذمیمہ کی وجہ سے) خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا)۔

قرآن مجید کی سورہ واقعہ میں تین جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اصحاب شمال۔ اصحاب یمین اور مقرّبین۔ ہدایت و گمراہی کے لحاظ سے تو دو ہی جماعتیں ہیں اصحاب شمال اور اصحاب یمین۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرّمعیت اور رابطۂ عبدیت و اقربیت رکھنے والوں کو مقرّبین کہا گیا، گویا کہ مقرّبین کا درجہ اصحاب یمین سے بلند ہے اور انہی کے لیے "روح و ریحان و جنت نعیم" کی بشارت ہے اور مقرّبین یہی صوفیہ ہیں جیسا کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں فرمایا:

انا نعنی بالصوفیۃ المقربین ——— ہم صوفیہ کے معنی مقربین ہی کے سمجھتے ہیں۔

اور انبیاء کرام بدرجۂ اولیٰ مقرّبین میں داخل ہیں۔

اذکار و اشغالِ تصوّف کے ذریعہ اُن باطنی کیفیات کو حاصل کیا جاتا ہے، جن کو کتاب و سنّت میں ایمان و اسلام کی ضروری شرط قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً محبت کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

والذین اٰمنوا اشد حباً لِلّٰہ   اور جو ایمان والے ہیں اُن کو سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے ہوتی ہے۔

اِس آیت میں اللہ کی محبت کو ایمان والوں کی صفت بتایا گیا۔ اللہ کی محبت کیا چیز ہے اِس کی تشریح مفسرِ قرآن علامہ ابی الفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی البغدادی (م ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۳ء) نے یوں کی ہے، آیت " ان کنتم تحبون اللّٰہ " کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" وحقيقة المحبة عند العارفين احتراق القلب بنيران الشوق ، و روح الروح بلذة العشق ، واستغراق الحواس فى بحر الانس ، وطهارة النفس بمياه القدس ، ورؤية المحبوب بعين الكل ، و غمض عين الكل عن الكونين ، وطيران السر فى غيب الغيب ، وتخلق المحب بخلق المحبوب - وهذا اصل المحبة - واما فرعها فهو موافقة المحبوب فى جميع ما يرضاه وتقبل بلائه بنعت الرضا والتسليم فى قضائه و قدره بشرط الوفا ، ومتابعة سنة المصطفىٰ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واما ادابها فالانقطاع عن الشهوات و اللذات المباحة والسكون فى الخلوات والمراقبات ، واستنشاق نفحات الصفات ، والتواضع والذل فى الحركات والسكنات ۔

مساكين اهل العشق حتى قبورهم ۔۔ عليها تراب الذل بين المقابر "[1]

ترجمہ:۔ عارفین کے نزدیک محبت کی حقیقت یہ ہے: شوق کی آگ میں دل کا جلنا، لذتِ عشق سے روح کا وجد کرنا، انس کے سمندر میں حواس کا غرق ہونا، قدس کے پانیوں سے نفس کی طہارت کرنا، سر تا پا نظر بن کر محوِ نظارۂ محبوب ہونا، ظاہر و باطن کی آنکھ کا دونوں جہانوں سے بند کر لینا، اور باطن (روح) کا غیب الغیب میں پرواز کرنا، اور محب کا محبوب کے اخلاق سے متخلق ہونا، یہ تو محبت کی اصل ہے۔ رہی اس کی فرع تو وہ یہ ہے: اُن تمام اُمور میں محبوب کی موافقت کرنا جن سے وہ راضی ہو، اُس کی رضا کے لیے اُس کی ڈالی ہوئی مصیبتوں کا استقبال کرنا، اور اس کی قضا و قدر کے آگے ہمیشہ ہمیشہ سر جھکائے رکھنا، اور سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرنا، رہے اُس کے آداب تو وہ یہ ہیں:

---

[1] روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ص ۱۴۲ - سورہ آل عمران

شہوات اور مباح لذات کا چھوڑنا، اور تنہائی میں سکون پانا، اُس کی یادداشت میں دل کی نگرانی کرنا۔ صفاتِ الٰہی کی بُو سونگھنا (یعنی مظہرِ صفاتِ الٰہی ہونا)، اور حرکات و سکنات میں تواضع اور مسکنت اختیار کرنا، اہلِ عشق وہ غربا و مساکین ہیں کہ مرنے کے بعد اُن کی قبروں پر، دوسری قبور کے درمیان، عجز و مسکنت کی مٹی پڑی ہوئی ہے۔

یہ تو صرف ایک ایمانی کیفیت یعنی "محبت" کی شرح ہوئی، اور اسی میں سارے تصوف کا خلاصہ آگیا۔ اب دوسری کیفیات کے بارے میں ارشادِ ربانی ملاحظہ ہو۔

سورہ انفال میں فرمایا:۔

انما المؤمنون الذین اذا ذُکر اللہ وجلت قلوبھم و اذا تُلیت علیھم ایٰتہٗ زادتھم ایماناً وعلیٰ ربھم یتوکلون۔

سچے ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دلوں میں خوف کی کیفیت پیدا ہو، اور جب اُن کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو ان کے نورِ ایمان میں زیادتی ہو اور اپنے پروردگار پر وہ بھروسہ رکھتے ہوں۔

سورہ آلِ عمران میں فرمایا:۔

الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم

وہ لوگ جن کا حال یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں یاد کرتے ہیں اور یاد رکھتے ہیں اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور بستروں پر لیٹے ہوئے بھی۔

ان آیات میں خوف و خشیتِ الٰہی، یادِ الٰہی اور توکل علی اللہ کو ایمانِ کامل کی نشانی بتایا گیا ہے۔ خوف و خشیتِ الٰہی، اُس وقت پیدا ہوتے ہیں جب حق تعالیٰ کی عظمت و قدرت، اس کی صفاتِ قہر و عدل اور اس کی بے نیازی کا استحضار ہو۔ اسی کیفیت کا اظہار حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ (م ۷۸۲ھ) اپنے ایک مکتوب میں اس طرح فرماتے ہیں:۔

اے برادر مرا و ترا کار با جبارے و قہارے افتادہ است، اگر بہشت بہشت را عین دوزخ گرداند و دوزخ را عین بہشت، و از کعبہ کلیسا برآرد و از بتکدہ کعبہ سازد در قدرتِ او ہر دو یکے

است ہیچ زہرہ نماندہ است کہ آب نشدہ است، خوف آنست کہ دمبدم و لحظہ بلحظہ لرزی ومی ترسی بناید کہ دستِ (قدرت) او بی علّت از پردہ غیب پیدا شود۔ و قہریست اورا بی علّت، و لطفیست اورا بی علّت، از لُطف آلودہ (را) طلبد تا باب مغفرت بشوید تا پاکی لُطف از دل پیدا آید، قہرش پاکی (را) طلبد تا رویش بدُودِ ہجران سیاہ کند تا پاکی سلطانِ قہر از اسباب ظاہر گردد۔ گاہ از زیر دامن شقی نبی بیرون آرد، و گاہ از زیر دامن نبی شقی پیدا آرد، گاہ سگے را در صفِ اولیا نشاند و گاہ ولی را در طویلہ سگاں بندد ولکن چون قبول خواہد کرد ردنکند، و چوں رد خواہد کرد بہ ہیچ چیز قبول نکند[۱]۔

ترجمہ :۔ "میرے بھائی ہمیں تمہیں ایک جبّار و قہار سے واسطہ ہے، اگر بہشت بہشت کو عین دوزخ قرار دے دے، اور دوزخ کو عین بہشت بنادے۔ کعبہ سے کلیسا برآمد کرے اور بتکدہ کو کعبہ بنادے، اس کی قدرت و قوت کے سامنے سب ایک ہے۔ کس کا زہرہ ہے کہ آب نہ ہوا ہو۔ خوف یہ ہے کہ دمبدم و لحظہ بلحظہ لرزاں و ترساں رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا دستِ قدرت بے علّت پردۂ غیب سے نمودار ہو۔ اس کا قہر بھی بے علّت ہے اور اس کا لُطف بھی بے علّت ہے۔ اپنے لُطف و مہربانی سے ایک آلودۂ معاصی کو طلب کرتا ہے تاکہ اس کو آبِ مغفرت سے دھوئے، تاکہ لُطف کی پاکی دل سے ظاہر ہو، اس کا قہر کبھی کسی پاک کو طلب کرتا ہے تاکہ ہجر کے دھوئیں سے اس کا چہرہ سیاہ کرے تاکہ سُلطانِ قہر کا اسباب سے بے نیاز ہونا ثابت ہو جائے، کبھی کسی شقی کے دامن کے نیچے سے نبی کو باہر لاتا ہے، اور کبھی کسی نبی کے دامن کے نیچے سے شقی کو پیدا کرتا ہے، کسی کتے کو اولیا کی صف میں بٹھاتا ہے، اور کبھی ولی کو کتّوں کے طویلہ میں باندھ دیتا ہے۔ لیکن جب وہ کسی کو قبول کرلیتا ہے تو اس کو رد نہیں کرتا، اور کسی کو رد کردیتا ہے تو پھر کسی کے بدلہ میں قبول نہیں فرماتا۔"

حق تعالیٰ کی عظمت و جلالتِ شان اور اس کے مقابلہ میں مخلوق کی عاجزی و بے کسی کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رح (م ۵۶۱ھ) نے کیفیت

---

[۱] مکتوباتِ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ۔ مکتوب نمبر ۵۷۔

خشیت کا اظہار اس طرح فرمایا:۔

" کل مخلوق کو اس طرح سمجھو کہ ایک بادشاہ نے جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعب و داب دل ہلا دینے والا ہے ، ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑی ڈال کر صنوبر کے درخت کے ساتھ ایک نہر کے کنارے جس کی موجیں زبردست پاٹ بہت بڑا ، تھاہ بہت گہری ، بہاؤ بہت زوروں پر ہے ، لٹکا دیا ہے ، اور خود ایک نفیس و بلند کرسی پر کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے ، تشریف فرما ہے ، اور اس کے پہلو میں تیر و پیکاں ، نیزہ و کمان اور ہر طرح کے اسلحہ کا انبار ہے جس کی مقدار خود بادشاہ کے سوائے کوئی نہیں جانتا ۔ اب ان میں سے جو چیز چاہتا ہے ، اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے ۔ تو کیا یہ تماشا دیکھنے والے کے لیے بہتر ہو گا کہ وہ سلطان کی طرف سے نظر ہٹا لے اور اس سے خوف و امید ترک کر دے ، اور لٹکے ہوئے قیدی (مخلوق) سے امید و خوف رکھے ، کیا جو شخص ایسا کرے ، اہل عقل کے نزدیک بے عقل ، بے ادراک ، دیوانہ ، چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہے[1] ۔"

جب ایک طرف دل میں حق تعالیٰ کی عظمت اور دوسری طرف مخلوق کی بے کسی و عاجزی کے احساس و ادراک کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو خود بخود توکل علی اللہ کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے جو کہ اہلِ ایمان کی آیت مذکورہ بالا میں صفت بتائی گئی ۔ توکل و تفویض کی تشریح بھی حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی زبانی سنیئے ۔ فرماتے ہیں :۔

" جملہ امور حق تعالیٰ کے سپرد کرو کہ وہ تمہارا تم سے زیادہ واقف ہے ۔ اس کی کشائش کے منتظر رہو ، ایک پل سے دوسرے پل تک بہتیری گنجائش ہے (پس کیا بعید ہے کہ دوسرے ہی لحظہ تنگی رفع کر کے وسعت عطا فرما دے) حق تعالیٰ کے خادم بنو اور اس کا دروازہ کھلواؤ اور مخلوق کے دروازوں کو بند کر دو ۔ (کہ اس کے سوائے کسی سے کچھ نہ مانگو) پس وہ تم کو وہ عجیب عنایتیں دکھائے گا جو تمہارے شمار سے باہر ہیں ۔ تجھ پر افسوس اگر اللہ چاہے گا کہ مخلوق کے ہاتھوں تجھ کو نفع پہنچائے تو نفع پہنچا دے گا ، اور اگر چاہے گا کہ ان کے ہاتھوں

---

[1] رموز الغیب ترجمہ فتوح الغیب ۔ مقالہ نمبر ۱۷

تجھ کو نقصان پہنچائے تو نقصان پہنچا دے گا، کیونکہ وہی ان کے قلوب کا مسخر کرنے والا اور نرم یا سخت بنا دینے والا ہے۔ وہی زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے۔ وہی دینے والا اور نہ دینے والا ہے، وہی عزّت بخشنے والا اور ذلیل کرنے والا ہے۔ وہی بیمار ڈالنے والا اور صحت دینے والا ہے۔ وہی پیٹ بھرنے والا ہے اور بھوکا رکھنے والا ہے۔ وہی کپڑے دینے والا اور ننگا رکھنے والا ہے۔ وہی محسن ہے اور وہی وحشت دینے والا۔ وہی ہے اول و آخر اور ظاہر و باطن۔ سب کچھ وہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا[1]۔"

الغرض یہی وہ کیفیات ہیں جو تصوّفِ اسلام کی غرض و غایت اور اصل مقصود ہیں اور جن کو خود حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اہل ایمان کی صفت بتایا ہے۔ ان سب کیفیات کی اصل اور بنیاد "یقینِ کامل" ہے۔ "یقینِ کامل" کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا:-

"جس شخص کا ایمان قوی ہو جاتا ہے اور یقین جم جاتا ہے وہ قیامت کے سارے معاملات جن کی خبر حق تعالیٰ نے دی ہے قلب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے جنّت و دوزخ کو اور جو کچھ راحتیں اور تکلیفیں ان میں ہیں سب کو۔ وہ دیکھتا ہے صور کو اور اس فرشتہ کو جو اس پر تعینات ہے۔ وہ دیکھتا ہے دنیا کا زوال اور اہل دنیا کی دولت و حکومت کے انقلاب کو۔ وہ دیکھتا ہے تمام چیزوں کو جیسی کہ حقیقت میں ہیں۔ وہ دیکھتا ہے مخلوق کو گویا کہ وہ قبروں کے مدفون مُردے ہیں جو چل پھر رہے ہیں۔ جب قبروں پر اس کا گزر ہوتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے وہ عذاب و ثواب جو اس کے اندر ہو رہا ہے۔ وہ دیکھتا ہے قیامت کو اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے یعنی خداوند تعالیٰ کے سامنے پیشی اور مخلوق کا ایک جگہ ٹھہرنا وغیرہ وغیرہ[2]"

قرآن مجید کے علاوہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مختلف احوال و کیفیات کی وضاحت کی گئی ہے جن سے ایمان و اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔ مثلاً مشہور حدیث جبرئیل میں اسلام اور ایمان کے بعد احسان کی حقیقت بیان فرمائی گئی

---

[1] فیوض یزدانی اردو ترجمہ الفتح الربانی۔ ص ۲۲۷
[2] فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی ص ۱۱۰

ہے "احسان" کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان تعبد کانک تراہ فان لم تکن تراہ فَاِنَّہٗ یراک (رواۃ البخاری والمسلم)

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے پر وہ تو تم کو ہر جگہ اور ہر آن دیکھتا ہے۔

ایک حدیث میں "اخلاص وللہیت" کی شرح یوں بیان فرمائی :-

مَن اَحَبَّ لِلّٰہِ و ابغض لِلّٰہِ و اَعطیٰ لِلّٰہِ ومنع لِلّٰہ فقد استکمل الایمان - (مشکوٰۃ المصابیح)

جس شخص کا حال یہ ہو کہ وہ اللہ ہی کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھے۔ اللہ ہی کے لیے کسی کو کچھ دے ، اور کسی کو کچھ دینے سے اللہ ہی کی رضا کے لیے ہاتھ روکے۔ تو اُس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔

اسی طرح بہت سی احادیث میں دوسری ایمانی کیفیات بیان کی گئی ہیں جن سے ایمان واسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی پُرتاثیر تھی کہ آپ کی صحبت میں صحابہؓ کرام کو یہ ایمانی کیفیات خود بخود حاصل ہو جاتی تھیں - اور صرف نماز ، روزہ اور فرائض کی ادائیگی ہی ان کے لیے کافی تھی۔

غیبی حقائق پر یقین کامل ، حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا استحضار ، اور اُخروی نعمتوں کا شوق ہی صحابہ کرام کی قوت کا سرچشمہ تھا - یہی وہ کیفیات تھیں جو صحابہ کرام کی ہمّت و پیش قدمی ، جان بازی ، دلیری اور کفر وضلالت کے خلاف جدوجہد کے لیے محرک تھیں اور ان کے فتح وظفر کا ذریعہ تھیں اور یہی وہ ایمانی کیفیات تھیں جن کی وجہ سے صحابہؓ کرام دنیا کے معاملہ میں سب سے زیادہ زاہد ، آخرت کے سب سے زیادہ شائق ، اس کے یقین میں سب سے زیادہ سرشار اور خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضری اور شہادت فی سبیل اللہ کے مشتاق تھے اور اسی وجہ سے وہ سب سے زیادہ جان نثار وجانباز ، بہادر وجگر دار تھے - اور حق کے لیے سرفروشی اور جہاد وقربانی میں پیش پیش تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ، انہی ایمانی کیفیات کو پیدا کرنے کے لیے

صوفیا اور مشائخ نے اذکار واشغال کی تلقین کی۔

اذکار واشغال کا مطلب اللہ کا ذکر اور فکر ہے اور کثرتِ ذکر اور فکر کی تلقین کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کی گئی ہے اور امّت کا ایک بڑا طبقہ اسی ذکر و فکر کی مواظبت سے مطلوبہ ایمانی کیفیات کو پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

"جس چیز کی شارع نے حرص دلائی ہے دو امر ہیں، ایک ذکر اور دوسرا فکر۔ اور مراد ذکر سے ذکر زبانی ہے۔ حدیث شریف میں جو جہر اور خفیہ کا ذکر ہے وہ دونوں ذکر زبانی ہی ہیں اور چونکہ ذکر زبانی سے فکر قلبی تک منتقل ہونا مُبتدیوں کو دشوار تھا۔ اس واسطے مشائخ نے ذکر قلبی کو استنباط کر لیا کہ ذکر اور فکر کے درمیان مثل برزخ کے ہے جیساکہ ظاہر ہے اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

" ماراٰه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن "۔ جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں، وُہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔ روایت کیا اس کو امام محمدؒ نے مؤطا میں تعلیقاً۔"[1]

کیفیتِ عشق

ذکر اور فکر سے کیفیتِ عشق کیسے پیدا ہوتی ہے، اس کا حال ایک صاحبِ حال کی زبانی سُنیئے۔ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ (م ۱۲۴۶ھ) فرماتے ہیں :۔

"حصولِ عشق کا سبب ایک مثال کے بیان کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے، سو اس کی تصویر اس طرح ہے کہ جیسے آگ جو کہ سب عناصر سے بلند مرتبہ رکھتی ہے اور سب سے زیادہ لطیف تر اور زیادہ صاف ہے، جب زمین کے اجزائے لطیفہ سے جن کو "دخان" کہتے ہیں، مل جاتی ہے، اُن اجزائے ارضی کو اپنے حیز کی طرف، جو سب احیاز عنصریہ سے مافوق اور اوپر ہے، کھینچتی ہے تاکہ ان کو اپنے آپ میں فانی کر کے آثارِ احکام میں اپنا ہم رنگ اور مشابہ بنا لے۔ لیکن غبار، جو کہ جَوّ میں (یعنی فضا میں) تودے کے تودے جمع ہو رہا ہے، چونکہ اس دخان کو حیز نار کی طرف چڑھنے سے مزاحم و مانع ہوتا ہے، ناچار اقتضائے نار اور

---

[1] قطرات ترجمہ سمعات۔ ص ۲۱

اقتضائے غبار کے درمیان کشمکش اور مزاحمت اور مقابلہ واقع ہو جاتا ہے اور اس تمانع اور تزاحم (رکاوٹ) کے سبب سے رعد کی ہولناک آواز، آگ کے برقی شعلے، حادثات ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اجزائے ناریہ اپنی تندی اور تیزی کی وجہ سے بعض عوائق کو پانی سے بدل کر زمین کی طرف بہا دیتے ہیں اور بعض موانع کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر پراگندہ اور پریشان کر دیتے ہیں (یعنی منتشر کر دیتے ہیں) بعد ازاں اجزائے لطیفہ دخانیہ کو کھینچ کھینچا کر اپنے آپ میں فانی اور نیست نابود کر دیتے ہیں، اسی طرح لفظ مبارک "اللہ" کا یعنی اسم ذات، جو عالم الفاظ میں حضرت بیچون سبحانہٗ و تعالیٰ کی تجلّی ہے، جب ذاکر کے حلق زبان اور تالو اور کان کو نور اور سکینہ اور لذت سے مالا مال کر دیتا ہے، بشرطیکہ ذکر جہر، جو وساوس کے دور کرنے اور خیالات اور خطرات کی جمعیّت و تسکین اور ترقیق و تلطیف ارواح کے لیے موضوع ہے، اس طریق کے مطابق ہو جو صوفیہ کرام کے نزدیک معہود و مقرر ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس ذاکر کے خیال اور وہم کو گم گشتگی اور گمنامی بخشتا ہے۔ بشرطیکہ "ذکر خفی" جو اس لفظ مبارک کی حلاوت و شیرینی پانے اور تنہائی اور خاموشی کی لذت اور مزہ حاصل کرنے، اور لوگوں کے اختلاط اور ہم کلامی سے نفرت حاصل کرنے کے لیے موضوع ہے، اس طریق پر واقع ہو، جو صوفیہ میں مشہور و معروف ہے۔ خواہ صرف اسی لفظ مبارک کے ذکر سے یہ معنی حاصل ہو گیا ہو، خواہ نفی یا دوسری صفات کے ضم کرنے سے طالب کو اس لفظ کے مفہوم کے تصوّر کی طرف انتقال ہو جائے اور یہ عالمِ علم و ادراک میں حضرت حق جل جلالہٗ کی تجلّی ہے، جو سب تجلیات سے الطف اور بلند تر اور حضرت ذات کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے اور جب یہ تجلّی یعنی مفہوم اس لفظ کا جو کہ بسیط محض اور مجرد بحت (سادہ و خالص) ہے۔ اس کے ذہن میں اس حیثیت سے استقرار پکڑ جاتی ہے کہ اس کی بصیرت کی آنکھ اسی مفہوم کی طرف دائم التوجہ ہو جائے اور ادراک کی تمام قوتیں آنکھ کی طرح اسی مفہوم کی طرف نظر جما لیں اور اس کے ماسوا کی طرف نہ دل سے ذرّہ بھر التفات بھی صادر نہ ہو، اور اگر گاہ بگاہ ماسوا کا خطرہ اس کے ذہن میں گزر جائے تو امور اتفاقیہ کی طرح ہوتا ہے نہ کہ نہ دل سے اور قوم یعنی صوفیہ کرام کے نزدیک یہ کیفیت فکر کے نام سے نامزد ہے۔ الغرض جب طالب اپنے ادراک اور ہمت

سے اس مفہوم میں استغراق قوی حاصل کر لیتا ہے اور یہ تجلّی اُس کی جان سے پیوند ہو جاتی ہے تو سالک کی لطیف ترین اجزا کو جس کا نام روحِ الٰہی ہے اپنا آشیانہ بنا کر، اور اس کے ساتھ امتزاج پا کر اس کو اپنی اصل کی طرف کھینچتا ہے اور روحِ الٰہی جو کہ عالمِ پاک سے ہے اور "قل الروح من امر ربی" اُس کی شان میں ہے اور اس مشتِ خاک یعنی جسم میں محبوس و مقیّد ہونے کے سبب سے اپنی اصل کو بھول گئی تھی۔ اور اس کے ادراک کا آئینہ زنگ پکڑ گیا تھا۔ جب اس تجلّی کے نور سے اس کا چہرہ مصفّا و مصقول ہو گیا اور کمالاتِ حق کا عکس اپنے اندر دیکھا کہ حدیث " وَاَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ " اسی طرف اشارہ ہے اور اپنے فراموش شدہ اصل کو پھر یاد کر کے اصل کی طرف پہنچنے کی پھر خواہش کرتی ہے پس اس تجلّی کا اس روح کو کھینچنا بہ سبب اس آگاہی اور بیداری کے جو اس تجلّی کے استقرار کی وجہ سے حاصل تھی، اور روح کا کھچ جانا حظیرۃ القدس کی طرف صعود کرنے کا اقتضا کرتے ہیں، اور رفیق اعلیٰ کے ساتھ مل جانے کی خواہش کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ بشریت کا غبار حظیرۃ القدس میں پہنچنے سے مانع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ناچار اقتضائے روحانی اور اقتضائے نفسانی کے درمیان کشمکش اور مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے، اس سبب سے شورش اور بیقراری اور گرمی نسمہ (نفس و جان) کے اندر، جو روح طبّی سے ملقّب ہے، پیدا ہو جاتی ہے جس طرح غصّے کے وقت شورش اور گرمی اور خوشی کے وقت بشاشت اور دل کی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے بالجملہ یہ شورش اور تغلغل (شورش) جو کہ روح نفسانی میں پیدا ہو گئی ہے، طالب کو دیوانوں اور مستانوں کی طرح آوارہ پھراتی ہے اور اس کی عقل و فکر کو درہم برہم کر دیتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قانون شرع اور قواعدِ ادب سے باہر کھینچ لے جاتا ہے۔ اور اس کیفیت کی شدّت اور حدّت کی وجہ سے جنگلوں اور ویرانوں سے انس اور دل لگی ہو جاتی ہے اور مجلسوں اور گھروں سے نفرت اور وحشت ہو جاتی ہے اور آہ و فغاں کا سرزد ہونا اور رنگ چہرہ کی زردی اور رونا اور اشک باری حاصل ہو جاتی ہے اور اسی کیفیت کا نام عشق ہے چونکہ اس کیفیت کے اُٹھانے والی روح حیوانی ہے۔ اس لیے اس کو حُبِّ نفسانی سے نامزد کرتے ہیں اور یہ کیفیت آناً فاناً بڑھتی جاتی ہے، تا آنکہ بشریت اور ناآشنائی کا حجاب پھٹ

جاتا ہے اور نفسانیت کا غبار پاش پاش ہو کر اس محبت کا ثمرہ مرتب ہو جاتا ہے[1]"۔

(واضح رہے کہ سید صاحب نے طبائع انسانی کے اختلاف کی بنا پر محبت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، حبّ عشقی اور حبّ ایمانی۔ یہاں حبِ عشقی کا بیان ہے) اس کے بعد حبِ عشقی کے مویدات، آثار اور ثمرات بیان فرماتے ہیں۔

حبّ عشقی کے ثمرات بیان کرتے ہوتے فرماتے ہیں :-

" جب کیفیت عشقیہ کی شدّت اور تیزی اور تجلی علمی کے جذب کی قوت اور کمال منجذب ہونے روح الٰہی کی وجہ سے شہادت و مثال کا غبار کھل جاتا ہے اور نورانی اور ظلمانی پردے پھٹ جاتے ہیں تو بنا بر وعدہ " والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سُبُلَنا " اور مطابق کلمہ " فاذکرونی اذکرکم " کے ضرور مشاہدہِ جمال لایزال حضرت ذوالجلال کا میسر ہوتا ہے اور قرب و معیت کا معنیٰ جو کہ مضمون " انا عند ظن عبدی بی " وانا معَہٗ اذا ذکرنی و احفظ اللہ تجدہ تجاھک " کا ہے اور جس کو وصال کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، ظاہر ہو جاتا ہے اور جو تب و تاب اور قلق و اضطراب محرومی اور مہجوری کے وقت میں برداشت کئے تھے ان کے بدلے میں سرور و ابتہاج کی خلعتیں اور ہم کلامی و سرگوشی کے سرفرہا ہاتھ آتے ہیں۔ غرض پریشانی الفت سے اور وحشت انسیت سے بدل جاتی ہے[2]"۔

خانوادہ کی حقیقت

گذشتہ سطور میں ہم نے صوفیہ کے مختلف گروہوں، طبقوں اور خانوادوں کا ذکر کیا ہے۔ خانوادہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے یوں تحریر فرمائی ہے :

" ہر زمانہ میں اولیاء اللہ میں سے ایک مرد پیدا ہوتا ہے کہ دین کا باطن اور مغز جو احسان ہے اس کے قائم کرنے اور پھیلانے کے واسطے اللہ تعالیٰ کی عنایت اُس کے اندر ظہور فرماتی ہے اور اس کام کا سرانجام اُن کے ہاتھ سے ہوتا ہے ؎

کار زلفِ تُست مشک افشانی اما عاشقاں ۔۔۔ مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

---

[1] صراط مستقیم افادات و ملفوظات سید احمد شہید۔ ص ۲۷ تا ۳۱

[2] ایضاً ص ۳۶

پس جس وقت یہ بات اولیاء اللہ میں سے کسی میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کے ظہور کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں اس کی رفعتِ شان ہوتی ہے اور خلائق کے قلوب اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اُس کا ذکرِ جمیل اُن میں پھیل جاتا ہے، اور ملتِ مصطفویہ میں سے جو طائف کہ اُن لوگوں کی طبیعت کے مناسب ہوتے ہیں اُن کا شغل کرانا اُس کے قلب میں الہام ہوتا ہے اور اُس کی صحبت اور گفتگو میں ایک طرح کا جذب اور تاثیر رکھی جاتی ہے اور طرح طرح کی کرامات اُس سے صادر ہوتی ہیں مثلاً کشفِ حالات اور اشرافِ خواطر اور استجابتِ دُعا اور خلقت میں خدا تعالیٰ کی قوت کے ساتھ تصرف کرنا اور مثل اُن کے اور افعال۔ اور اس کے پاس طالبوں کے جمع ہونے اور اشغال و اوراد کی ترتیب و تعین وغیرہ میں اس مقام کے مقتضا کے موافق اُس کے (براہین) روشن واقع ہونے کے سبب سے ایک خانوادہ مقرر اور پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ اُس خانوادہ میں سلوک کرتے ہیں اور جلد کامیاب ہو جاتے ہیں، اور اُس خانوادہ کا خیر خواہ اور مددگار ہمیشہ کامیاب اور فتحمند ہوتا ہے، اور اُن کا بدگو اور بدخواہ ہمیشہ ذلیل اور خوار ہوتا ہے، اور عوام و خواص کے دلوں میں اُس جماعت کا رُعب ہوتا ہے اور دہشت چھا جاتی ہے اور الہام اور تصرف کی قسم سے ایسے اسباب غیبی پیش آتے ہیں کہ جن کے باعث سے اس خانوادہ میں لوگوں کا اجتماع اور کثرت ہو جاتی ہے اُس وقت تک کہ عنایتِ الٰہی کسی دُوسرے شخص کی طرف متوجہ ہو اور وہاں قرار پکڑے اور دُوسرا خانوادہ پیدا کرے۔ پس بعد اس کے پہلا خانوادہ ایک جسم رہ جاتا ہے بے روح کے، اور سلوک ہو جاتا ہے بے جذب کے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی زمانہ میں مختلف مواضع میں متعدد قطب پیدا ہو جاتے ہیں (جو اپنی اپنی جگہ میں مرجعِ خلائق ہوتے ہیں) اور یہ جو مشہور ہے کہ فلاں طریقہ اقرب الی اللہ ہے اور اس میں جذب ہے۔ درحقیقت جب تک کسی خانوادہ کی طرف عنایت ایزدی مبذول رہتی ہے تو اُسی کے باعث وہ اقرب ہوتا ہے اور اس میں جذب رہتا ہے۔ اس میں خصوصیت کسی خانوادہ کی نہیں ہے[1]۔"

---

[1] قطرات ترجمہ ہمعات ۔ ص ۸،۷

ارادت و بیعت کی حقیقت

صوفیہ میں مریدین سے بیعت لینے کی جو رسم چلی آرہی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیعتِ جہاد کے علاوہ گناہوں کو چھوڑنے اور دین پر قائم رہنے اور دین کی نصرت کرنے پر بھی بیعت لیا کرتے تھے۔ یہاں دو احادیث پیش کی جاتی ہیں:۔

۱۔ کعب بن مالک انصاریؓ کی روایت میں اس طرح ہے کہ ہم لوگ گھاٹی میں جمع ہو کر آپؐ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپؐ ہم لوگوں کے پاس حضرت عباسؓ کے ہمراہ تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ مگر انہیں یہ بات زیادہ محبوب تھی کہ اپنے بھتیجے کے کام میں حاضر رہیں، اور آپ کی نصرت کریں۔ جب آپ تشریف فرما ہوئے تو شروع میں حضرت عباسؓ نے گفتگو کی اور کہا اے خزرج کے لوگو! جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہیں، ہم نے اپنی قوم سے آپ کی حفاظت کی۔ باوجودیکہ میں بھی اس قوم کا ایک فرد ہوں۔ یہ اپنی تمام قوم سے معزز ہیں اور اپنے شہر میں حفاظت سے ہیں، اور انہوں نے یہاں رہنے سے انکار کیا، اور تمہارے ساتھ ملنا اور رہنا چاہتے ہیں۔ پس تم لوگ اس بات پر غور کر لو کہ اگر تم آپؐ کے ساتھ اس معاملہ میں وفا برت سکتے ہو جس کی طرف تم آپؐ کو لے جا رہے ہو، اور آپؐ کی حفاظت آپؐ کے مخالفین سے کر سکتے ہو، پس تم اپنے اوپر اور اپنی ذمہ داری پر خوب غور کر لو، اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ آپ کو لے جانے کے بعد دشمنوں کے سپرد کر دو اور آپؐ کی نصرت اور امداد نہ کر سکو تو اسی وقت آپؐ کو چھوڑ دو۔ آپ بڑی عزت اور بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے شہر اور اپنی قوم میں ہیں۔ حضرت جابرؓ انصاری کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عباسؓ سے کہا کہ ہم لوگوں نے آپ کی بات سن لی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمائیے۔ آپ اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو شرطیں مناسب سمجھیں، لے لیں، حضور نے کلام کیا، اوّلاً قرآن شریف کی تلاوت فرمائی، اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام کے بارے میں رغبت دلائی، اس کے بعد فرمایا، مَیں تم لوگوں سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت کرو اسی طرح پر جس طرح کہ تم اپنی عورتوں اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے

ہو۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، براء بن معرورؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا ہاں یارسول اللہ! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم آپؐ کی اسی طرح پر حفاظت کریں گے جس طرح پر کہ ہم اپنی ذریات اور خاندان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہم سے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لیجیئے، ہم لوگ خدا کی قسم جنگ جو ہیں اور یہ چیز ہماری میراث میں ہمارے بڑوں سے چلی آرہی ہے۔ ابھی ابراءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض معروض کر ہی رہے تھے کہ بیچ میں ابوالہیثم بن تیہانؓ بول پڑے اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور کچھ لوگوں کے درمیان (یہود کے درمیان) تعلقات ہیں اور ہم اس کو بھی ختم کر دیں گے۔ کہیں ایسا تو نہ ہو کہ ادھر تو ہم تعلقات ختم کریں اور اُدھر اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی قوم پر غلبہ دے دے اور آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اپنی قوم میں چلے جائیں۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے، اور اس کے بعد آپ نے فرمایا، میرا خوُن تمہارا خوُن ہے اور میرا مدفن تمہارے مدفن کے ساتھ، مَیں تم میں سے ہوں، اور تم مجھ سے ہو، مَیں اُس سے لڑوں گا جس سے تم لڑو گے اور میں اُس سے صُلح کروں گا جس سے تم صُلح کرو گے۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے لوگوں میں سے بارہ آدمیوں کو منتخب کر کے میرے پاس بھیج دینا جو اپنی قوم کی طرف سے جو کچھ ان میں مشورہ ہو، اس کی اطلاع لائیں، چنانچہ بارہ افراد چُنے گئے۔ نو خزرج میں سے، تین اوس میں سے۔[1]"

۲۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے قائم کرنے زکوٰۃ کے دینے، اور ہر مسلمان کو نصیحت کرنے پر بیعت کی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت جریرؓ نے کہا کہ مَیں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ پر شرط لگایئے آپ شرط کو زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تنہا اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ نماز کو قائم رکھنا۔ زکوٰۃ دیتے رہنا۔ اور ہر مسلمان کو نصیحت کرنا اور شرک سے بالکل یک طرف ہو جاؤ۔[2]

---

[1] حیات الصحابہ۔ ص ۲۶۰ [2] حیات الصحابہ۔ ص ۲۶۴

یہ دو حدیثیں یہاں اس لیے پیش کی گئی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اور کن کن باتوں پر بیعت لیا کرتے تھے۔ اب مشائخ کی بیعت کو لیجیے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ نے اپنے مرشد شیخ کبیر شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے بیعت لینے کا طریقہ یوں بیان فرمایا :-

" جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدینؒ کی خدمت میں بہ نیت ارادت آتا، فرماتے پہلے ایک بار سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھو، اس کے بعد سورۂ بقرہ کا آخری رکوع اٰمن الرسول سے آخر تک پڑھتے۔ اس کے بعد شھد اللّٰہ انہ لا الٰہ الا ھو سے انّ الدین عند اللّٰہ الاسلام تک پڑھتے۔ اس کے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر، اس کے شیخ اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر، اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر۔ اور حضرت عزت (جل مجدہٗ) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کرو گے اور شریعت کے راستہ اور طریقہ پر قائم رہو گے[1]"

گویا کہ شیخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام اور نائب سمجھ کر اس کے ہاتھ پر اس بات کا خدا سے عہد کیا جاتا تھا کہ اسلام کو دینِ حق مان کر اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل کی جائے گی اور ہر قسم کے گناہوں کو ترک کر کے راہِ شریعت پر قائم رہا جائے گا، پیری مریدی کا اصل مقصد بس اتنا ہی تھا۔ ارادت کا مطلب حضرت شیخ نظام الدین اولیا نے اس طرح بیان فرمایا :-

" ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوی اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہو جائے جیسا کہ کتب تصوف میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ مشایخ متقدمین جب تک طالب ارادت میں انقطاع کلی نہ دیکھ لیتے، بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے، لیکن سلطان ابوسعید ابوالخیرؒ کے عہد سے لے کر شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے زمانہ تک اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے وقت سے لے کر شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے وقت تک کہ یہ سب حضرات سرآمدِ روزگار اور آیۃ من آیات اللہ تھے، خلقِ خدا کا

---

[1] سیر الاولیاء - ص ۳۲۳

ان کے دروازوں پر ہجوم ہوا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اژدحام کیا، بندگانِ خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے ڈر کر ان عاشقانِ خدا کا دامن تھامنا چاہا، اور ان مشایخ کبار نے بھی خاص و عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا، اور خرقۂ توبہ و تبرک عطا کیا[1]"۔

بیعت کے اثرات

عوام سے لے کر اہل حکومت تک جو لوگ ان مشایخ کرام کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، اس کا اثر ان کی زندگیوں پر کیا پڑتا تھا۔ اس کی تفصیل تاریخ فیروز شاہی کے مصنف ضیاء الدین برنی نے سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے حالات بیان کرتے ہوئے اس طرح لکھی ہے:۔

"سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشایخ میں سے سجادۂ تصوف، شیخ الاسلام نظام الدین (اولیاؒ)، شیخ الاسلام علاء الدینؒ، اور شیخ الاسلام رکن الدینؒ سے آراستہ تھا، ایک دُنیا اُن کے انفاسِ متبرکہ سے روشن ہوئی، اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور اُن کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی، اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھا لیا، اور ہمیشہ کے لیے پابند نماز ہو گئے، اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہو گئی، اور عباداتِ لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا، اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کی تمام خرابیوں کی بنیاد ہے، ان مشایخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی، اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی، اور ان کے مکارمِ اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے لوگوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی۔

اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین (اولیا) نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے

---

[1] سیر الاولیا - ص ۳۴۶

اورخاص وعام، غریب و دولت مند، بادشاہ وفقیر، عالم وجاہل، شریف ورذیل، شہری اور دیہاتی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے، اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آجاتے تھے۔ اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہوجاتی تھی، تو پھر از سر نو بیعت کرلیتے۔ اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری وباطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد وعورت، بوڑھے جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے۔ اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہوگئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنے والوں نے شہر (دہلی) سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کردیئے تھے، چھپّر ڈال دیئے تھے، کنویں کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹّی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے چٹائیاں بچھوادی تھیں، ہر چبوترہ اور ہر چھپّر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کردیا تھا تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانے تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے وقت وضو کرنے کے لیے کوئی تردّد نہ ہو، اور چبوترہ اور چھپّر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہوگیا تھا، اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھی، کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورہ اور کونسی آیت پڑھتے ہیں۔

سلطان علاء الدین (خلجی) اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہوگیا تھا، خواص وعوام کے دلوں نے نیکی اختیار کرلی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سودخواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہوسکتے تھے۔ بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا۔ اکثر طالب علموں اور

بڑے بڑے لوگوں کی رغبت ، جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہوگئی تھی۔"[۱]

رسوم تصوف تصوف میں اصل مقصود تو وہی کیفیات ہیں، جن کا گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا اور جو خود اسلام میں بھی مطلوب و مقصود ہیں یعنی عشق و یقین، رقت قلب، خوف و خشیت الٰہی وغیرہ دوسری چیزیں ان کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ اور کچھ نتائج و اثرات ہیں جو ان کیفیات کے حصول کے بعد ظاہر ہوتے ہیں، ان کے علاوہ تصوف کے شعار و رسوم، مقصود اصلی نہیں۔ انہی غیر مقصود چیزوں میں سے دو چیزیں ایسی ہیں جو آج کل کے مشایخ نے لازمۂ تصوف سمجھ رکھی ہیں۔ یعنی سماع اور عرس۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سماع اور عرس کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں کچھ عرض کر دیا جائے۔ کیونکہ اکابر صوفیائے کرام کے نزدیک تصوف اسلام کتاب و سنت کے ساتھ مشروط ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا:-

"پس حکم کو مضبوط کیے بغیر جو شخص اس علم (علم تصوف) کا کچھ بھی دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے، کیونکہ وہ حقیقت جس کی شہادت شریعت نہ دے، حقیقت نہیں بلکہ زندیقیت ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بازوؤں سے حق تعالیٰ کی طرف پرواز کر، اس کے حضور حاضر ہو۔ درآنحالیکہ تیرا ہاتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہو۔ آنحضرت کو اپنا پشت پناہ اور استاد بنا اور آپ کے دست مبارک کو اختیار دے کہ تیرا بناؤ سنگھار کرے اور تجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرے۔"[۲]

سماع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں دور حاضر کی مجالس سماع کی طرح مجالس کبھی منعقد نہیں ہوئیں۔ اور سماع بلا مزامیر کے بارے میں بھی علماء و مشایخ کا بہت اختلاف ہے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ، حضرت امام محمد غزالیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن جوزیؒ وغیرہم نے اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا ہے۔

---

[۱] - تاریخ فیروز شاہی - ص ۳۴۴، ۳۴۱۔

[۲] - فیوض یزدانی (اردو ترجمہ) الفتح الربانی - ص ۲۲۳

فلیراجع الیہ من یشاء۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور سید احمد شہید بریلویؒ نے الحان خوش اور اشعارِ عشق انگیز کو مویداتِ حبِ عشقی میں شمار کیا ہے۔[1]

سماع بلا مزامیر کا جن شیوخ میں رواج رہا، انہوں نے اس کو دینی فرائض و واجبات کا یا عبادات و طاعات کا کبھی کوئی درجہ نہیں دیا، صرف خاص شرائط کے ساتھ ایک تدبیر و علاج کے طور پر بعض اہل دل کے لیے اسے تجویز کیا گیا تھا جسے خود ان لوگوں نے اہلِ نفس کے لیے حرام قرار دیا تھا۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ فرماتے ہیں:۔

منم حمید الدین کہ سماع می شنوم و مباح میگویم بروایت علما کہ مریض ام و مرضِ دل دارم و سماع داروئے دردِ اوست۔ بقول حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تشنہ را وقتِ فرطِ تشنگی کہ آب مہیا نباشد و وی ہلاک می گردد، خمر خوردنش مباح است، چہ ہر تقدیر در شرع شریف ہلاک نفس روا نداشتہ اند۔[2]

میں ہوں حمید الدین کہ سماع سنتا ہوں اور اُسے علما کی روایت کی بنا پر مباح کہتا ہوں، اس لیے کہ میں دردِ دل کا مریض ہوں اور سماع اس کی دوا ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اس قول کے مطابق کہ اگر کوئی پیاسا پیاس سے مر رہا ہو، اور پانی موجود نہ ہو اور اس کی ہلاکت کا یقین ہو جائے تو اس وقت اس کا شراب پینا جائز ہے اس لیے کہ شریعتِ اسلام میں ہلاکتِ نفس کو جائز قرار نہیں دیا گیا ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ سماع کو اہلِ ریاضت و اہلِ دل کے لیے بطور علاج کے تجویز کیا گیا تھا۔ اسی لیے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے سماع کی چار قسمیں بیان فرمائیں:۔

حلال، حرام، مکروہ، مباح۔

اگر صاحبِ سماع کا میلان محبوب حقیقی کی طرف زیادہ ہے تو اس کے لیے مباح ہے۔ اگر اس کا میلان محبوب مجازی کی طرف زیادہ ہے تو اس کے لیے مکروہ ہے۔ اگر محبوب مجازی

---

[1] ۔ صراط مستقیم ملفوظات و ارشادات ص ۱۳۱ و ہمعات (اردو ترجمہ) ص ۷۰، ۷۱
[2] سیر الاقطاب ۔ ص ۱۴۷

کی طرف دل کا میلان لگی ہے تو اُس کے لیے حرام ہے۔ اگر محبوبِ حقیقی کی طرف میلان لگی ہے تو اُس کے لیے حلال ہے۔ اس کے بعد سماع کے حلال ہونے کی بھی چار شرطیں بیان فرمائیں:۔ مُسمع، مستمع، مسموع، آلۂ سماع۔

۱- مُسمع - یعنی سُنانے والا مردِ کامل ہو، امرد یا عورت نہ ہو۔

۲- مستمع - سننے والا یادِ حق سے خالی نہ ہو۔

۳- مسموع - جو چیز سُنی جائے وہ بے حیائی اور ہنسی مذاق کا کلام نہ ہو۔

۴- آلۂ سماع - مزامیر یعنی چنگ و رباب درمیان میں نہ ہوں[1]

خود حضرت سلطان المشایخ خواجہ نظام الدین اولیا دہلویؒ، مزامیر وغیرہ کی بڑی سختی سے ممانعت فرماتے تھے۔ سید محمد بن مبارک کرمانی لکھتے ہیں:۔

"فرمایا عورت کو نماز میں امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے دستک دینے وقت اس کی ممانعت ہے کہ وہ ہتھیلی پر ہتھیلی مارے کیونکہ اس سے تالی کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ لہو و لعب میں داخل ہے۔ جب تالی سے اتنے پرہیز کا حکم ہے۔ تو سماع میں بطریق اولیٰ مزامیر کی ممانعت ہونی چاہیئے"[2]

اب دورِ حاضر کے چشتی مشایخ کو ملاحظہ فرمانا چاہیئے کہ آج جو لوگ مجالسِ سماع میں شریک ہوتے ہیں، ان میں کتنے لوگ اہلِ دل ہیں اور دردِ دل کے مریض ہیں اور ان میں کتنے ہیں جن کے نفوس ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں، اور اس دور کے عرسوں کے مواقع پر جو مجالس سماع منعقد ہوتی ہیں ان میں حلال و حرام کی شرائط کا کس قدر اہتمام کیا جاتا ہے ؏

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

غالباً انہی شرائط کے مفقود ہونے اور سماع، جو کہ اہلِ قلوب کے لیے بطور دوا تجویز کیا گیا تھا، کے غلط استعمال اور اس سے بجائے دینی یا روحانی نفع کے، مفاسد کے ظہور پذیر ہونے

---

[1] سیر الاولیا۔ ص ۴۹۱، ۴۹۲ - و فوائد الفواد ملفوظات - ص ۲۰۰

[2] سیر الاولیا - ص ۵۲۲

کی بنا پر متاخرین مشایخ چشتیہ صابریہ یعنی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفا نے اس شعار کو ترک کر دیا، کیونکہ اصل مقصود تو یہ پہلے سے بھی نہیں تھا۔

عُرس

اب عرس کو لیجیے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال و افعالِ صحابہؓ سے مسلمانوں کی مزارات کی زیارت کرنا، ان کے لیے ایصالِ ثواب کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنا ثابت ہے۔ لیکن موجودہ دَور کے بزرگوں کے اعراس کی ہیئت ترکیبی کے لیے ہم کو کتاب و سنت یا اقوالِ صحابہ و مجتہدین سے کوئی دلیل نہیں مل سکی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تجعلوا قبری عیداً" (مشکوٰۃ) تم میری قبر کو عید نہ بناؤ

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

لا تجعلوا زیارۃ قبری عیداً اقول ھذا اشارۃ الیٰ سدّ مدخل التحریف کما فعل الیھود والنصاریٰ بقبور انبیاءھم وجعلوھا عیداً و موسما بمنزلۃ الحج[1]	میں کہتا ہوں کہ آپؐ نے یہ جو فرمایا کہ میری قبر کی زیارت کو عید نہ بناؤ، اس میں اشارہ ہے کہ تحریف کا دروازہ بند کر دیا جائے کیونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کو حج کی طرح بنا دیا تھا۔

الغرض شرعاً تو اس عرس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین اور فقہا نے اپنی اپنی کتابوں میں جہاں دوسری عبادات و طاعات اور فرائض، واجبات اور سنن و مستحبات پر الگ الگ ابواب قائم کیے ہیں، کسی محدث یا فقیہ یا مجتہد نے عرس پر کوئی باب قائم نہیں کیا۔

البتہ مشایخ متاخرین نے یہ رسم بعض دینی مصالح کے لیے قائم کی تھی۔ لیکن اس کو رسم ہی کا نام دیا گیا تھا۔ اسے کسی عبادت یا فریضہ کا درجہ نہیں دیا گیا تھا، نہ ہی اسے تصوفِ اسلام کا کوئی اہم رکن قرار دیا گیا تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء) "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں لکھتے ہیں:

"لفظ عرس ماخوذ اس حدیث سے ہے "نم کنومۃ العروس" یعنی بندۂ صالح سے کہا جاتا

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۷۷

ہے کہ عروس کی طرح آرام کر، کیونکہ موت مقبولانِ الہٰی کے حق میں وصالِ محبوبِ حقیقی ہے۔ اس سے بڑھ کر کون سی عروسی ہوگی۔ چونکہ ایصالِ ثواب بروحِ اموات مستحسن ہے، خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہوں۔ ان کا زیادہ حق ہے، ادھر اپنے پیر بھائیوں سے ملنا موجب ازدیادِ محبت و تزاید برکات ہے۔ نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی، بہت سے مشایخ رونق افروز ہوتے ہیں۔ ان میں جس سے عقیدت ہو، اس کی غلامی اختیار کرلے۔ اس لیے مقصود ایجادِ رسمِ عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں، باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحبِ قبر کی روح کو قرآن وطعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے، یہ مصلحت ہے تعینِ یوم میں۔ [۱]"

حضرت حاجی صاحبؒ آخر میں تحریر فرماتے ہیں:-

"البتہ جس مجلس میں امورِ منکرہ مثل رقصِ مروّج و سجدۂ قبور وغیرہ ہوں۔ اس میں شریک نہ ہونا چاہیئے۔" [۲]

حضرت حاجی صاحبؒ نے اس رسم کے جو مصالح بیان فرمائے۔ وہ اپنی جگہ صحیح ہیں اور بلاشبہ پہلے بزرگوں نے دینی مصلحتوں کے پیشِ نظر ہی اس رسم کو جاری کیا تھا لیکن وہ لوگ سچے اور صاحبِ حال تھے ان کے اجتماعات دنیاوی منفعتوں کے لوث سے پاک اور دینی مفاسد سے خالی تھے۔ ان میں سے اکثر صوفیا اور صلحا کے اجتماعات کی غرض و غایت تزکیۂ نفس اور تصفیہ باطن ہی ہوا کرتی تھی، لیکن متاسفانہ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ دور کے اعراس میں دینی مصالح کے بجائے وہ سب کچھ نظر آرہا ہے جس کی بنا پر خود حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابریؒ نے ہی ان مجالس کی شرکت سے منع فرمایا ہے۔

خواہشاتِ باطلہ

اس دور میں بہت سے علماء سو اور صوفیائے خام نے ہوائے نفس اور خواہشاتِ باطلہ کو "بدعتِ حسنہ" کا نام دے کر اسلام اور تصوف اسلام میں داخل کر دیا ہے اور قرآن مجید اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] کلیاتِ امدادیہ (فیصلہ ہفت مسئلہ)۔ ص ۸

[۲] ایضاً

کی تاویلات اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق کر کے دینِ اسلام اور تصوفِ اسلام کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان "بدعاتِ حسنہ" کی حقیقت بھی "تصوفِ اسلام" کی روشنی میں بیان کر دی جائے۔

شیخ کامل، مجددالف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی نقشبندیؒ، جن کے علم و فضل اور جن کے رسوخ فی العلم الدین والتصوف کے اہلسنّت والجماعت کے تمام طبقے قائل ہیں اور صوفیا کے تمام سلسلے ان کی بزرگی و جلالت شان پر اتفاق رکھتے ہیں، نے اپنے مکتوبات میں متعدد مقامات پر سنّت و بدعت پر کلام فرمایا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، بخوفِ طوالت یہاں صرف اردو ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ چونکہ مکتوبات امام ربانی ہر جگہ دستیاب ہیں۔ اس لیے اصل عبارت اصل کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہمارے پیشِ نظر "مکتوباتِ امام ربانی" کا ۱۹۶۰ء کا ایڈیشن ہے۔ جسے نور کمپنی نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ دفتر اول، مکتوب نمبر ۱۸۶ میں لکھتے ہیں:-

"علما کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے۔ "بدعت حسنہ" اور "بدعت سیئہ"۔ بدعت حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرے۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ اور ظلمت و کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا"[1]

دفتر دوم مکتوب نمبر ۵۶ میں فرماتے ہیں:-

"جب تک کہ بدعتِ حسنہ کے اسم و رسم سے ایسا ہی اجتناب اختیار نہ کریں جیسا کہ بدعت سیئہ سے کرنا چاہیئے تب تک اس دولتِ ایمان کی خوشبو جان کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ آج یہ بات بہت مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام عالم دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کے اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے، کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت اور سنّت کی حمایت میں زبان کھولے۔ اس وقت کے اکثر علما بدعتوں کے رواج دینے والے اور سنتوں کے مٹانے والے ہیں[2]"

---

[1]، [2] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ دفتر اول و دوم۔

دفتر دوم مکتوب نمبر ۲۳ میں ارقام فرماتے ہیں :-

" ہر زمانے میں عموماً اور غربت اسلام کے اس دور میں خصوصاً دین کی بقاو قیام سنتوں کی ترویج اور بدعتوں کی تخریب سے وابستہ ہے۔ بعض اگلوں نے بدعات میں کوئی حُسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض افراد کو انہوں نے مستحسن قرار دیا۔ اس فقیر کو اُن سے اس مسئلے میں اتفاق نہیں۔ میں کسی فرد بدعت کو "حسنہ" نہیں سمجھتا اور سوائے ظلمت و کدورت کے مجھے ان میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " ہر بدعت گمراہی ہے"۔ فقیر کے نزدیک اسلام کی اس غربت کے زمانے میں سلامتی سنّت سے اور خرابی و بربادی بدعت سے وابستہ ہے۔ خواہ کوئی بدعت ہو، بدعت اس فقیر کو کدال کی صورت میں نظر آتی ہے کہ جو اسلام کی بنیاد کو ڈھا رہی ہے اور سنّت ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جو گمراہی کی شب تاریک میں رہنمائی کرتا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ علماء وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے ارتکاب کا فتویٰ نہ دیں۔ اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں " فلق صبح " کی طرح روشن ہو کیونکہ شیطانی مکر کو ماسوائے سُنّت میں بڑا دخل ہے[۱]"

مسئلہ " وحدت الوجود " کا غلط مطلب لینے والے صوفیائے خام کے بارے میں لکھتے ہیں :-

دفتر دوم مکتوب نمبر ۴۴

" محترم! صوفیائے کرام میں سے جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور "ہمہ اوست" کہنے والے ہیں اس سے ان کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ بالکل متحد ہیں، اور معاذ اللہ وہ مرتبہ تنزیہہ سے اتر کر دائرہ تشبیہہ میں آگیا ہے، اور جو واجب تھا وہ ممکن بن گیا ہے کہ یہ سب کچھ کفر و الحاد ہے اور گمراہی و زندقہ ہے بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اور سب نیست ہیں اور صرف وہی موجود ہے[۲]"

---

[۱] ، [۲] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر اول و دوم۔

باب اوّل

برصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ چشتیہ کا ورود

شجرہ مشائخ چشتیہ

از سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تا سید الطائفہ خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وصال ۱۱ھ / ۶۳۲ء)

حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (م ۴۰ھ / ۶۶۱ء)

حضرت خواجہ حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء)

حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد ابن زید تمیمیؒ (۱۷۷ھ / ۷۹۳ء)

حضرت خواجہ ابوالفیض فضیل بن عیاضؒ (۱۸۷ھ / ۸۰۳ء)

حضرت خواجہ ابراہیم ادہم بلخیؒ (۲۶۱ھ / ۸۷۴ء)

حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ (۲۸۴ھ / ۸۹۷ء)

حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصریؒ (۲۸۷ھ / ۹۰۰ء)

حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ (۲۹۹ھ / ۹۱۱ء)

حضرت خواجہ ابواسحاق شامیؒ (۳۲۹ھ / ۹۴۱ء)

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ (۳۵۵ھ / ۹۶۶ء)

حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ (۴۱۱ھ / ۱۰۲۰ء)

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ (۴۵۹ھ / ۱۰۶۶ء)

حضرت خواجہ مودود چشتیؒ (۵۲۷ھ / ۱۱۳۳ء)

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ (۶۱۲ھ / ۱۲۱۵ء)

حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ (۶۱۷ھ / ۱۲۲۱ء)

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سجزی ثم اجمیریؒ (۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور بعض دوسرے محدثین کا خیال ہے کہ سلسلۂ چشتیہ خواجہ حسن بصریؒ کے ذریعہ حضرت علیؓ تک نہیں پہنچتا۔ لیکن صاحبِ مشکوٰۃ ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیبؒ نے لکھا ہے کہ اگرچہ حضرت حسن بصریؒ کا حضرت علیؓ سے بصرہ میں ملاقات کرنا صحیح نہیں لیکن انہوں نے مدینہ میں حضرت علیؓ سے ملاقات کی ہے اور حضرت عثمانؓ کو بھی دیکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی تحنیک کی (کھجور منہ میں چبا کر بچہ کے تالو سے لگانا) نیز حسن بصریؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے بہت سے صحابہ کرام سے روایت کی ہے اور آپ کی پرورش تو کاشانۂ نبوت میں ہوئی یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دودھ بھی پلایا اور پرورش بھی کی[1]۔ اسی لیے امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصریؒ کا کلام انبیاء علیہم السلام کے طرزِ کلام سے بڑی مناسبت رکھتا ہے"[2] آپ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد یسار حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ حضرت عثمانؓ کی شہادت ۳۵ھ کے بعد بصرہ چلے گئے اور رجب ۱۱۰ھ میں وفات پائی[3]۔

---

[1] الاکمال فی اسماء الرجال مشکوٰۃ مصابیح۔ ص ۲۶ [2] احیاء علوم الدین للغزالی ج ۱ ص ۱۶۸ نیز دیکھئے "فخر الحسن" [3] الاکمال فی اسماء الرجال مشکوٰۃ المصابیح۔ ص ۲۶۔

یہ روایت کیسے درست ہو سکتی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کی بیویاں امہات المومنین ہیں اور ان کے بعد آپ کا نکاح کہیں نہیں ہوا اور پھر بچے کو دودھ پلانا؟ مجھے یہ روایت جھوٹی لگتی ہے۔

تاریخچہ سلسلہ چشتیہ در ہندوستان از حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ تا خواجہ نور محمد مہارویؒ

اگرچہ سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں میں سے خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ[1] (م ۳۲۹ھ/ ۹۴۰ء) وہ پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ تذکروں میں "چشتی" کا لفظ ملتا ہے کیونکہ آپ اور آپ کے حسب ذیل چار جانشینانِ چشت (سابق خراسان، حال افغانستان) میں رہے۔

۱۔ خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ (۳۵۵ھ/ ۹۶۵ء) ۲۔ خواجہ ابو محمد چشتیؒ (م ۴۱۱ھ/ ۱۰۲۰ء)

۳۔ خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ (۴۵۹ھ/ ۱۰۶۶ء) ۴۔ خواجہ قطب الدین مودود چشتی (م ۵۲۷ھ/ ۱۱۳۲ء)[2]

اور خواجہ قطب الدین مودود چشتی کے حسب ذیل دو جانشینان دوسرے مقامات پر رہے۔

۱۔ خواجہ حاجی شریف زندنی (زنجانی) (م ۶۱۲ھ/ ۱۲۱۵ء)

۲۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ (م ۶۱۷ھ/ ۱۲۲۰ء)[3]

لیکن برعظیم پاک وہند میں خواجہ عثمان ہارونیؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے سلسلہ چشتیہ کی بنیاد رکھی۔ اس لیے اس باب میں خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ سے لے کر حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ (مرشد خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ) تک بزرگوں کے حالات مختصر طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس باب کو تین فصلوں پر منقسم کیا گیا ہے۔

---

[1] خواجہ ابو اسحاق شامی کا وطن ملک شام ہے، شام سے بغداد آئے اور حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ (م ۲۹۹ھ/ ۹۱۲ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ دینوری نے نام پوچھا، عرض کیا مجھے ابو اسحاق شامی کہتے ہیں، اس پر خواجہ دینوری نے فرمایا:۔

"ترا از امروز ابو اسحاق چشتی خوانند کہ خلائق چشت و آں دیار از تو ہدایت یابند، و ہر کہ در سلسلۂ تو خواہد آمد اورا نیز چشتی خوانند"

پھر خلافت دے کر چشت (سابق خراسان) روانہ فرمایا ایک عرصہ تک وہاں ارشاد و تلقین کا کام کرنے کے بعد آخری عمر میں آپ شام لوٹ گئے اور ۱۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ/ ۹۴۰ء کو انتقال فرمایا۔ مزار مبارک عکہ میں ہے۔

(نفحات الانس ص ۲۹۶ و تکملہ سیر الاولیا ص ۱۰) [2] نفحات الانس ص ۲۹۶ تا ۳۰۲۔

[3] خزینۃ الاصفیا ص ۲۴۴ تا ۲۵۳۔

فصل اوّل

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی تا خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ

اگرچہ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی مسلمان فاتحین کے ساتھ ساتھ مبلغین اور علماء کی بھی برِ عظیم میں آمد شروع ہوگئی تھی، پھر تیسری صدی ہجری کی ابتدا میں صوفیا اور مشائخ کے سلاسل طریقت کی ابتدا ہوئی[1] تو کچھ عرصہ کے بعد صوفیا اور مشائخ میں سے بھی بعض حضرات برِ عظیم میں تشریف لے آئے، ان بزرگوں میں سے شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویریؒ[2] (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) سید یوسف بن ابوبکر گردیزیؒ[3] (م ۵۳۱ھ/۱۱۳۸ء) اور

---

[1] قرآن اور تصوف تالیف ڈاکٹر میر ولی الدین ۔ ص ۹

[2] حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری غزنوی مشاہیر مشائخ برِ عظیم پاک و ہند میں سے ہیں، اسلامی ممالک کی طویل عرصہ تک سیاحت کی اور بہت سے اکابر و شیوخ سے علم ظاہر و باطن حاصل کیا۔ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی کی خدمت میں برسوں رہے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ بعد ازاں برِ عظیم پاک و ہند تشریف لائے اور لاہور میں مقیم ہوئے، یہیں ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں فوت ہوئے۔ مزار مبارک لاہور میں ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے "کشف المحجوب" مشہور ہے۔

(نزہۃ الخواطر جلد اوّل (عربی سے اردو) ص ۱۵۱

[3] سید یوسف بن ابوبکر کا مولد گردیز ہے جو غزنہ کے نواح میں ہے ۔ (۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء) میں پیدا ہوئے۔ تکمیل علوم کے بعد ملتان آئے اور تدریس و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا، آپ سے بہت لوگوں نے اکتساب کیا ۔ ۵۳۱ھ/۱۱۳۸ء) میں فوت ہوئے۔ مزار ملتان میں ہے۔

(نزہۃ الخواطر جلد اوّل (عربی سے اردو) مطبوعہ لاہور ۔ ۱۹۶۵ء / ص ۱۸۷

شیخ یعقوب بن علی الحسینی الکاظمی ؒ (م ۶۰۴ھ/۱۲۰۷ء) کا نام سرفہرست ہے، لیکن ان حضرات نے کوئی باقاعدہ اور وسیع پیمانہ پر سلسلۂ طریقت قائم نہیں کیا، مستحکم اسلامی مرکز رشد و ہدایت اور ایک عظیم الشان سلسلہ کی بنیاد اس ملک میں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی ؒ (م ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء) نے رکھی۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی حسن بن غیاث الدین اور لقب معین الدین ہے۔ شجرۂ نسب حضرت امام حسین بن حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے[۲]۔ آپ ۵۳۶ھ/۱۱۴۳ء[۳] میں علاقہ سجستان[۴] (سیستان) میں پیدا ہوئے۔ نشوونما خراسان میں ہوئی۔ بچپن میں ایک بزرگ حضرت ابراہیم قندوزی ؒ کی توجہ سے طلب حق کا جذبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ وطن کو خیرباد کہہ کر تحصیل علم کے لیے سمرقند و بخارا کا سفر اختیار کیا۔ تکمیلِ علوم ظاہری کے بعد حصول علمِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی ؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا اور بیس سال[۵] تک مرشد کی خدمت میں حاضر رہ کر باطنی استفادہ کرتے رہے۔ خود فرماتے ہیں:۔

---

[۱] شیخ یعقوب بن علی الحسینی الکاظمی ۵۳۵ھ/۱۱۴۰ء میں لاہور تشریف لائے اور یہیں مقیم ہو کر ارشاد و تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ ان سے بہت افراد نے اخذ فیض کیا جن میں شیوخ و علما بھی شامل تھے رجب ۶۰۴ھ/۱۲۰۷ء میں وفات پائی۔

(نزہۃ الخواطر (عربی سے اردو) ص ۳۲۴

[۲] سیر الاقطاب۔ ص ۱۰۱

[۳] نزہۃ الخواطر (عربی سے اردو) ص ۲۰۶

[۴] سجستان (سیستان) در جنوب خراسان (افغانستان) واقع است۔

(جغرافیائی تاریخی سرزمین ہائی خلافت شرقی ص ۳۵۸)

[۵] اخبار الاخیار۔ ص ۲۲ و سیر الاولیا۔ ص ۴۵

"ہمچنیں تا مدت دہ سال بخدمت خواجہ (عثمان ہارونی) مسافر بودم، بعد ازاں چوں از عالم مسافرت باز بہ بغداد آمدیم، خواجہ معتکف شد۔ بعد ازاں چند گاہ باز مسافر شد، تا دہ سال دیگر ابریق و جامۂ خواب خواجہ بر سر کردہ برابر برفتمی ہمیں کہ بست سال راست شد[۱]"

اسی طرح دس سال تک خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں میں سفر میں رہا۔ اس کے بعد جب سفر سے واپس بغداد پہنچے، حضرت خواجہ معتکف ہوگئے۔ اس کے بعد پھر سفر پر روانہ ہوئے، دوبارہ دس سال تک حضرت خواجہ کا بستر، کپڑے اور لوٹا سر پر رکھ کر برابر چلتا رہا۔ حتیٰ کہ بیس سال پورے ہو گئے۔

اسی سفر کے دوران اپنے مرشد کے ہمراہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی گئے۔ وہاں آپ کے مرشد نے آپ کی مقبولیت کے لیے دعا کی اور آپ کو بشارت دی۔ اور خرقۂ خلافت عطا فرمایا[۲]

مرشد سے رخصت ہو کر مختلف مقامات کے بزرگوں سے ملتے ہوئے وارد لاہور ہوئے اور شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویریؒ (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) کے مزار پر چند روز معتکف رہے۔ لاہور سے براستہ ملتان دہلی اور دہلی سے اجمیر تشریف لے گئے[۳]

آپ کے ورود اجمیر کے وقت اجمیر میں پرتھوی راج (۵۷۳ھ/۱۱۷۷ء - ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء) حکمران تھا[۴]

قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، سلطان شہاب الدین محمد غوری کے اُس لشکر کے ہمراہ تھے جس نے والئ اجمیر رائے پتھورا (پرتھوی راج) کو شکست دی تھی[۵]

۱؎، ۲؎ انیس الارواح ملفوظات - ص ۴ - ۳؎ خزینۃ الاصفیا - ص ۲۶۲

۴؎ خزینۃ الاصفیا اور دوسرے اردو تذکروں "بزم صوفیہ" وغیرہ میں حضرت خواجہ کا اجمیر میں ورود ۵۶۱ھ میں بیان کیا گیا ہے - جبکہ قدیم ماخذ سے یہ ثابت ہے کہ آپ پرتھوی راج کے عہد حکومت میں وارد اجمیر ہوئے ہیں اور پرتھوی راج کا دور حکومت ۵۷۳ھ/۱۱۷۷ء سے شروع ہوتا ہے لہذا ۵۶۱ھ میں آپ کے ورود اجمیر کی روایت غلط ثابت ہوتی ہے - آپ ۵۷۳ھ کے بعد وارد اجمیر ہوئے ملاحظہ ہو:-

اخبار الاخیار - ص ۲۲ و سیر الاولیا - ص ۴۶

۵؎ طبقات ناصری - ص ۱۲۰

شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں ایک دن حضرت خواجہ کے متوسلین میں سے ایک شخص کو رائے پتھورا (پرتھوی راج) نے کچھ تکلیف پہنچائی۔ اُس نے حضرت خواجہ کی خدمت میں التجا کی، حضرت خواجہ نے پرتھوی راج کو اس بارے میں کہلا بھیجا لیکن اُس نے کوئی توجہ نہ کی اور کہنے لگا دیکھو یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور ایسی ایسی باتیں کہتا ہے۔ حضرت خواجہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:۔

"پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم، ہمدراں ایام لشکرِ سلطان معزالدین سام (شہاب الدین محمد غوری) از غزنین رسید و پتھورا بمقابل لشکرِ اسلام بالیستاد و بدستِ معزالدین سام اسیر گشت و ازاں تاریخ باز درین دیار اسلام شد و بیخ کفر و فساد مستاصل گشت"[1]

ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے (محمد غوری کو) دے دیا۔ انہیں ایام میں سلطان معزالدین سام (محمد غوری) کا لشکر غزنی سے آیا اور پتھورا لشکرِ اسلام کے مقابلے کے لیے نکلا، اور معزالدین سام (محمد غوری) کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اس کے بعد اس ملک میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا اور کفر و فساد کی جڑ کٹ گئی۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی کی اخلاقی و روحانی عظمت، یقین و اخلاص، توکل علی اللہ اور سوزِ دروں کی بدولت بہت سے مشرکینِ ہند حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ابوالفضل "آئینِ اکبری" میں لکھتا ہے:۔

"عزلت گزین بہ اجمیر شد و فراواں چراغ برافروخت، و از دمِ گیرائی او گروہ ہا گروہ مردم بہرہ برگرفتند"[2]

آپ اجمیر میں گوشہ نشین ہوئے اور ہدایت کے بے شمار چراغ روشن کئے۔ اور ان کے نفسِ قدسیہ کی برکت سے لوگوں کی بڑی بڑی جماعتوں نے فائدہ اٹھایا (مسلمان ہوئے)

سید محمد بن مبارک کرمانی، صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں:۔

"مملکتِ ہندوستان تا حد برآمدنِ آفتاب ہمہ دیار کفر و کافری و بت و بت پرستی بود و متمردانِ ہند ہر یکی دعویٰ "انا ربکم الاعلیٰ"

ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی۔ اہل تمرد انا ربکم الاعلیٰ کی صدا لگا رہے تھے۔ اور خدا کی خدائی میں دوسری

---

[1] اخبار الاخیار - ص ۲۳
[2] آئینِ اکبری

می کردند و خدای را جل و علا شریک
می گفتند و سنگ و کلوخ و درخت و ستور
و گاؤ و سرگینِ آن را سجدہ می کردند و بہ ظلمتِ
کفر قفلِ دلِ ایشان مظلم و محکم بود ۔
ہمہ غافل از حکمِ دین و شریعت
ہمہ بے خبر از خدا و پیغمبر
وصول قدمِ مبارک آں آفتابِ اہلِ یقین
کہ بہ حقیقت معین الدین بود، ظلمتِ
ایں دیار بنورِ اسلام روشن و منور گشت

ہستیوں کو شریک کرتے تھے اور اینٹ، پتھر
درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے
کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور
مقفل تھے۔
سب دین و شریعت کے حکم سے غافل
خدا اور رسول سے بے خبر تھے
حضرت خواجہ معین الدینؒ جو کہ اہلِ یقین کے
آفتاب ہیں، کے قدم مبارک کا اس ملک
میں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نورِ اسلام
سے مبدل ہوگئی۔

آنجا کہ بود نعرہ و فریادِ مشرکان
اکنون خروشِ نعرۂ اللہ اکبر است
و ہر کہ از ایں دیار مسلمان شد و تا روزِ
قیامت مسلمان خواہد بود و آں طائفہ
را کہ بہ تیغِ اسلام از دارِ حرب در دار الاسلام
خواہند آورد الیٰ یوم القیامۃ ۔ مثوباتِ
آں بہ بارگاہِ باجاہِ شیخ الاسلام
معین الدین حسن سجزی قدس اللہ سرہ العزیز
بمتابعت حضرت او واصل و متواصل
خواہند بود انشاء اللہ العزیزؒ۔“

جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی،
وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔
اس ملک میں جس کو دولتِ اسلام ملی اور
قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف
ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد در اولاد،
نسل در نسل سب ان کے نامہ اعمال میں
ہوں گے اور اس میں قیامت تک جو بھی
اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرۂ اسلام وسیع
ہوتا رہے گا قیامت تک اُس کا ثواب
شیخ الاسلام معین الدین سجزی قدس اللہ سرہ العزیز
کی روح کو پہنچتا رہے گا۔

ایک ایسے وسیع و عریض ملک میں جہاں نہ تو کوئی اسلامی حکومت موجود تھی نہ ہی کوئی

ے ۔ سیرالاولیا ص ۴۶، ۴۷

وسیع اسلامی برادری، بلکہ ہندو جیسی متعصب اور تنگ نظر قوم آباد اور حکمران تھی، حضرت خواجہ کا عین مرکزِ حکومت میں قیام فرما ہو کر تبلیغ اسلام کرنا حضرت خواجہ کی الوالعزمی، بلند ہمتی اور بلند نظری کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت خواجہ اور آپ کے خلفا کی کوششوں سے اس ملک میں اسلام کی وسیع اشاعت بلاشبہ بعد کی نسلوں پر احسانِ عظیم ہے۔ مولانا غلام علی بلگرامی نے صحیح لکھا ہے:-

"لاشک بزرگانِ چشت عنبر سرشت راحقی است قدیم بر ولایت ہند[1]۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگانِ سلسلہ چشت کا ملک ہندوستان پر حقِ قدیم ہے۔

بالآخر ایک عرصہ تک اشاعت اسلام کی پر خلوص جدوجہد اور مریدین و خلفا کی تربیت کرنے کے بعد یہ آفتاب ہدایت ستانوے سال کی عمر میں ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء میں غروب ہو گیا[2]۔ مزارِ مبارک اجمیر میں ہے۔

حضرت خواجہ نے اپنے پیچھے تین فرزند اور بہت سے خلفا چھوڑے۔ خلفا میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) اور شیخ حمید الدین صوفی سوالی ناگوری (م ۶۷۳ھ/ ۱۲۷۴ء) بہت مشہور ہیں[3]۔ سلسلہ کا اجرا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ہوا۔

آپ کے ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے " دلیل العارفین " کے نام سے مرتب کیے۔

خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی اوشی

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوش[4] (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے۔ بختیار نام اور قطب الدین لقب تھا۔ والد کا نام خواجہ کمال الدین احمدؒ تھا۔ سادات حسینی میں سے ہیں ابوحفص اوشی سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد کا سفر کیا اور حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی"

---

[1] مآثر الکرام۔ ص ۷ [2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۳ و خزینۃ الاصفیا ص ۲۶۶ و سفینۃ الاولیا ص ۱۲۹
[3] خزینۃ الاصفیا۔ ص ۲۶۴ [4] اوش فرغانہ کے نواح میں ایک بڑا شہر ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم ص ۱۱) [5] تاریخ فرشتہ ص ۳۷۷

کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور بیس سال کی عمر میں بغداد ہی میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔[1]

ازاں بعد آپ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق برعظیم پاک و ہند آئے اور ملتان سے ہوتے ہوئے دہلی گئے۔ دہلی میں اس وقت سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء ۔ ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء) حکمران تھا۔ اس نے آپ کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ آپ نے پہلے کیلوکھڑی (مضافات دہلی) میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ کے اصرار پر اندرونِ شہر تشریف لا کر مسجد عزالدین میں مقیم ہو گئے۔

سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو منصب شیخ الاسلامی پر فائز کرنا چاہا لیکن آپ نے قبول نہ کیا اور گمنامی کی زندگی اختیار کی۔[2] لیکن بہت جلد آپ نے اپنے حسنِ اخلاق سے شہر کے اکابر و اصاغر اور عوام و خواص کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"جملگی عالم از صدور و ائمہ بہ دعاگوئی روی نہادند۔"[3] ساری دنیا، اعیان و اکابر دعاگوئی اور نیازمندی میں مصروف تھے۔

عوام و خواص کی اسی عقیدت کی وجہ سے آپ آخر دم تک دہلی میں مقیم رہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو سماع کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں مجلس سماع منعقد تھی اور مغنی شیخ احمد جام (م ۵۳۶ھ/۱۱۴۱ء) کی غزل گا رہے تھے جب اس شعر پر پہنچے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانی دیگر است[4]

---

[1] سیر الاولیا ص ۴۸ و خزینۃ الاولیا ص ۲۶۷ [2] تاریخ فرشتہ ص ۳۸۰

[3] اخبار الاخیار ص ۲۶ [4] سیر الاولیا ص ۵۵۔ شیخ احمد جام کی پوری غزل حسب ذیل ہے۔

منزل عشق از مکانی دیگر است — مرد معنی را نشانی دیگر است

بر سر بازار جانبازانِ عشق — زیر ہر دار ی جوانی دیگر است

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانی دیگر است

دل خورد زخمی، ز دیدہ خون چکد — این چنیں زخم از کمانی دیگر است

احمدا تا گم نگردی، ہوش دار — کیں جرس از کاروانی دیگر است

تو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی پر وجد طاری ہوا۔ آخر اسی حال میں ۱۴ ربیع الاوّل ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء میں انتقال فرمایا[1]۔ مزار مبارک دہلی میں ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلفا میں سے شیخ فرید الدین گنج شکر (م ۶۶۴ھ/ ۱۲۶۵ء) اور شیخ بدر الدین غزنوی (م ۶۵۷ھ/ ۱۲۵۸ء) مشہور ہیں۔ آپ کے ملفوظات شیخ فرید الدین مسعودؒ نے "فوائد السالکین" کے نام سے جمع کئے۔

خواجہ قطب الدینؒ شعر بھی کہتے تھے۔ مختلف تذکروں میں آپ کے اشعار ملتے ہیں[2]۔

خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

برعظیم پاک و ہند میں سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد تو حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ نے رکھی لیکن اس کی ملک گیر اشاعت و ترقی حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اور آپ کے خلفا کے ذریعے سے ہوئی۔ آپ ہی کے دو نامور خلفا سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی (م ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۴ء) اور حضرت شیخ علاء الدین علی بن احمد صابر کلیری[3] (م ۶۹۸ھ/ ۱۲۹۸ء) نے اور ان کے خلفا نے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۶

[2] آپ کی ایک غزل حسب ذیل ہے:۔

ای به کرده شمع رویت عالمی پروانه ای | وز لب شیرین تو شوریست در هر خانه ای
ناله من گرمی توانی رحم کن بر بی دلان | کز تو ماند این حکایت در جهان افسانه ای
من بر چندین آشنائی می خورم خون جگر | آشنا را حال این است وای بر بیگانه ای
قطب مسکین گر گناهی می کند عیبش مکن | عیب نبود گر گناهی می کند دیوانه ای

(شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات ص ۸۱ بحوالہ بیاض فارسی شعر (قلمی))

[3] شیخ علاؤ الدین علی بن احمد صابر ؒ شیخ فرید الدین مسعود کے دوسرے جلیل القدر خلیفہ اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے بانی ہیں۔ سید محمد بن مبارک کرمانی آپ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"درویشی بود بزرگ صاحب نعمت که او را شیخ علی صابر گفتندی، درویشی قدمی ثابت و نفسی گیرا داشت و ساکن قصبه دیگری بودی و پیوند بخدمت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سره العزیز داشت و او را از حضرت شیخ شیوخ العالم قدس سره اجازت بود۔"

آپ کے خلیفہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی سے سلسلہ چلا ۱۳ ربیع الاوّل ۶۹۰ھ کو وفات پائی۔ مزار پیران کلیر (ضلع رڑکی) میں ہے۔ سیر الاولیا ص ۱۸۵ و سیر الاقطاب ص ۱۷۸

اس سلسلہ کو برِعظیم کے اطراف میں پہنچا دیا اور یہ سلسلہ انہی بزرگوں کے خلفا کی بدولت اب تک زندہ و قائم ہے۔

آپ کا نام مسعود، لقب فریدالدین اور عوام میں "گنج شکر" کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ نسباً فاروقی ہیں[۱]۔ آپ کے والد شیخ جمال الدین سلیمان، شہاب الدین محمد غوری (۶۰۲ھ/ ۱۲۰۶ء) کے برِعظیم پاک و ہند پر حملوں کے دوران کابل سے ملتان آئے اور ملتان کے قریب قصبہ کھوتوال کے "قاضی مقرر ہوئے۔ یہیں ۵۸۴ھ/ ۱۱۸۸ء میں خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی پیدائش ہوئی[۲]۔

آپ تحصیلِ علم کے لیے ملتان گئے اور مولانا منہاج الدین ترمذیؒ اور دوسرے اساتذہ سے علمِ دین حاصل کیا۔ یہیں ۶۰۲ھ/ ۱۲۰۶ء میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، اور ان کے ہمراہ دہلی گئے۔ اور ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے، اسی دوران حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر سے دہلی تشریف لائے اور خواجہ فریدالدین مسعود کو دیکھ کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی سے فرمایا:۔

"بابا قطب الدین شاہبازے عظیم در دام آوردہ کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد"[۳]

تکمیلِ علمِ باطنی کے بعد مرشد نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور آپ ان کے حکم سے ہانسی میں جا کر مقیم ہو گئے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کی وفات کے بعد ہانسی سے اجودھن (پاک پٹن) آ گئے اور آخر عمر تک یہیں رہے۔

خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر کو سماع کا بڑا ذوق تھا۔ کسی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ علماء کو اس میں اختلاف ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ ص ۳۸۳ [۲] تاریخ فرشتہ ص ۳۸۳

فرشتہ نے آپ کے والد ماجد کا نام کمال الدین سلیمان لکھا ہے، لیکن مفتی غلام سرور لاہوری نے خزینۃ الاصفیا میں جمال الدین سلیمان لکھا ہے۔

[۳] تاریخ فرشتہ ص ۳۸۳ [۴] سیر الاقطاب ص ۱۶۶

[۵] سیر الاولیا ص ۶۷ و فوائد الفواد ص ۱۵۲

"سبحان اللہ یکے سوخت وخاکستر شد، و دیگری ہنوز در اختلاف است"[1]

ترجمہ: سبحان اللہ، ایک جلا بھی اور راکھ بھی ہوگیا، دوسرا ابھی اختلاف ہی کر رہا ہے۔

سلسلۂ سہروردیہ کے مشہور بزرگ، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی[2] (م ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء) آپ کے ہمعصر تھے، دونوں بزرگوں کے آپس میں بڑے پُرخلوص تعلقات تھے۔ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے مخاطب کرتے تھے[3]۔ شمال مغربی ہندوستان میں ان دونوں بزرگوں نے اشاعت اسلام کا عظیم الشان کام سرانجام دیا۔

آپ کی وفات ۵ محرم ۶۶۴ھ/ ۱۲۶۵ء میں ہوئی۔ مزار مبارک پاک پٹن (ضلع ساہیوال) میں ہے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے تھے، آپ کے بعد آپ کے تیسرے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمان آپ کے جانشین ہوئے[4]۔

آپ کے خلفا میں سے خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی (م ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) شیخ علاءالدین علی بن احمد صابر (م ۶۹۸ھ/ ۱۲۹۸ء) شیخ جمال الدین ہانسوی (م ۶۵۷ھ/ ۱۲۵۶ء) اور شیخ بدرالدین اسحاق (م ۶۹۰ھ/ ۱۲۹۱ء) مشہور ہیں[5]۔

---

[1] سیر الاولیا ص ۹۲ ہم

[2] شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی برعظیم پاک وہند کے مشائخ کبار میں سے ہیں آپ قلعہ کوٹ کروڑ (نواح ملتان) میں پیدا ہوئے، تحصیل علم کے لیے خراسان کا سفر کیا۔ پھر بخارا، حرمین شریفین اور بیت المقدس ہوتے ہوئے بغداد پہنچے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا اور خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد مرشد کے حکم سے اپنے وطن واپس آئے اور ملتان میں مسند تدریس وارشاد بچھائی اور برعظیم کو اپنے فیوضات و برکات سے منور فرمایا۔ ۷ صفر ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۲ء کو وفات پائی۔ مزار ملتان میں ہے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ شیخ صدرالدین عارف جانشین ہوئے۔ (تاریخ فرشتہ - ص ۴۰۴)

[3] سیر الاولیا ص ۷۷ [4] سیر الاولیا ص ۹۱ و اخبار الاخیار ص ۵۴

[5] سیر الاولیا ص ۱۷۹

آپ کے ملفوظات شیخ بدر الدین اسحاق نے "اسرار الاولیا" کے نام سے اور خواجہ نظام الدین اولیا نے "راحت القلوب" کے نام سے جمع کیے۔

مختلف تذکروں میں آپ کے اشعار بھی ملتے ہیں اور چند رسائل بھی آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں[1]

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی

آپ کا نام محمد اور لقب نظام الدین ہے، والد ماجد کا نام احمد ہے۔ سادات حسینی میں سے ہیں[2]۔ آپ کے دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے دونوں بخارا سے آکر کچھ عرصہ تک لاہور مقیم رہے۔ پھر لاہور سے بدایوں گئے۔

خواجہ نظام الدین ۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء میں بدایون میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے، والدہ ماجدہ نے جو صالحات میں سے تھیں، آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا آپ نے ابتدائی تعلیم بدایون میں مولانا علاء الدین اصولی[3] سے حاصل کی۔ پھر سولہ سال کی عمر میں دہلی کا سفر کیا اور مولانا شمس الدین خوارزمی مستوفی الممالک کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر دینی علم کی تکمیل کی[4]۔ اور علم حدیث کی تکمیل شیخ محمد بن احمد المارپکلی مشہور بہ

---

[1] آپ سے مندرجہ ذیل رسائل منسوب کیے جاتے ہیں۔ (۱) گنج اسرار (۲) جوگی نامہ (۳) رسالہ وجودیہ (پاکستان میں فارسی ادب تالیف ڈاکٹر ظہور الدین احمد جلد اول مطبوعہ لاہور ص ۲۲۲

[2] سیر الاولیا۔ ص ۹۲، ۹۴۔

صاحب سیر الاولیا نے آپ کو سید حسینی لکھا ہے لیکن مولانا عبد الرحمٰن نے "نفحات الانس" میں آپ کو خالدی لکھا ہے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے بھی "تکملہ سیر الاولیا" میں خواجہ عبید اللہ معروف بہ خواجہ کلاں بن خواجہ باقی باللہ دہلوی (م ۱۰۱۲ھ/ ۱۶۵۱ء) کی تصنیف "انساب قریش" کے حوالے سے آپ کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہونا بتایا ہے۔

(نفحات الانس ص ۵۰۴ و تکملہ سیر الاولیا ص ۱۳ بحوالہ انساب قریش)

[3] خیر المجالس ملفوظات خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (اردو ترجمہ) ص ۱۸۹

[4] سیر الاولیا۔ ص ۹۴

کمال الدین زاہد[1] (م ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء) کی خدمت میں کی۔

ختم تعلیم کے بعد مرشد کی تلاش میں نکلے اور حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت گنج شکر نے آپ کو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا ؎

ای آتش فراقت دلہا کباب کردہ — سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ[2]

آپ نے خواجہ فرید الدین گنج شکر کے دست مبارک پر بیعت کی اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ اس عرصہ میں آپ نے اپنے مرشد سے تصوف کی مشہور کتابیں "عوارف المعارف" مصنفہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور "تمہید" مصنفہ ابو شکور سالمی پڑھیں اور قرأت کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت عطا ہوا[3]

مرشد کی وفات کے بعد دہلی چلے گئے، ابتداء میں شہر دہلی کے مختلف مقامات پر رہے۔ آخر کار محلہ غیاث پور میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے[4]

برعظیم پاک و ہند کے اطراف سے طالبانِ خدا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے امراء، علماء اور فضلاء نے آپ کی آستانہ بوسی کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھا۔ امیر خسرو نے آپ کے دربار فقر کا نقشہ حسب ذیل اشعار میں کھینچا ہے ؎

در حجرۂ فقر پادشاہے — در عالمِ دل جہاں پناہے

شاہنشہے بے سریر و بے تاج — شاہانش بہ خاکِ پائے محتاج[5]

آپ کے اثرات آپ کی زندگی ہی میں سارے ہندوستان میں پھیل گئے تھے اور حکومت سے لے کر عوام تک سبھی آپ کے گرویدہ تھے۔

---

[1] محمد بن احمد ماریکلی ملقب بہ کمال الدین زاہد حدیث و فقہ کے امام اور برہان الدین محمود بلخی کے شاگرد تھے۔ علامہ رضی الدین حسن بن محمد الصغانی لاہوری مصنف مشارق الانوار (م ۶۵۰ھ) سے بہ یک واسطہ اجازت حدیث حاصل کی۔ صاحب ہدایہ برہان الدین مرغینانی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ (سیر الاولیا ص ۱۰۱ و نزہۃ الخواطر جلد دوم اردو ترجمہ ص ۲۸۳)

[2] فوائد الفواد ص ۲۴ [3] سیر الاولیا ص ۱۰۶

[4]، [5] سیر الاولیا ص ۱۱۱، ۱۳۰۔

آپ کے عہدِ مشیخت میں چار بادشاہ یکے بعد دیگرے دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھے، لیکن آپ سب سے بے تعلق رہے۔

۱۔ سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی (۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء - ۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء) نے حاضری کی اجازت چاہی لیکن آپ نے منظور نہیں کیا۔[1]

۲۔ سلطان علاؤالدین محمد خلجی (۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء - ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء) ابتداءً آپ کا معتقد نہ تھا بعد میں معترف ہوا اور معذرت چاہی۔ اس کو بھی حاضری کی اجازت نہیں دی گئی۔[2]

۳۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی (۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء - ۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء) نے آپ کی بڑی مخالفت کی آخر خسرو خان کے ہاتھوں قتل ہوا۔[3]

۴۔ غازی ملک ملقب بہ سلطان غیاث الدین تغلق (م ۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء - ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) نے آپ کو سماع کے مسئلہ پر بحث کے لیے اپنے دربار میں بلایا۔ حضرت خواجہ غالب رہے۔ بادشاہ نے آپ کو بڑی عزت و تکریم سے رخصت کیا۔[4]

آپ کا وصال نواسی سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں ہوا۔ شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی (م ۷۳۴ھ/۱۳۳۳/۳۴ء) نے نماز جنازہ پڑھائی۔[5] مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔

آپ نے شادی نہیں کی۔ اس لیے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ البتہ مریدین اور خلفا کثیر تعداد میں برعظیم کے اطراف میں موجود تھے۔ خلفا میں سے حسبِ ذیل حضرات زیادہ مشہور ہیں:-

۱۔ شیخ برہان الدین غریب (م ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء) انہوں نے اور ان کے خلفا نے دکن میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کی۔

۲۔ شیخ سراج الدین معروف بہ اخی سراج (م ۷۵۸ھ/۱۳۵۷ء) انہوں نے اور ان کے

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۳۵ [2] سیر الاولیا ص ۱۳۴

[3] ایضاً ۱۵۰ [4] ایضاً ۵۲۷/۵۳۲

[5] ایضاً ۱۵۵ و نزہۃ الخواطر جلد دوم ص ۱۶۲

خلفا نے بنگال[عہ] میں سلسلہ کی اشاعت کی۔

۳- شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) دہلی میں آپ کے جانشین ہوئے[۱]۔

آپ کے ملفوظات حسب ذیل ہیں۔

۱- امیر حسن علا سجزی نے "فوائد الفواد" اور

۲- امیر خسرو دہلوی نے "افضل الفوائد" کے نام سے آپ کے ملفوظات جمع کیے۔

(محققین کے نزدیک "افضل الفوائد" غیر مستند اور بے اصل ہے) اور

۳- سید محمد بن مبارک کرمانی نے "سیر الاولیا" میں آپ کے ملفوظات اور حالات لکھے۔

خواجہ نصیر الدّین محمود چراغ دہلی

خواجہ نصیر الدین محمود، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی وفات کے بعد آپ کے سجادہ پر بیٹھے اور سلسلہ کے مرکزی نظام کو سنبھالا۔

آپ کا اسم مبارک محمود اور لقب نصیر الدین چراغ دہلی ہے۔ والد کا نام یحییٰ بن عبد اللطیف ہے۔ اودھ میں پیدا ہوئے۔ اور دہلی میں قاضی محی الدین کاشانی اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی[۲]۔

تعلیم دینی کے بعد تعلیم روحانی کے لیے سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک عرصہ تک ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے اور کچھ عرصہ کے بعد خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے۔

سید محمد بن مبارک کرمانی صاحب سیر الاولیا آپ کے متعلق لکھتے ہیں:-

"بوی کہ از مجلس سلطان المشائخ می آمد، آن بوئی از مجلس شیخ نصیر الدین محمود بمشام جانِ کاتب حروف رسیدہ است"[۳]

جو کیفیت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کی مجلس کی تھی، وہی کیفیت مصنف کتاب کو شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس میں محسوس ہوئی تھی۔

عہ شیخ سراج الدین نے لکھنوتی (گوڑ) میں خانقاہ قائم کی۔ مزار سعد اللہ پور میں ہے ان کے خلیفہ شیخ علاء الدین نے پنڈوہ میں خانقاہ قائم کی۔ تذکرہ صوفیای بنگال۔ ص ۳۶ و ۲۱۵

۱ سیر الاولیا ص ۲۳۶، ۲۷۸، ۲۸۸

۲ سیر الاولیا ص ۲۳۶ و خیر المجالس ص ۱۴۱

۳ سیر الاولیا ص ۲۴۱

آپ کی وفات ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء میں ہوئی۔[1]

وفات سے کچھ وقت پیشتر آپ کے خادم مولانا زین الدین علی نے عرض کیا کہ:

"خلفاءِ بزرگ و مریدانِ حضرت بسیار اند، یکی را خرقۂ خلافت و جانشینی عنایت شود۔"[2]

حضرت کے بزرگ خلفا اور مریدین بہت ہیں۔ ان میں سے کسی کو جانشین مقرر کر کے خرقۂ خلافت عطا فرمائیں۔

آپ نے فرمایا کہ سب کے نام لکھ کر لے آؤ، جب نام آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو فرمایا:۔

"به ایشان بگو، که غمِ ایمان خود بخورید، چه جائی آں که بارِ دیگران ببردارید، و وصیت کردند، که خرقۂ حضرت پیر دستگیر را در وقتِ دفن بر سینۂ من بگذارید، و عصا را برابر من در لحد بنهید، و تسبیح را در انگشتِ شهادتِ من خواهید پیچید، و کاسۂ چوبین را در زیر سر بجائی خشت و نعلین را در آغوشِ من خواهید گذاشت مریدان و خادمان به موجب وصیت ایشان عمل نمودند۔"[3]

اُن سے کہو کہ اپنے ایمان کی فکر کریں، چہ جائیکہ دوسروں کا بوجھ اُٹھانے لگیں۔ اور وصیت کی کہ میرے مرشد (خواجہ نظام الدین اولیا) کا خرقہ، مجھے دفن کرتے وقت میرے سینہ پر رکھ دیں، اور عصا میرے ساتھ لحد میں رکھ دیں اور تسبیح میری انگشتِ شہادت کے ساتھ لپیٹ دیں۔ اور لکڑی کا پیالہ میرے سر کے نیچے اینٹ کی جگہ رکھ دیں اور مرشد کے پاپوش میری گود میں رکھ دیں۔ چنانچہ مریدوں اور خادموں نے اسی وصیت کے مطابق عمل کیا۔

آپ کے خلفاء میں سے سید محمد گیسو دراز دفین گلبرگہ (م ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) اور شیخ کمال الدین علامہ (م ۷۵۶ھ / ۱۳۵۵ء) بہت مشہور ہیں۔

سید محمد گیسو دراز نے گلبرگہ (حیدر آباد دکن) میں سلسلہ کی اشاعت کی اور شیخ کمال الدین علامہ اور ان کے جانشینان نے گجرات (کاٹھیاوار) کے علاقہ میں سلسلہ چشتیہ کی نشر و اشاعت کا کام کیا۔

مشائخ تونسویہ کا تعلق اسی دوسری شاخ سے ہے۔

آپ کے ملفوظات حمید قلندر نے "خیر المجالس" کے نام سے اور شیخ محب اللہ نے "مفتاح العاشقین" کے نام سے جمع کیے۔

---

[1] سیر الاولیا ص ۲۴۷
[2]، [3] مونس الارواح (قلمی) برگ ۱۰۳ و ۱۰۴، ۱۰۵

فصل دوم

سلسلہ چشتیہ بیرون از مرکز دہلی (جانشینانِ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی)

خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے جانشینان

خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے حسب ذیل دو بڑے خلفا نے دہلی سے باہر دکن اور گجرات کاٹھیاواڑ میں اشاعت سلسلہ کا کام کیا۔

۱۔ شیخ کمال الدین علامہ نے گجرات کاٹھیاواڑ میں اور

۲۔ سید محمد گیسو دراز (م ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء) اور ان کے جانشینان نے سرزمین دکن میں کام کیا۔[۱]

شیخ کمال الدین علامہ

آپ خواجہ نصیر الدین محمودؒ کے خواہرزادہ اور خلیفہ ہیں، والد کا نام عبدالرحمٰن بن محمد بن عمر فاروقی ہے۔ آپ کو خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی نے بھی خرقہ خلافت عطا فرمایا۔[۲] علم و فضل کی بدولت علامہ مشہور ہوئے۔ برسوں دہلی میں رہنے کے بعد گجرات (کاٹھیاواڑ) تشریف لے گئے اور سلسلہ کی اشاعت کی۔ آخری عمر میں پھر دہلی لوٹ آئے اور یہیں ۲۷ ذیقعد (۷۵۶ھ/۱۳۵۵ء) کو وفات پائی۔ مزار مبارک دہلی میں ہے۔[۳]

جانشینان شیخ کمال الدین علامہ در گجرات

شیخ کمال الدین علامہ کے گجرات (کاٹھیاواڑ) میں جانشینان حسب ذیل ہیں:-

۱۔ شیخ سراج الدین گجراتیؒ

شیخ کمال الدین علامہ کے فرزند اور خلیفہ ہیں۔ آپ گجرات (کاٹھیاواڑ) ہی میں رہے۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی

---

[۱] ملاحظہ ہو حاشیہ باب ہذا فصل سوم ص ۱۱

[۲]، [۳] تکملہ سیر الاولیا ص ۱۴، ۱۸ و نزہۃ الخواطر جلد دوم (عربی سے اردو) ص ۱۵۶

(۸۰۰ھ/۱۳۹۷ء - ۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء) نے سات ہزار سکہ دکنی آپ کی خدمت میں بھیج کر دکن بلوایا، لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔

۲۱ جمادی الاول ۸۱۴ھ/۱۴۱۲ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ مزار مبارک قلعہ پیران پٹن (نہروالہ گجرات) میں ہے۔

آپ کے پانچ فرزند تھے۔ آپ کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے شیخ علم الدین آپ کے سجادہ پر بیٹھے[1]

۲۔ شیخ علم الدین گجراتی

شیخ سراج الدین گجراتی کے فرزند اور خلیفہ ہیں علم و فضل میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ ۸۹۰ھ/۱۴۸۳ء میں وفات پائی۔

مزار مبارک قلعہ پیران پٹن نہروالہ گجرات (کاٹھیاواڑ) میں ہے[2]

۳۔ شیخ محمود معروف بہ شیخ راجن

شیخ علم الدین گجراتی کے فرزند اور خلیفہ ہیں آپ کو اپنے والد کے علاوہ شیخ ابوالفتح کالپوی (م ۸۶۲ھ/۱۴۵۷ء) شیخ شہاب الدین احمد کھتوی (م ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء) اور شیخ قاذن خلیفہ قاضی علم الدین شاطبی (م ۸۶۰ھ/۱۴۵۵ء) سے بھی خرقہ ہائے خلافت ملے۔

آپ کی وفات ۲۲ صفر ۹۰۰ھ/۱۴۹۴ء میں ہوئی مزار مبارک پیران پٹن نہروالہ (گجرات کاٹھیاواڑ) میں ہے[3]

۴۔ شیخ جمال الدین معروف بہ شیخ جمن

شیخ محمود راجن کے فرزند اور خلیفہ ہیں۔ آپ کو بھی اپنے والد کے علاوہ شیخ نصیر الدین بن شیخ مجد الدین بن شیخ سراج الدین گجراتی (م ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء) سے اور شیخ شہاب الدین احمد کھتوی (م ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء) سے خرقہ ہائے خلافت ملے۔ آپ صاحب وجد و سماع اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ تصوف پر آپ نے ایک کتاب "المذاکرہ" کے نام سے

---

[1] تکملہ سیر الاولیا ص ۲۹ تا ۳۰ و نزہۃ الخواطر جلد سوم ص ۱۰۹

[2] تکملہ سیر الاولیا ص ۳۰ و نزہۃ الخواطر جلد سوم ص ۱۳۷ و مناقب المحبوبین ص ۳۷

[3] نزہۃ الخواطر جلد سوم ص ۳۵، ۸۴، ۱۴۱ و مناقب المحبوبین ص ۳۸

لکھی۔ آپ ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء میں فوت ہوئے۔ مزار مبارک احمد آباد (گجرات کاٹھیاواڑ) کے مضافات میں ہے۔[۱]

۵۔ شیخ حسن محمد شیخ جمال الدین جمن کے برادر زادہ اور خلیفہ ہیں، شجرہ نسب اس طرح ہے۔ شیخ حسن محمد بن شیخ احمد بن شیخ نصیر الدین بن شیخ مجد الدین بن شیخ علم الدین گجراتی (م ۸۹۰ھ/۱۴۸۳ء)

آپ ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء میں احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ شیخ جمال الدین جمن اور اپنے والد شیخ احمد سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ سلسلہ قادریہ سہروردیہ کبرویہ میں شیخ محمد غیاث نور بخش بن شیخ محمد علی نور بخش سے بھی آپ کو خرقۂ خلافت ملا۔[۲] جلال الدین محمد اکبر (۹۶۴ھ/۱۵۵۶ء۔ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) نے آپ کو بارہ گاؤں کی جاگیر کا پروانہ بھیجا۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب ہم بارہ گاؤں کے زمیندار ہوئے تو پھر فقیری کہاں۔ یہ بات ہمارے مشائخ کرام کے طریقہ کے خلاف ہے۔[۳]

آپ کی وفات ۲۶ ذیقعد ۹۸۲ھ/۱۵۷۳ء میں ہوئی۔ مزار مبارک احمد آباد (گجرات کاٹھیاواڑ) میں ہے۔[۴]

آپ کی تصانیف میں سے تفسیر قرآن مجید "حاشیہ تفسیر بیضاوی"، حاشیہ قوت القلوب" "حاشیہ نزہتہ الارواح" اور "رسالہ چہار برادران" مشہور ہیں۔[۵]

۶۔ شیخ محمد آپ کا نام شمس الدین محمد ہے۔ شیخ حسن محمد کے فرزند اور خلیفہ ہیں۔[۶] شاہجہان (۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء۔ ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) نے آپ کی خدمت میں نواب اسلام خاں کے ہاتھ تین لاکھ روپے نقد پانچ گاؤں کی سند اور اپنے ہاتھ کی سلی ہوئی ایک کلاہ چہار ترکی اور ایک عبا بھیجی۔ آپ نے کلاہ تو سید احمد بغدادی کو دے دی، عبا ایک سیاح درویش کو دی اور نقد روپیہ اسی وقت خانقاہ کے فقراء مساکین میں تقسیم کر دیا

---

[۱] مناقب المحبوبین ص ۲۹ نزہتہ الخواطر ص ۸۸ [۲] تکملہ سیر الاولیا ص ۴۹ مناقب المحبوبین ص ۳۹ تا ۴۵

[۳] تذکرہ اولیائے ہند جلد دوم ص ۷۱ [۴] مناقب المحبوبین ص ۴۰

[۵] نزہتہ الخواطر ص ۹۷ و مناقب المحبوبین ص ۴۰

[۶] تکملہ سیر الاولیا ص ۴۷ و مناقب المحبوبین ص ۴۴

اور جاگیر کا فرمان بادشاہ کو واپس کردیا کہ اس کو ہم قبول نہیں کر سکتے۔[1]

آپ ۲۹ ربیع الاوّل ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء کو فوت ہوئے۔ مزار احمد آباد (گجرات کاٹھیاواڑ) میں ہے۔

آپ کی تصانیف میں سے آئینہ وجود، ہدایت المریدین، طریق الصالحین، آداب الطالبین اور تفسیر محمدی مشہور ہیں۔[2]

۷۔ شیخ یحییٰ مدنی

آپ کا نام محی الدین ابو یوسف یحییٰ بن محمود ہے۔ شیخ محمد کے پوتے اور خلیفہ ہیں۔

۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء میں احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ علم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا۔ کچھ عرصہ گجرات (کاٹھیاواڑ) میں رہے۔

اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء - ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) جب گجرات کی صوبہ داری پر مامور تھا تو شیخ نظام کو شیخ یحییٰ مدنی کی خدمت میں بھیج کر ملاقات کی استدعا کی، لیکن شیخ نے معذرت چاہی۔ پھر بھی اورنگ زیب حاضر خدمت ہوگیا۔ شیخ نے فرمایا عنقریب تم کو ہندوستان کی حکومت ملے گی اور تم سے دینِ اسلام کی اشاعت ہوگی۔[3]

ایک عرصہ کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور عمر کے آخری چودہ سال مدینہ منورہ میں گزار کر ۲۶ صفر ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء کو انتقال فرمایا۔ مزار مبارک جنت البقیع میں ہے۔ آپ کے حالات اور ملفوظات "معارج الولایت" اور "مفتاح الکرامات" کے نام سے آپ کے ایک مرید محمد فاضل نے لکھے ہیں۔

آپ کی اولاد احمد آباد (گجرات کاٹھیاواڑ) میں موجود رہی لیکن سلسلہ کا اجرا آپ کے خلیفہ شاہ کلیم اللہ دہلوی سے ہوا۔ شاہ کلیم اللہ نے گجرات سے دوبارہ دہلی میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کا مرکز منتقل کیا۔[4]

---

[1] تذکرہ اولیائے ہند ص ۷۲
[2] تذکرہ اولیائے ہند ص ۷۱ و تکملہ سیر الاولیا ص ۴۷
[3] خاتمہ مرأۃ احمدی ص ۸۰، ۸۱
[4] مناقب المحبوبین ص ۴۵ و تکملہ سیر الاولیا ص ۴۷ تا ۸۰

فصل سوم

سلسلۂ چشتیہ کی نشأۃ ثانیہ

شاہ کلیم اللہ دہلوی تا خواجہ نور محمد مہاروی

سرآغاز حضرت خواجہ نظام الدین اولیا (م ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) اور خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) کے عہد مشیخت میں دہلی کی خانقاہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ان بزرگوں کے خلفا نے برعظیم پاک و ہند کے مختلف مقامات پر مراکز ارشاد و تبلیغ قائم کیے۔ جیسا کہ فصل اول کے آخر میں بیان کیا جا چکا ہے، خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی وفات کے بعد دہلی کا مرکزی نظام ختم ہو گیا۔ آپ کے ایک خلیفہ سید محمد گیسو دراز[1] (م ۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء)

---

[1] سید ابو الفتح صدر الدین محمد بن یوسف بن علی الحسینی معروف بہ بندہ نواز گیسو دراز ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دولت آباد میں حاصل کی۔ ۷۳۶ھ/۱۳۳۵ء میں دہلی آکر حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور مرشد کے حکم سے دینی تعلیم کی تکمیل کی اس کے بعد خرقۂ خلافت عطا ہوا۔ آپ علم و فضل میں ممتاز اقران تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء میں دہلی سے گجرات گئے، پھر دولت آباد کا رخ کیا۔ فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ/۱۳۹۷ء - ۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء) نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ گلبرگہ میں مقیم ہو گئے اور مسند ارشاد و تدریس کو مزین فرمایا۔ ۱۶ ذیقعد ۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء میں وفات پائی۔ مزار مبارک گلبرگہ میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ آپ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ پینتالیس کتابیں آپ سے منسوب کی جاتی ہیں جن میں سے تفسیر القرآن، شرح مشارق الانوار، شرح عوارف المعارف، شرح تمہیدات، شرح فقہ اکبر، حدائق الاسرار مشہور ہیں۔

آپ کے ملفوظات سید محمد نے "جوامع الکلم" کے نام سے اور سوانح حیات شیخ محمد ابن علی سامانوی نے "سیر محمدی" کے نام سے لکھے ہیں۔ آپ کا فارسی دیوان اور مجموعہ مکاتیب بھی شائع ہو چکے ہیں۔

(جوامع الکلم ص ۱ تا ۱۰ و نزہۃ الخواطر ص ۱۸۷، حیات بندہ نواز ص ۱ تا ۱۰ و تذکرہ خواجہ گیسو دراز ص ۲۸ تا ۳۷)

نے گلبرگہ (دکن) میں خانقاہ قائم کی اور ان کے جانشینان نے دکن میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کی۔

آپ کے دوسرے خلیفہ شیخ کمال الدین علامہ (م ۷۵۶ھ/۱۳۵۵ء) اور ان کے جانشینوں نے تین سو سال تک سرزمین گجرات (کاٹھیاواڑ) میں حلقہ ہائے ارشاد و تبلیغ کو گرم رکھا۔

خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے بعد شاہ کلیم اللہ دہلوی (م ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے دہلی میں سلسلۂ چشتیہ کا احیا کا اور جن کے کارناموں نے دورِ اول کی یاد کو تازہ کر دیا۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی کے خلفا نے برعظیم کے مختلف مقامات پر مراکز ارشاد و تدریس قائم کئے۔ آپ کے جانشینان میں سے خواجہ نور محمد مہارویؒ نے سابق مغربی پاکستان میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کی۔ جن کے خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفا نے مغربی پاکستان میں جگہ جگہ مراکزِ ارشاد قائم کر کے گزشتہ دو صدیوں میں اسلام اور تصوفِ اسلام کی خدمت کی۔[1]

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ

خاندان و ولادت

شاہ کلیم اللہ بن شیخ نور اللہ صدیقی کے دادا شیخ احمد شاہجہان (۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ - ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) کے عہد میں خجند (ترکستان) سے دہلی گئے۔ وہ علم نجوم، اقلیدس، ریاضی اور ہیئت میں کمال رکھتے تھے۔ اس لیے شاہ جہان نے لال قلعہ دہلی کی تعمیر کے لیے ان کو خجند سے دہلی بلوایا۔ تاج محل آگرہ اور لال قلعہ دہلی شیخ احمد نے تعمیر کیا تھا۔ دربار مغلیہ سے ان کو "نادر العصر" کا خطاب ملا تھا۔

ان کی وفات ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء میں ہوئی۔[2]

شیخ احمد کے تیسرے بیٹے شیخ نور اللہ کے فرزند شاہ کلیم اللہ تھے۔ آپ ۲۴ جمادی الثانی

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۴۵، ۴۶ و تذکرۃ المشائخ ص ۱۰۲

[2] تاریخ مشائخ چشت ص ۳۷۱

۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے[1] آپ کے اجداد معماری کا کام کرتے تھے۔ لیکن شاہ کلیم اللہ کو حق تعالیٰ نے تعمیر دل کے لیے منتخب فرمایا۔ خود لکھتے ہیں :-

"از ما و شما کار فراہم آوردن تنکہ و نقد و جنس نیست، فراہم آوردن دلہا مطلوب است"[2]

تعلیم شاہ کلیم اللہ نے دینی تعلیم دہلی کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ "جامع مکتوبات کلیمی" لکھتے ہیں :-

"در اوائل عمر از کتب درسیہ فقہ و حدیث فارغ شد"[3]

علم حدیث حضرت شیخ ابو الرضا الہندی[4] (م ۱۱۰۱ھ / ۱۶۸۹ء) کی خدمت میں حاصل کیا۔ شیخ ابو الرضا الہندی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی[5] (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) کے تایا تھے۔

بیعت و خلافت تکمیل علوم کے بعد آپ عربستان گئے اور مدینہ منورہ میں حضرت شیخ یحییٰ گجراتی ثم مدنی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی سعادت حاصل کی اور ایک عرصہ تک ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہے۔

---

[1]، [2]، [3] مکتوبات کلیمی ص ۹۳ مکتوب ۱۲۵، ص ۳۶، ص ۱

[4] شیخ ابو الرضا الہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) کے تایا اور خواجہ عبداللہ معروف بہ خواجہ خورد (م ۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۴ء) کے خلیفہ تھے۔ دہلی میں عرصہ تک حلقہ ارشاد و تدریس قائم رکھا۔ ۱۱۰۱ھ / ۱۶۸۹ء میں فوت ہوئے۔

(انفاس العارفین ص ۱۶۵ و تکملہ سیر الاولیا ص ۸۵)

[5] امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی، مشہور و معروف محدث اور جلیل القدر فقیہہ و صوفی تھے۔ علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم سے کی۔ شیخ محمد افضل سیالکوٹی (م ۱۱۴۶ھ) اور شیخ ابو طاہر مدنی بن شیخ ابراہیم کردی سے سند حدیث حاصل کی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے والد ماجد سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء میں فوت ہوئے۔ آپ کے صاحبزادگان شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی نے آپ کے مشن کو جاری رکھا۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے حجۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر، ازالۃ الخفا، تفہیمات الہیہ، ہمعات، سطعات مشہور ہیں۔ (امام ولی اللہ دہلوی از مولانا عبیداللہ سندھی ص ۳ تا ۱۲)

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :-

"مدتہا در آن دیار فیض آثار لبسر برد"[1]

تکمیلِ سلوک کے بعد مرشد نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور برعظیم واپس آکر دہلی میں سلسلۂ درس و تدریس اور ارشاد و تربیت شروع کیا۔ دور دور سے طالبانِ علم اور طالبانِ حق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرنے لگے۔ آپ اپنے مریدین اور متوسلین کو ہمیشہ اتباعِ شریعت کی تلقین فرماتے۔ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"ہمہ داخلانِ طریقت را تاکید نمایند کہ ظاہر بہ شریعت آراستہ دارند و باطن بہ عشقِ مولیٰ پیراستہ سازند"[2]

حضرت شاہ کلیم اللہ متوکلانہ زندگی لبسر کرتے تھے اور مشائخ سلسلہ کی طرح شاہانِ وقت کی پیشکش کو آپ نے قبول نہیں کیا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری لکھتے ہیں :-

"وجہ معیشت شیخ چنان بود کہ یک حویلی در ملکِ خود داشتند، مبلغ دو روپیہ ہشت آنہ کرایہ مقرر بود، بہ ہشت آنہ مکانی دیگر برائی سکونت کرایہ کردہ گرفتہ بودند، دو روپیہ وجہ خرچ بہ جمیع وابستگان می نمودند، بادشاہ فرخ سیر بارہا الحاح نمود کہ حضرت از بیت المال چیزے قبول فرمایند، ایشان جواب دادند کہ حاجت نیست باز عرض کرد کہ حویلی از بہر نزول در معرض قبول افتد، فرمودند بہ این نیز حاجت نیست"[3]

حضرت شیخ کی وجہ معاش یہ تھی کہ ایک حویلی آپ کی ملکیت میں تھی، مبلغ دو روپے آٹھ آنہ اس کا کرایہ مقرر تھا۔ آٹھ آنہ کرایہ پر رہائش کے لیے دوسرا مکان لے رکھا تھا۔ اور تمام وابستگان کے لیے دو روپے خرچ کرتے تھے۔ بادشاہ فرخ سیر نے کئی دفعہ درخواست کی کہ حضرت بیت المال میں سے کچھ قبول فرمائیں۔ حضرت یہی جواب دیتے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ بادشاہ نے آخر یہ بھی عرض کیا کہ رہائش کے لیے حویلی قبول فرمائیں فرمایا کہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔

---

[1] مآثر الکرام - ص ۴۲ [2] مکتوبات کلیمی ص ۹۵ مکتوب ۱۲۹

[3] تکملہ سیر الاولیا ص ۸۵

وفات و اولاد

آپ آخر دم تک اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہے۔ جامع مکتوبات کلیمی لکھتے ہیں :۔

"در ہدایت خلق اللہ و اعلائے کلمۃ اللہ تادم واپسیں کوشش بلیغ بہ کار بردند"۔[1]

آپ کی وفات ۲۴ ربیع الاوّل ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء میں ہوئی۔[2] مزار مبارک دہلی میں ہے آپ نے اپنے پیچھے چار صاحبزادے اور متعدد خلفا چھوڑے، سلسلہ کا اجرا آپ کے خلیفۂ اعظم شاہ نظام الدین اورنگ آبادی (م ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء) سے ہوا۔[3] آپ کے خلفا کی ایک طویل فہرست تاریخ مشایخ چشت میں دی گئی ہے جن میں سے شاہ محمد ہاشم، شاہ ضیاء الدین، مولانا جمال الدین جے پوری۔ خواجہ مصطفیٰ مراد آبادی مشہور ہیں۔

تصانیف

شاہ کلیم اللہ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل مشہور ہیں :۔

۱۔ تفسیر القرآن موسوم بہ قران القرآن بزبان عربی
۲۔ عشرہ کاملہ
۳۔ سواء السبیل
۴۔ کشکول
۵۔ تسنیم
۶۔ مرقع کلیمی

آپ کے مکتوبات سید محمد قاسم علی نے جمع کئے۔ اس مجموعہ میں آپ کے ایک سو بتیس مکتوبات ہیں۔

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ

وطن و نسبت

شاہ نظام الدین اورنگ آبادی، شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ آپ کا وطن لکھنؤ کے مضافات میں[4] تھا۔ نسباً صدیقی تھے تحصیل علم کے لیے دہلی گئے اور حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کی خدمت میں رہ کر دینی علوم کی تکمیل کی[5]

---

[1]، [2]، [3] مکتوبات کلیمی ص ۲، ۵۔ [4] مولد و وطن ایشان در پورب در قصبہ کاکوری و نگراؤں متصل بلدہ لکھنؤاست (مناقب المحبوبین ص ۴۷۔
[5] تکملہ سیر الاولیا ص ۱۴۹ و تذکرۃ المشایخ ص ۱۰۵

بیعت و خلافت

تکمیل علوم ظاہری کے بعد حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی کے دست مبارک پر بیعت کی اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے. شاہ کلیم اللہ صاحب نے آپ کی تربیت بڑی توجہ اور دلسوزی سے کی[1]

تکمیل علم باطنی کے بعد حضرت شاہ کلیم اللہ نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور دکن جانے کا حکم دیا، چنانچہ آپ دکن چلے گئے اور کچھ عرصہ لشکر کے ساتھ رہ کر طالبینِ خدا کو راہ خدا بتاتے رہے[2] چنانچہ ایک مکتوب میں شاہ کلیم اللہ آپ کو تحریر فرماتے ہیں،

"حکم آن است کہ در لشکر خدمت گاری طالب علمانِ حق نمائید، و ایں سعادت خود شمارید و جہد کنید تا مردم بسیار از حضیضِ غفلت بزاویہ معرفت بہ طفیل شمار سند و این طریقِ نادر را شائع کنید[3]"

آپ کے لیے یہ حکم ہے کہ فوج میں رہ کر طالبانِ خدا کی رہبری کی خدمت انجام دیں. اور اسی کو اپنے لیے سعادت سمجھیں اور کوشش کریں کہ آپ کے طفیل زیادہ سے زیادہ لوگ گمراہی کے گڑھے سے نکل کر معرفت الٰہی کی راہ پر چلیں اور اس نادر طریقہ کی عام اشاعت کریں۔

کچھ عرصہ کے بعد مرشد نے حکم دیا کہ لشکر کو چھوڑ کر جہاں چاہیں اقامت گزین ہو جائیں اور "اعلائے کلمۃ الحق" میں کوشش کرتے رہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

" شمارا اللہ تعالیٰ صاحب ولایت دکن ساختہ است ایں کار را تمام نمائید قبل ازیں می نوشتم کہ بہ لشکر روید اکنوں ایں امر است ہر جا کہ باشید در اعلائے کلمۃ الحق باشید[4]"

آپ کو اللہ تعالیٰ نے دکن کا صاحب ولایت بنایا ہے۔ اس کام کو پورا کریں۔ اس سے پہلے میں نے لکھا تھا کہ فوج میں جائیں لیکن اب یہ حکم ہے کہ جہاں بھی رہیں کلمۂ حق کو بلند کریں۔

---

[1] تکملہ سیر الاولیا ص ۹۴ و تذکرۃ المشائخ ص ۱۰۵

[2] مکتوبات کلیمی ص ۲۴، ۲۶ ۔ [3] مکتوبات کلیمی ص ۵۲، مکتوب ۶۰

[4] ایضاً ص ۲۶، مکتوب ۲۱

دکن میں قیام اس حکم کے بعد آپ اورنگ آباد (دکن) میں مقیم ہوکر تربیت طالبین کے کام میں مشغول ہوگئے اور آخر دم تک وہیں رہے۔[۱] آپ اسی اورنگ آباد کی نسبت سے اورنگ آبادی مشہور ہوئے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت نصیب فرمائی، دکن کے اکثر عوام وخواص آپ کے حلقہ بگوش ہوئے۔ نواب نظام الملک آصف جاہ اول (۱۰۸۲ھ/۱۶۷۱ء - ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے[۲] اور نواب غازی الدین خاں (۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ - ۱۱۲۳ھ/۱۷۱۱ء) بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔[۳]

وفات آپ کی وفات ۱۲ ذیقعد ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) میں ہوئی۔ مزار مبارک اورنگ آباد میں ہے۔[۴]

آپ کے پانچ صاحبزادے اور متعدد خلفا تھے۔ آپ کے جانشین آپ کے دوسرے صاحبزادہ خواجہ فخرالدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء) ہوئے۔ انہوں نے دہلی میں واپس آکر سلسلہ کی اشاعت کی۔[۵]

تصانیف شاہ نظام الدین اورنگ آبادی نے مسائل تصوف میں ایک کتاب "نظام القلوب" کے نام سے تصنیف فرمائی۔[۶]

اور آپ کے حالات میں نظام الملک آصف جاہ اول نے "رشک گلستان ارم" کے نام سے اور خواجہ کامگار خان نے "احسن الشمائل" کے نام سے کتابیں لکھیں۔[۷] آپ کے خلفا میں سے خواجہ نورالدین و خواجہ کامگار خاں مشہور ہیں۔

---

[۱] مکتوبات کلیمی ص ۴۸ تا ۵۳، مکتوب ۴۵ تا ۶۱

[۲] تکملہ سیرالاولیا ص ۹۵ — [۳] مکتوبات کلیمی ص ۳۶، ۹۷، مکتوب ۳۵، ۸۹

[۴] ایضاً ص ۱۰۴ — [۸] مناقب المحبوبین ص ۴۸

[۵] ایضاً ص ۹۶

[۶] ایضاً ص ۹۵

و تذکرۃ المشائخ ص ۱۰۷ بحوالہ انوار العارفین۔

خواجہ فخر الدّین دہلوی ؒ

خاندان و ولادت خواجہ فخر الدین دہلوی، شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ کا لقب "محب النبی" ہے ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء میں اورنگ آبادمیں پیدا ہوئے[1] نسباً صدیقی ہیں۔

تعلیم آپ نے ابتدائی تعلیم میاں محمد جان اور مولوی عبدالحکیم سے حاصل کی۔ علم حدیث حافظ اسعد الانصاری المکی ثم اورنگ آبادی[2] سے حاصل کیا۔ تصوف کی کتابیں اپنے والد ماجد کی خدمت میں پڑھیں اور درسی علوم کے علاوہ مروّجہ فنون تیراندازی وغیرہ میں بھی مہارت حاصل کی۔[3]

ریاضت خواجہ فخر الدین دہلوی، باپ کی جانب سے صدیقی اور والدہ کی جانب سے سیّد تھے۔ ان کی والدہ جن کا نام سید بیگم تھا، حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے خاندان سے تھیں۔ گویا کہ نجیب الطرفین تھے اور جذبۂ عشق الٰہی خمیر میں تھا۔ اس لیے ابتدائے عمر سے ہی زہد و ریاضت کی طرف راغب تھے اور آپ کے والد ماجد کو بھی آپ سے بہت محبت تھی۔

---

[1] تذکرہ اولیائے ہند، حصہ دوم، ص ۱۲۳

[2] حافظ اسعد الانصاری المکی، دکن کے مشہور محدثین میں سے تھے اور حدیث میں شیخ ابو طاہر (م ۱۱۴۵ھ) بن شیخ ابراہیم کردی کے شاگرد تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شیخ ابو طاہر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"شیخ ابو طاہر خرقہ از پدر خود پوشیدہ و والد بزرگوارش برائی وی خرقہ و اجازت از بزرگان بسیار گرفت از آں جملہ شیخ محمد بن سلیمان مغربی، و کتب عربیہ از سید احمد ادریس مغربی کہ سیبویۂ زمانہ خود بود خواند، و فقہ شافعی از علی طولونی مصری گرفت و معقول از منجم باشی کہ از مشاہیر متبحران روم بود و علم حدیث از والد خود (شیخ ابراہیم کردی) اخذ کرد۔" (انفاس العارفین ص ۱۹۴)

[3] تکملہ سیر الاولیا ص ۱۰۷، ۱۸۰

بیعت و خلافت

خواجہ فخر الدینؒ نے بچپن ہی میں اپنے والد ماجد شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے دست مبارک پر بیعت کرلی تھی، شاہ نظام الدین اورنگ آبادی نے اپنی وفات سے کچھ وقت پیشتر آپ کو خلافت عطا فرمائی[۱]

والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کچھ عرصہ شاہی فوج کے ساتھ رہے۔ پھر کچھ وقت اورنگ آباد میں رہے۔ اس کے بعد دہلی چلے گئے[۲] اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ بہت جلد آپ کی شہرت ہوگئی اور طالبان علم و طالبان خدا جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ انہی ایام میں آپ نے پاک پٹن شریف کا سفر اختیار کیا۔ جس میں خواجہ نور محمد مہاروی آپ کے ہمراہ تھے[۳]۔ پاک پٹن شریف سے واپسی پر آپ دہلی میں اجمیری دروازہ کے مدرسہ[۴] میں منتقل ہوگئے اور آخر عمر تک درس و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مشغول رہے۔

آپ جامع الصحیح للبخاری اور جامع الصحیح للمسلم کا درس بڑے اہتمام سے دیتے تھے[۵]۔ اس لیے دور دور سے لوگ تحصیل علم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے متعلقین کو اتباع شریعت و سنت کی تلقین کرتے۔ مؤلف مناقب فخریہ لکھتا ہے:-

"در امور جزوی و کلی اتباع سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام و بہ بندگان نیز دریں امر تاکید اکید فرمودند"[۶]

آپ کے علم و فضل، اعلیٰ اخلاق اور روحانی کمالات کی وجہ سے دہلی کے بیشتر عوام و خواص آپ کے حلقۂ بگوش اور گرویدہ ہوگئے۔ سر سید احمد خان مرحوم لکھتے ہیں:-

"جتنے امراء ذوالاقتدار اور سلطانِ عہد تھے آپ کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ ہی کی

---

[۱] فخر الطالبین ص ۵۸ و تکملہ سیر الاولیا ص ۱۰۶ [۲،۳] تکملہ سیر الاولیا ص ۱۰۹

[۴] یہ مدرسہ امیر غازی الدین خان فیروز جنگ کا بنوایا ہوا تھا۔

(ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۲۷، ۲۸)

[۵] فخر الطالبین ص ۱۵، ۱۶ [۶] مناقب فخریہ ص ۴۰

خاکِ در کو وسیلۂ آبرو اور آپ ہی کے غبارِ آستان کو تاجِ عزت و افتخار سمجھتے تھے[1]"

اسی طرح مولوی احمد علی مؤلف "قصر عارفان" لکھتے ہیں :-

" اہلِ ظاہر و اہلِ باطن را چنداں فیضان و برکات و آں قدر بر و حسنات از ذاتِ والا صفات حضرت وی بحصول انجامید کہ در اوقاتِ دیگر نبودہ باشد، او صاحبِ شگرف و اطوارِ نادر و مشربِ عالی و طریق بدیع ورزیدہ بود۔ ہر چند اکثری سترِ احوال خود در حجابِ اربابِ ظاہر کردی الاشہرت کمالات و حالاتِ وی از قاف تا قاف حسبِ ندای غیب گردید۔ ہر درباری و ہر بازاری از حال سعید و شیوہ ستودہ وی اطلاعی داشت[2]"

علم شریعت اور طریقت حاصل کرنے والوں کو اس قدر فیضان و برکات اور بر و حسنات حضرت مولانا صاحبؒ سے حاصل ہوئیں کہ کسی دوسرے دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت مولانا طور نادر، طریقہ عمدہ، مشرب عالی اور انداز عجیب رکھتے تھے۔ ہر چند کہ اپنے احوال کو طریقۂ اربابِ ظاہر کے پردہ میں چھپاتے تھے۔ پھر بھی آپ کے حالات و کمالات کی شہرت حسبِ ندای غیب چہار دانگ عالم میں تھی، ہر بازار اور ہر مجلس میں آپ کے حالِ سعید اور ستودہ صفات کا ذکر لوگوں کی زبانوں پر تھا۔

روابط با مشایخ معاصر

دہلی کے علماء کبار میں سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی[3] (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء)

---

[1] آثار الصنادید ص ۳۲ [2] قصر عارفان (قلمی) برگ ۷۷ ب

[3] سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے بڑے صاحبزادے تھے ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی۔ سولہ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، پھر والد کے خلفا شیخ نور اللہ بڈھانوی، شیخ محمد امین کشمیری اور شیخ محمد عاشق پھلتی سے علوم کی تکمیل کی اور والد ماجد کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ آپ کے زمانہ میں برعظیم پاک و ہند میں آپ کے پایہ کا کوئی دوسرا عالم نہ تھا۔ آپ سے آپ کے بھائیوں، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی نے علمی فیض حاصل کیا۔ مجاہد کبیر سید احمد شہیدؒ آپ ہی کے خلیفہ تھے۔ اور آپ کے بھتیجے شاہ محمد اسماعیل شہید (دیکھئے حاشیہ باب پنجم حصہ دوم) اور آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاق علمی دنیا میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ آپ اسی سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء میں فوت ہوئے آپ کی تصانیف میں تفسیر فتح العزیز، فتاویٰ عزیزیہ، تحفہ اثنا عشریہ، بستان المحدثین مشہور ہیں۔ (مقدمہ انوار الباری شرح صحیح البخاری - جلد اول - ص ۲۰۶)

آپ کے بڑے قدرداں تھے۔ اور آپ سے بڑے احترام سے پیش آتے تھے۔ حضرت مولانا کو بھی شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے بھائیوں سے بڑی محبت تھی۔

سلاطین میں سے شاہ عالم (۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء - ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء) آپ کا مرید تھا اور آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ بہادر شاہ ظفر (۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء - ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء) نے بھی آپ سے شرفِ بیعت حاصل کیا تھا۔ خود کہتا ہے:

مرشد پاک رواں فخر الدین ‏ قبلہ و کعبۂ جاں فخر الدین

میں گدا ہوں تیرے دروازہ کا ‏ جاؤں اس در سے کہاں فخر الدین

رکھ ظفر ہر نفس و ہر ساعت ‏ شغل دل وردِ زباں فخر الدین[۱]

حضرت خواجہ فخر الدین کی وفات کے بعد بہادر شاہ ظفر نے آپ کے صاحبزادہ خواجہ قطب الدین سے بیعت کی[۲]

وفات

حضرت خواجہ فخر الدین کی وفات ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء میں ہوئی۔ وصال سے ایک روز قبل مثنوی کا یہ شعر زبان پر تھا ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم ‏ چشم بگذارم سراسر جاں شوم[۴]

مزار مبارک دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کے مزار کے قریب ہے[۵]۔

مقبول الٰہی نے حسب ذیل تاریخ وفات کہی جو کہ لوح مزار پر کندہ ہے:

بگذاشت فخر دین چوں مہمان سرائے فانی ‏ بر آستانہ جاوداں قطب جاودانی

سالِ وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم ‏ تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی[۶]
۱۱۹۹ء

خواجہ نور محمد مہاروی نے آپ کی وفات کے بعد فرمایا:

ذات شریف حضرت مولانا چہ کمال بود ‏ حضرت مولانا کی ذات شریف کیسی باکمال

نحویکہ در دہلی آمد ہماں طور پاک صاف ‏ تھی کہ جس حال میں دہلی آئے اسی طرح پاک و

۱۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۵۰۷ شجرۃ الانوار (قلمی) ۳۔۴ بزم تیمور۔ ص ۲۳۸، ۲۴۰

۲۔ ایضاً ص ۵۱۳ ۵۔ تکملہ سیر الاولیا ص ۱۷۱

۶۔ آثار الصنادید ص ۱۸۷

از دنیا رفتند و از کسی یافتنی و نہ باکسی دادنی داشتند، نزاع ہیچ کس از پس نگذاشتند"[1]	صاف زندگی کے ساتھ دنیا سے چلے گئے نہ کسی کو کچھ دینا تھا نہ کسی سے کچھ لینا تھا۔ اپنے پیچھے کسی قسم کا کوئی خرخشہ چھوڑ کر نہیں گئے۔

ایک اور موقع پر آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"سبحان اللہ بحر علوم بودند"[2] سبحان اللہ علم کا سمندر تھے۔

آپ کے صرف ایک صاحبزادے تھے خواجہ غلام قطب الدین، جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔ ان کا وصال محرم ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں ہوا اور ان کے لڑکے خواجہ نصیر الدین عرف کالے صاحب (م ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء) جانشین ہوئے[3]۔

ان کے بعد غلام نظام الدین صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد غلام معین الدین صاحب۔ ان کے بعد کالے صاحب کے نواسے میاں عبد الصمد جانشین ہوئے۔

خلفا آپ کے خلفا میں سے خواجہ نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) شاہ نیاز احمد بریلوی م (۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء)۔

سید عماد الدین میر محمدی (م ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) مولانا جمال الدین رامپوری (م ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) سید بدیع الدین (م ۱۲۰۸ھ) اور مولانا حاجی لعل محمد (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) مولانا ضیاء الدین اور مولانا جمال الدین مشہور ہیں[4]۔

سید عماد الدین میر محمدی کو خواجہ صاحب نے خلافت دے کر شاہی خاندان کی تربیت کے لیے مقرر فرمایا۔ قلعہ معلیٰ کے تمام شہزادے ان کے مرید تھے۔

تصانیف حضرت خواجہ فخر الدین نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

۱- نظام العقائد ۲- رسالہ مرجیہ ۳- فخر الحسن[5]

"فخر الحسن" کی شرح مولانا احسن الزمان حیدر آبادی (خلیفہ حاجی نجم الدین) نے قول المستحن

[1،2] مناقب المحبوبین ص ۹۱، ۸۱ [3] تذکرہ اولیائے ہند جلد دوم ص ۱۳۲

[4] تکملہ سیر الاولیا ص ۱۲۰ و مناقب المحبوبین ص ۵۳ [5] آثار الصنادید ص ۳۳

فی شرح فخر الحسن کے نام سے عربی میں لکھی۔[1] آپ کے حالات و ملفوظات سید نور الدین حسین فخری نے "فخر الطالبین" کے نام سے اور نظام الملک[2] نے "مناقب فخریہ" کے نام سے اور رحیم بخش فخری نے "شجرۃ الانوار" کے نام سے جمع کیے۔

---

[1] ۔ تاریخ مشائخ چشت ۔ص ۶۸۳

[2] نظام الملک نے حضرت خواجہ فخر الدین کے مناقب میں ایک طویل مثنوی کہی جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

سراپا حسن در عالم یگانہ ۔۔۔ ندیدہ مثلِ او چشم زمانہ

بہ صورت آفتاب عالم افروز ۔۔۔ ملک از وی بہ سیرت بہرہ اندوز

درو جمع اند اوصاف حمیدہ ۔۔۔ بروشد ختم اخلاق گزیدہ

ببے رنگی عجب رنگین مزاجے ۔۔۔ بہ بے پروائی الفت امتزاجے

رخش آئینۂ انوار قدسی ۔۔۔ دلش گنجینۂ اسرار قدسی

(تکملہ سیر الاولیا ص ۱۰۴)

شاہ نیاز احمد بریلویؒ

شاہ نیاز احمد بریلویؒ، خواجہ فخر الدین دہلوی کے ممتاز خلفا میں سے تھے۔ بریلی میں ان کی عظیم الشان خانقاہ تھی اور آپ کے خلفا نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کابل، سمرقند، قندہار، بدخشاں وغیرہ میں خانقاہیں قائم کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کو ہندوستان میں جو کچھ فروغ ہوا وہ خواجہ فخر الدین کے دو خلفا شاہ نیاز احمد بریلویؒ اور خواجہ نور محمد مہارویؒ کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

نام و نسب و تعلیم و تربیت

شاہ نیاز احمدؒ ۱۱۴۲ھ میں بمقام سرہند پیدا ہوئے۔ والد ماجد حکیم شاہ رحمت صاحب کا سایہ بچپن میں ہی سر سے اٹھ گیا، والدہ نے پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم سرہند میں حاصل کر کے دہلی آ گئے۔ اور خواجہ فخر الدین کی خدمت میں علومِ معقول و منقول، فروع و اصول اور حدیث و تفسیر کی تکمیل کی۔[1]

خلافت

تکمیلِ علوم کے بعد آپ نے انیس سال کی عمر میں خواجہ فخر الدین صاحب کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں خواجہ صاحب نے خلافت عطا فرما کر بریلی میں قیام کا حکم دیا۔[2]

بہت جلد آپ کا شہرہ ہو گیا اور بریلی میں ان کی خانقاہ ہزاروں عقیدتمندوں کا مرکز بن گئی۔ مولانا غلام سرور لکھتے ہیں:-

"خلق بے شمار بحلقۂ ارادتِ وی آمد و مردمان از اقالیم دور و دراز یعنی از کابل و قندہار و شیراز و بدخشاں بخدمتِ بابرکت وی حاضر آمدہ مستفید و مستفیض شدند"[3]	بے شمار مخلوق ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھی اور لوگ دور دراز ملکوں سے یعنی کابل قندہار، شیراز اور بدخشاں سے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض اٹھاتے اور فائدہ حاصل کرتے تھے

---

[1]، [2] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۵۶۲/ ۵۶۳۔ [3] خزینۃ الاصفیا جلد اول

درس و تدریس و شاعری شاہ نیاز احمدؒ نے اپنی خانقاہ کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ جہاں خود بھی درس دیتے تھے اور دوسرے علما بھی پڑھاتے تھے۔ آپ ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ شاعری میں مصحفی آپ کے شاگرد تھے[۱]

شاہ نیاز احمدؒ کی شاعری کا اصل موضوع وحدت وجود ہے۔ اور عشق حقیقی اُنکے ہر شعر سے عیاں ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؂

جو نہی آمد آمد عشق کا مجھے دل نے مژدہ سنا دیا — خرد و ہوش و شکیب نے وہیں کوس کوچ بجا دیا

جبھی جا کے مکتب عشق میں سبق مقام فنا لیا — جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا[۲]

تصانیف شاہ نیاز احمد جید عالم تھے۔ ان کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں

۱۔ شمس العین ۲۔ رسالہ راز و نیاز ۳۔ رسالہ تسمیہ المراتب

۴۔ مجموعہ قصائد عربیہ ۵۔ شرح قصائد عربیہ ۶۔ حاشیہ شرح چغمنی[۳]

وفات شاہ نیاز احمد ۶ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ کو بریلی میں فوت ہوئے۔

جانشین و خلفا شاہ صاحب کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ تاج الاولیا شاہ نظام الدین سجادہ نشین ہوئے۔

ان کے خلفا میں سے مولانا عبدالسلام نیازی دہلوی اور مولانا عبدالرحمٰن بچھرالیونی بڑے فاضل بزرگ تھے۔ شاہ نظام الدین کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ محی الدین سجادہ نشین ہوئے ان کی وفات کے بعد عزیز میاں متخلص بہ راز جانشین ہوئے[۴]

شاہ نیاز احمد کے دوسرے صاحبزادے شاہ نصیر الدین ، بدایوں چلے گئے وہیں لاولد وصال فرمایا۔ شاہ صاحب کے دوسرے خلفا کی ایک طویل فہرست تاریخ مشائخ چشت میں دی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خلفا ہندوستان سے باہر بھی اطراف عالم میں پھیلے ہوئے تھے۔

---

۱ ریاض الفصحا ص ۲۲۹ ۲،۳،۴ تاریخ مشائخ چشت ص ۵۶۹ ؛ ۵۷۱ ، ۵۷۳

مسکین شاہ

شاہ نیاز احمد کے ایک مشہور خلیفہ مسکین شاہ صاحب تھے۔ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ پہلے قادریہ سلسلہ میں گنگال شاہ کے مرید ہوئے پھر نقشبندیہ سلسلہ میں شاہ غلام علی صاحب دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مسئلہ وحدت وجود پر اطمینان چاہتے تھے اس لیے شاہ نیاز احمد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان ہی کے ہو رہے۔ شاہ صاحب نے ان کو جے پور روانہ کیا وہیں خانقاہ قائم کی اور ۲۸ جمادی الاول ۱۲۷۵ھ میں انتقال کیا۔ ان کے خلفا میں سے شاہ ولی محمد سیکری۔ محبوب علی فتح پوری، فیض اللہ شاہ کرنالی مولانا سکندر علی الہ آبادی۔ مولانا صادق علی شاہ جے پوری مشہور ہیں۔[1]

---

[1] تاریخ مشایخ چشتیہ ص ۵۷۴

حضرت خواجہ نور محمدؐ مہارویؒ

خواجہ نور محمد مہارویؒ، خواجہ فخر الدین دہلویؒ کے جلیل القدر خلیفہ تھے، جنہوں نے سابق مغربی پاکستان میں سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت کی۔ اس سلسلہ کے بزرگوں کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کے بعد دوبارہ پنجاب میں اتنے وسیع پیمانہ پر سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت و ترویج خواجہ نور محمد مہاروی کے علاوہ کسی اور بزرگ نے نہیں کی۔

نام و نسب

خواجہ نور محمد مہارویؒ کا خاندانی نام بہبل ہے، حضرت خواجہ فخر الدینؒ نے آپ کا نام نور محمد سے بدل دیا۔[1] آپ کے والد کا نام ہندال اور قوم کھرل ہے۔ جو کہ پنجاب کی مشہور قوم ہے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری لکھتے ہیں:-

"قوم آنحضرت عاشقان اند باوفا، وجوان مردان اند ذی سخاو نیک پروران اند پُر حیا یعنی کھرل کہ عاشق صادق مرزا نیز ازیں قوم برخواستہ"[2]

حضرت ایسی قوم سے ہیں جس کے افراد عاشقانِ باوفا، جوانمردانِ اہل سخا، نیک فرزانِ پُر حیا ہیں۔ یعنی قوم کھرل، کہ مرزا نامی عاشقِ صادق اسی قوم میں سے تھا۔

خواجہ نور محمد مہارویؒ ۱۴ رمضان المبارک ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء کو موضع چوٹالہ (بہاولپور) میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا خاندان چوٹالہ سے قصبہ مہار آگیا۔[3]

تعلیم

خواجہ نور محمد صاحبؒ نے قرآن مجید کی تعلیم حافظ محمد مسعود سے حاصل کی عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم موضع ببلانہ (مضافات پاک پٹن) میں شیخ احمد سے حاصل کی۔ پھر ڈیرہ غازی خاں گئے، کچھ عرصہ کے بعد لاہور پہنچے لیکن علم کی پیاس نہ بجھ سکی۔ آخر دہلی کا رخ کیا اور نواب غازی الدین خاں کے مدرسہ میں مولوی حافظ برخوردار

۱۔ مناقب المحبوبین۔ ۱۳۱۲ھ ص ۵۴ — ۲۔ تکملہ سیر الاولیاء۔ ۱۳۱۲، ص ۱۲۱

۳۔ مناقب المحبوبین۔ ۱۳۱۲ھ ص ۵۴ — ۴۔ مناقب المحبوبین۔ ۱۳۱۲ھ ص ۵۷

کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔[1] خود فرماتے تھے۔

"من بخدمت بزرگے ساکن دہلی مولوی صاحب برخوردار جی درہمیں مدرسہ کہ حالا حضرت مولانا (خواجہ فخر الدین) نیز دران مدرسہ استقامت می داشتند کتاب قطبی می خواندم"[2]

۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء میں خواجہ فخر الدین اورنگ آباد سے دہلی تشریف لائے اور سلسلۂ تدریس شروع کیا تو خواجہ نور محمد رح نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم دین کی تکمیل کی اور اجازت و سند حدیث حاصل کی۔[3]

بیعت و خلافت

اسی عرصہ میں خواجہ نور محمد رح نے خواجہ فخر الدین رح کے دست مبارک پر بیعت کی اور منازل سلوک طے کیں تھوڑے عرصہ بعد خواجہ صاحب نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور مہار شریف میں قیام کا حکم دیا۔[4] آپ نے تعمیل کی اور مہار شریف چلے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد خواجہ فخر الدین اکثر یہ دوہا پڑھا کرتے :۔

تن مٹکے من چھیر نا سُرت ملوؤں ہار کھن لے گیا پنجابی چھاچھ پیو سنسار[5]

قیام مہار شریف

حصول خرقۂ خلافت کے بعد ایک عرصہ تک خواجہ نور محمد رح کا یہ معمول رہا کہ کچھ وقت مہار شریف میں گزارتے اور کچھ وقت دہلی میں حضرت خواجہ فخر الدین رح کی خدمت میں بسر کرتے۔ خواجہ فخر الدین رح بھی آپ پر بڑی شفقت و مہربانی فرماتے اور کہا کرتے تھے کہ "اگر یہ پنجابی میرے پاس نہ آتا تو میں دل میں ارمان لے کر دنیا سے جاتا۔"[6]

آپ کا اخلاق بلند اور طریقہ دلپسند تھا، خواجہ گل محمد احمد پوری لکھتے ہیں :۔

۱۔ مناقب المحبوبین ۔ ۱۳۱۲ھ ص ۸۵ ۲۔ مناقب المحبوبین ۔ ۱۳۱۲ھ ۔ ص ۸۵

۳۔ تکملہ سیر الاولیا ۱۳۱۲ھ ص ۱۴۰ ۴۔ ایضاً

۵۔ مناقب المحبوبین ۔ ۱۳۱۲ھ ص ۷۷ ۶۔ مناقب المحبوبین ۔ ۱۳۱۲ھ ۔ ص ۶۰ ۔ ۶۱

آنحضرت (خواجہ نور محمد مہاروی) کریم الاخلاق، دلربا، جاذب، باہیبت (بودند)	خواجہ نور محمد مہاروی بلند اخلاق، محبوبِ خلائق، پرکشش اور بارعب تھے۔
تنہائی اندک می فرمودند و اکثر در عالم محفل آرائی بودند و از ہر قسم آدم کہ می آمد اختلاط مناسب وضع آں می فرمودند۔" ۱	زیادہ خلوت پسند نہیں تھے بلکہ اکثر اوقات مجلس میں تشریف فرما رہتے تھے اور ہر آنے والے سے اس کے مناسب حال، برتاؤ کرتے تھے۔

چنانچہ آپ کی طرف رجوعِ عام شروع ہوا، اور امراء، علماء اور فقراء گروہ در گروہ آپ کی خدمت حاضر ہو کر اکتساب فیض کرنے لگے۔ حسین بخش فخری لکھتے ہیں۔

"ہر گاہیکہ میاں نور محمد در آں جا رفتہ سکونت ورزید مردمان آں نواحی از خاص و عام، ہزار در ہزار از میاں نور محمد تولا نمودند و مرید شدند و اکثر از آنہا خلافت حاصل نمودہ فیض رسانِ خاص و عام گشتند۔" ۲	جس وقت خواجہ نور محمد وہاں (مہار شریف) جا کر مقیم ہوئے، اس علاقہ کے خاص و عوام، ہزاروں کی تعداد میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور ان میں سے بہت سے خلافت حاصل کر کے لوگوں کو فیض پہنچانے لگے۔

خواجہ نور محمد مہاروی اتباعِ شریعت کی تلقین خاص طور پہ فرمایا کرتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں:-

قالب را موافق شریعت باید کرد و انضمام قلب باتباع شریعت است و عوام را (ا) پرسش ازیں خواہد بود"۳	ظاہر کو احکام شریعت سے آراستہ کرنا چاہیئے اور قلب کی درستی بھی اتباعِ شریعت سے ہوتی ہے اور عوام سے

۱۔ تکملہ سیر الاولیا۔ ۱۳۱۲ھ صـ ۱۲۲۔
۲۔ تاریخ مشائخ چشت۔ ۱۹۵۲ء، صـ ۵۴۹ بحوالہ شجرۃ الانوار۔
۳۔ مناقب المحبوبین۔ ۱۳۱۲ھ صـ ۹۴۔

اسی (شریعت) کے بارے میں پوچھا
جائے گا۔

بدعات سے اجتناب کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا :۔

"ہر چیزے کہ مروی از جناب رسالت مآب صلعم نباشد بغیر ضرورت چگونہ بہ کار بردہ شود"۔ ا

جو چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہ ہو بغیر ضرورت اور (بغیر دلیل شرعی کے) کس طرح اپنائی جائے۔

معاصرین کی نظر میں

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رح کے معاصر بزرگ آپ آپ کو بڑی عظمت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے

نورالدین حسین مصنف فخر الطالبین آپ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"افتخار درویشاں، مرہم دل ریشاں، سرآمد اتقیا، جامع علوم حیا، صفائی چہرہ محبوبان، کہربائی دلِ معشوقان، مسند نشین مسکنت و دانائی سر حلقہ دردمندان الٰہی"۔ ۲

امراء میں سے نواب بہادل خان ثانی (۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء - ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء) نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

نواب نظام الملک غازی الدین خان، خواجہ فخر الدین دہلوی رح کے مرید تھے، لیکن آخر عمر میں مہار شریف آکر خواجہ نور محمد مہاروی رح کی خدمت میں اقامت گزین ہو گئے تھے ۳۔ انہوں نے خواجہ نور محمد مہاروی رح کے مناقب میں ایک طویل مثنوی لکھی، جس کے چند اشعار یہ ہیں :۔

کارش از فخر دین گرامی شد ۔۔۔ وارث نسبت نظامی شد
شیخ در حق او چنین فرمود ۔۔۔ کین زما ہر چہ بودہ است ربود
ہم بگفتا گزین جہاں آرا ۔۔۔ شدہ امید مغفرت مارا

۱۔ تکملہ سیر الاولیاء، ۱۳۱۲ھ، ص ۱۲۶ ۔۔۔ ۲۔ فخر الطالبین، ۱۳۱۵ھ، ص ۱۵
۳۔ مناقب المحبوبین، ۱۳۱۲ھ، ص ۷۸۔

ہست امروز او مرادِ جہان　　مرجع خاص و عام، شیخ زمان۔ ۱

وفات

خواجہ فخر الدین کی وفات ۱۱۹۹ھ/۸۴-۱۷۸۴ء پر آپ اتنے متاثر ہوئے کہ تا دم آخر کبھی طبیعت خوش نہ ہوئی۔ آپ اسی صدمے سے گھلنے لگے اور وصال سے ایک سال قبل اعزہ و اقربا سے بے تعلقی اختیار کرلی، خاموشی کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا :-

کلام من تفسیر و حدیث است　　میری گفتگو تفسیر و حدیث سے
بکدام گفتہ شود و کہ می فہمد" ۲　　متعلق ہے، کس سے کہا جائے
　　اور کون سمجھتا ہے۔؟

آخر ۲/ ذی الحج ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ تاریخ وفات یہ ہے :-

" حیف وا ویلا جہان بے نور گشت "۳۔　　۱۲۰۵ھ

آپ کی مہر مبارک کا سجع یہ تھا ؎

" ز نورِ محمد جہان روشن است" ۴

اولاد

آپ کے تین صاحبزادے تھے (۱) شیخ نور الصمد (۲) شیخ نور احمد (۳) شیخ نور الحسن۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ نور الصمد آپ کے جانشین ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے شیخ نور احمد سجادۂ مشیخت پر بیٹھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمود سجادہ نشین ہوئے آپ کے بعد خواجہ نور بخش، ان کے بعد خواجہ نور جہانیاں اور خواجہ محمد یوسف جانشین ہوئے اور ان کے بعد میاں محمود بخش جانشین ہوئے۔

۱۔ مناقب المحبوبین، ۱۳۱۲ھ ص ۷۷ و تاریخ مشائخ چشت، ۱۹۵۳ء، ص ۵۶۰
۲۔ مناقب المحبوبین ص ۹۰　　۳۔ مناقب المحبوبین، ص ۹۱
۴　　"　　"　　۱۳۱۲ھ، ص ۹۱

خلفا خواجہ نور محمد مہارویؒ کے مریدین اور خلفا بکثرت تھے۔ حاجی نجم الدین لکھتے ہیں :-

چنداں فیض ازیں جناب در ملک پنجاب و سند وغیرہ انتشار یافت کہ در ہر قریہ و شہر و بلدہ درویشان غلامانِ آن حضرت و غلامانِ غلام آنحضرت صاحب ذوق و وجد و سماع و صاحب خانقاہ موجود اند و جوق جوق گروہ علماء آمدہ ربقۂ اطاعت و غلامی آنجناب بہ اعتقاد تمام در گردنِ خود انداختہ داخل سلسلۂ چشتیہ نظامیہ شدند و بہ درجۂ خلافت و رتبۂ تکمیل رسیدہ خلق اللہ را فیض رسانیدند و از فیض آن آفتابِ جہان تاب ہزارہا ذرہ مثل شمس نمایاں شدند و کسی را انکار سماع و وجد نماند و بعد از فوت شدن آنحضرت از خلفا ایشان چنان فیض جاری شد کہ از کم کسی ولی جاری شدہ باشد کہ در ہر شہر و بلدہ اکثر صاحبانِ خانقاہ از غلامانِ غلام آنحضرت موجود اند، چنانچہ از بلدہ مہار شریف تا کوٹ

آنجناب سے اس قدر فیض جاری ہوا کہ پنجاب اور سندھ کے ہر قصبہ، ہر شہر و دیہات میں آنجناب کے خلفا کے مریدین اور خلفا کے خلفا کے مریدین، جو کہ صاحبانِ ذوق و وجد و سماع اور اہلِ خانقاہ ہیں موجود ہیں۔ اور علماء کے گروہ کے گروہ حاضر ہو کر بڑے اعتقاد کے ساتھ حلقۂ اطاعت گلے میں ڈال کر سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں داخل ہوئے اور درجۂ خلافت و تکمیل کو پہنچ کر فیض رسانی خلق میں مصروف ہوئے۔ اور اُس آفتابِ جہان تاب کے فیض سے ہزاروں ذرّے آفتاب بن کر چمکے اور کسی کو سماع اہلِ دل اور وجد اہلِ حال سے انکار نہ رہا۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء سے اس قدر فیض جاری ہوا کہ کسی دوسرے بزرگ سے کم ہی جاری ہوا ہو گا کہ ہر شہر اور ہر قصبہ میں اکثر صاحبانِ خانقاہ موجود

مٹھن و ملتان و سنگھڑ و حاجی پور و مکھڈ و کلاچی و خراسان و لکھنؤ و در ہر چہار سمت غلامانِ آں قبلہ مشہور و موجود اند" ۔ ۱

ہیں۔ جو کہ آنجناب کے خلفا کے خلفا ہیں۔ چنانچہ مہار شریف سے لے کر کوٹ مٹھن و ملتان و سنگھڑ (تونسہ) و حاجی پور و مکھڈ و کلاچی و خراسان و لکھنؤ تک چاروں طرف قبلۂ عالم کے خلفا اور خلفا کے خلفا مشہور اور موجود ہیں۔

آپ کے خلفا میں سے شیخ نور محمد نارووالہ (م ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء) حافظ محمد جمال ملتانی (م ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء) قاضی محمد عاقل (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء) اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی (م ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء) مشہور ہیں۔ ۲

آپ کے خلفا کی ایک طویل فہرست مناقب المحبوبین میں دی گئی ہے۔

ملفوظات

آپ کے ملفوظات مولوی محمد عمر شید پوری نے "خلاصۃ الفوائد" کے نام سے مرتب کئے ہیں۔ ۳

۱۔ مناقب المحبوبین۔ ۱۳۱۲ھ، ص ۱۰۴

۲۔ ایضاً " ص ۱۰۴

۳۔ ایضاً " ص ۸۶

حضرت خواجہ قاضی محمدؒ عاقلؒ

قبل اس کے کہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا حال بیان کیا جائے ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر خواجہ نور محمد مہارویؒ کے دو اور خاص خلفا کا حال بیان کیا جائے جنہوں نے پنجاب کے کونے کونے میں سلسلہ چشتیہ کی خانقاہیں قائم کرائیں اور اس طرح اسلام کی اور تصوف اسلام کی اشاعت کی ۔ یعنی خواجہ محمد عاقلؒ اور حافظ محمد جمال ملتانیؒ قاضی محمد عاقلؒ، خواجہ نور محمد مہارویؒ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے ۔ چاچڑاں ۔ کوٹ مٹھن اور احمد پور وغیرہ مقامات کی خانقاہیں آپ نے اور آپ کے خلفا نے قائم کیں ۔

نسب و خاندان

خواجہ قاضی محمد عاقلؒ نسباً فاروقی ہیں ۔ اور ان کے بزرگوں کا خاندانی لقب "کوریجہ" ہے ۔ ان کے ایک بزرگ حضرت محبوب اللہ الصمد مخدوم نور محمدؒ تھے ۔ ارادت خان وزیر شاہجہان ان کا مرید تھا اور شاہجہان نے ان کو پانچ ہزار بیگہ اراضی اخراجات کے لیے دی تھی ۔ شاہجہان کے بعد اورنگ زیب عالمگیر اور شاہان مابعد نے بھی اس خاندان کے بزرگوں کو جاگیریں عطا کیں ۔ قاضی صاحب کا شجرہ نسب یہ ہے ۔ قاضی محمد عاقل بن مخدوم محمد شریف بن مخدوم محمد یعقوب بن مخدوم نور محمد کوریجہ ۔ آخر میں یہ شجرہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے ۔ ۱

قاضی محمد عاقل کوٹ مٹھن میں پیدا ہوئے ۔ کوٹ مٹھن، ان کے والد مخدوم محمد شریف کے ایک مخلص مرید مٹھن خان بلوچ نے آباد کیا تھا ۔ قاضی صاحب نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا پھر اپنے والد ماجد مخدوم محمد شریفؒ سے جو کہ "یکتائے زمان" اور "محدث دوران" تھے دینی علوم کی تکمیل کی ۔ کیونکہ علم و تقویٰ اس خاندان میں کئی پشتوں سے

---

۱ ۔ مناقب فریدی صـ ۴۸ و مناقب المحبوبین صـ ۱۱۹ و تکملہ سیر الاولیا ص ۱۳۸

وارثاً چلا آرہا تھا۔

تعلیم

قاضی صاحب نے اپنے والد کے علاوہ خواجہ فخر الدین دہلویؒ اور خواجہ نور محمد مہارویؒ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ حدیث کی سند خواجہ نور محمد مہارویؒ سے لی۔ سلسلۂ حدیث اس طرح ہے :۔ شیخ محمد عاقل عن شیخ نور محمد مہارویؒ عن شیخ فخر الدین دہلوی عن شیخ نظام الدین الفوری ثم اورنگ آبادی عن شیخ حافظ اسعد الانصاری المکیؒ ثم اورنگ آبادی عن شیخ محمد طاہر عن شیخ محمد ابراہیم کردیؒ۔[1]

بیعت و خلافت

قاضی صاحب نے تحصیل علم کے بعد اپنے بھائی نور محمد کے ہمراہ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور سخت قسم کی ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی آواز بہت بلند تھی۔ ذکر جہر کے وقت میلوں تک آپ کی آواز سنائی دیتی تھی۔

آپ اپنے مرشد خواجہ نور محمدؒ کے ہمراہ خواجہ فخر الدین دہلویؒ کی خدمت میں دو مرتبہ دہلی حاضر ہوئے اور خواجہ فخر الدین کی خدمت میں تصوف کی کتابوں کا درس لیا دوسری بار جب وہ مولانا خواجہ فخر الدینؒ سے رخصت ہوئے تو انہوں نے چار کتابیں بھی عنایت فرمائیں :۔

(۱) مکتوبات شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ۔ اس پر مولانا کے ہاتھ کا حاشیہ بھی لکھا ہوا تھا (۲) کتاب مطول (۳) سواء السبیل (۴) ایک مجموعہ جس میں لوائح جامی و شرح رباعیات جامی وغیرہ تھیں۔[2] کچھ عرصہ کے بعد خواجہ نور محمدؒ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی

سلسلۂ درس و تدریس

آپ نے کوٹ مٹھن میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ایک دار العلوم قائم کیا جس میں اعلیٰ دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ فقہ، تصوف اور حدیث کی کتابیں آپ خود پڑھاتے تھے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری لکھتے ہیں :۔

۱۔ تکملہ سیر الاولیا، ص ۱۷۹، ص ۱۸۰ ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۱۲۱ و مناقب فریدی ص ۵۸

در عصر خود شرقاً غرباً مماثل آنحضرت	شرق و غرب میں ان کی مثل اُس
در علمِ ظاہری ہم کسے نبود۔ ۱	زمانہ میں علم ظاہری میں کوئی نہ تھا۔

بڑے بڑے عالم اس مدرسہ میں درس دیتے تھے۔ مدرسہ کے ساتھ ایک بڑا لنگر خانہ تھا جہاں سے علماء اور طلباء کو دونوں وقت کھانا ملتا تھا۔

بعد میں جب آپ کوٹ مٹھن سے موضع شدانی میں منتقل ہو گئے تو وہاں بھی ایک بڑا مدرسہ قائم کیا اور طلباء واساتذہ کے لیے لنگر خانہ سے سہولتیں بہم پہنچائیں۔ ۲

شہرت و مقبولیت

بہت جلد اطراف واکنافِ ملک میں آپ کی شہرت ہو گئی اور عوام وخواص آپ کی خدمت میں عقیدتمندانہ حاضر ہونے لگے۔ ابتداً کچھ تنگی رہی لیکن آخری دور کے بارے میں خواجہ گل محمد لکھتے ہیں :-

درآن وقت نہ واردین راتعداد	اس وقت نہ آنے والوں کا شمار
بود نہ طعام رااندازہ، یکے دربار	تھا نہ کھانے کا اندازہ۔ ایک شاہی
شاہنشہی بود۔ ۳	دربار تھا جو چلتا رہتا تھا۔

اتباعِ سنت

خواجہ قاضی محمد عاقلؒ، اتباع سنت کا خاص خیال رکھتے تھے، ان کا ہر عمل اور قول وفعل کتاب وسنت کے مطابق ہوتا تھا۔ وصال سے پیشتر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں :-

"تو مارا بسیار خوش کردی کہ ہمگیں	تو نے ہمیں بہت خوش کیا ہے
سنتہائے مارا زندہ کردی۔ ۴	کیونکہ تم نے ہماری تمام سنتیں
	زندہ کر دی ہیں۔

۱۔ تکملہ سیر الاولیا ص ۱۳۹ ۔۔۔ ۲۔ تکملہ سیر الاولیا ص ۱۴۰
۳۔ تکملہ سیر الاولیا ص ۱۴۹+ ۔۔۔ ۴۔ مناقب المحبوبین ص ۱۲۳

شاہانِ وقت کی عقیدت

اکبر شاہ ثانی نے شاہزادہ جہاں خسرو اور کاؤس شکوہ کو قاضی محمد عاقلؒ کا مرید کرایا بہادر شاہ ظفر کو بھی آپ سے عقیدت تھی۔[1]

وفات

آپ ۸ رجب ۱۲۲۹ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کو شدانی سے کوٹ مٹھن لاکر سپرد خاک کیا گیا۔ متعدد شعراء نے تاریخ ہائے وفات لکھی[2]

جانشین

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ قاضی احمد علیؒ جانشین ہوئے انہوں نے ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ کو وصال فرمایا۔ کوٹ مٹھن میں سپرد خاک کیے گئے۔ قاضی احمد علی کے دو صاحبزادے تھے۔ (۱) میاں خدا بخش اور (۲) خواجہ تاج محمود۔ دونوں سے الگ الگ سلسلہ چلا۔

قاضی احمد علی صاحب کے جانشین خواجہ خدا بخش ہوئے۔ کچھ دن کوٹ مٹھن میں رہے۔ بعد ازاں چاچڑاں میں منتقل ہو گئے اور وہاں ایک عظیم الشان خانقاہ قائم کی جس کے ساتھ مدرسہ اور لنگر خانہ بھی قائم کیا۔ آپ بڑے مرجع خلائق بزرگ تھے۔ آپ کا انتقال ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ کو ہوا۔ مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔ آپ کے متعدد خلفا تھے جن کی فہرست تکملہ سیر الاولیا میں موجود ہے۔

خواجہ خدا بخش کے دو صاحبزادے تھے۔ (۱) مولانا غلام فخر الدین اور (۲) مولانا غلام فرید۔ خواجہ خدا بخش کے بعد مولانا فخر الدین سجادہ نشین ہوئے اور بزرگوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رکھا۔ ان کی وفات ۵ جمادی الاول ۱۲۸۸ھ کے بعد ان کے دوسرے بھائی خواجہ غلام فرید جانشین ہوئے۔ یہ وہی خواجہ غلام فرید ہیں جن کی ملتانی زبان میں کافیاں مشہور ہیں۔[3]

خواجہ تاج محمود

قاضی احمد علیؒ کے دوسرے صاحبزادے خواجہ تاج محمود تھے۔ ان سے بھی سلسلہ چلا۔ ان کے پانچوں

۱۔ مناقب فریدی۔ ص ۳۶، ۲۔ تکملہ سیر الاولیا۔ ص ۱۵۵، ۳۔ مناقب فریدی۔ ص ۸۹۔۹۲

صاحبزادوں اور ان کے متعدد خلفا نے مختلف مقامات پر سلسلہ چشتیہ کی خانقاہیں قائم کیں

قاضی محمد عاقل رح کے خلفا

خواجہ قاضی محمد عاقل رح کے خلفا بکثرت تھے جن میں سے مشہور بزرگ حسب ذیل ہیں :۔

(۱) خلیفہ اکبر صاحب رح (۲) مولوی عبد اللہ صاحب رح (۳) مولوی محمد اعظم رح
(۴) میاں شریف الدین رح (۵) مولوی گل حسن رح (۶) خواجہ گل محمد احمد پوری رح [۱]

خواجہ گل محمد احمد پوری نے کتاب تکملہ سیر الاولیا میں بزرگان سلسلہ کے حالات قلمبند کیے ہیں اور اسی کتاب میں خواجہ قاضی محمد عاقل رح کے ملفوظات بھی لکھ دیئے ہیں۔ خواجہ گل محمد احمد پوری ۹ محرم ۱۲۴۳ھ کو احمد پور علاقہ بہاول پور میں فوت ہوئے۔

حضرت حافظ محمد جمال ملتانی رح

ملتان سہروردی سلسلہ کا قدیمی مرکز ہے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کی خانقاہ صدیوں تک پنجاب اور سندھ کے عوام و خواص کا مرکز بنی رہی اور آپ کے خلفا نے ملتان، اُچ اور سندھ کے مختلف مقامات پر خانقاہیں قائم کیں۔ اگرچہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کے شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین مسعود، گنج شکر کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے، تاہم ساتویں صدی ہجری سے لے کر بارھویں صدی ہجری کے آخر تک کسی چشتی بزرگ نے ملتان میں کوئی خانقاہ قائم نہیں کی۔ تاآنکہ بارھویں صدی ہجری کے آخر میں خواجہ نور محمد مہاروی رح نے اپنے مرشد خواجہ فخر الدین دہلوی رح کے اشارہ سے اپنے ایک مجاہد خلیفہ کو ملتان میں خانقاہ قائم کرنے کا حکم دیا۔ یعنی حافظ محمد جمال کو

۱۔ تکملہ سیر الاولیا۔ ص ۱۵۵

وطن و خاندان

حافظ صاحب کے خاندانی حالات کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھے۔ البتہ آپ کا وطن "من مضافاتِ ملتان" بتایا گیا ہے۔ ۱

تعلیم

حافظ محمد جمال صاحب نے ملتان میں ہی تعلیم حاصل کی۔ خواجہ نور محمد مہاروی کے خادم خاص مولوی محمد حسین، حافظ صاحب کے ہمدرس رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حافظ صاحب بہت ذہین و فطین تھے اور ہم لوگ ان کو طالب علمی کے زمانہ میں "علامہ عصر" کہا کرتے تھے۔ ۲

بیعت و خلافت

حافظ صاحب کو طالب علمی کے زمانہ سے ریاضت و عبادت کا شوق تھا۔ اکثر شیخ رکن الدین ملتانی کے مزار کے پاس عبادت الٰہی میں مصروف رہتے اور ہر رات کو پورا کلام مجید ختم کرتے ایک رات خواب میں اشارہ ہوا کہ خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں حاضری دو۔

خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں پہنچ کر مولوی محمد حسین خادم خواجہ نور محمد مہاروی کی وساطت سے خواجہ مہاروی کے دست مبارک پر بیعت کی لیکن اپنے آپ کو ہیچمدان ظاہر کیا۔ جب خواجہ مہاروی کو معلوم ہوا کہ حافظ صاحب عالم آدمی ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا کہ حافظ صاحب! آپ نے اپنا علم ہم سے کیوں چھپایا، حافظ صاحب نے جواب دیا، قبلۂ من! میں نے سنا ہے کہ فقراء علماء سے نفرت کرتے ہیں، اس لیے میں نے اپنے علم کا اظہار نہ کیا۔ اس پر حضرت خواجہ نور محمد نے فرمایا کہ حافظ صاحب! ہم تو علماء کو چاہنے والے ہیں، ہمیں تو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جاہل بیچارا ہمیں کیا سمجھ سکتا ہے۔ ہم تو علماء سے بہت خوش ہیں۔ ۳

اس کے بعد خواجہ نور محمد مہاروی سفر و حضر میں حافظ صاحب کو اپنے ساتھ رکھتے۔ حافظ صاحب نے ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ساتھ حضرت قبلۂ عالم کی رات

۱، ۲، ۳ - مناقب المحبوبین، ص ۱۲۵ و ۱۲۶ و ۱۲۷

دن کی خدمت بھی اپنے ذمہ لے لی۔ علاوہ ازیں قبلۂ عالم کے لنگر کا انتظام و اہتمام بھی حافظ صاحب کے سپرد رہا۔

کچھ عرصہ کے بعد خواجہ نور محمد مہاروی ؒ نے آپ کو خلافت عطا فرما کر ملتان میں قیام پذیر ہونے کا حکم دیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا آپ کو ملتان بھجوانے کا حکم خواجہ فخر الدین دہلوی ؒ نے دیا تھا۔ آپ نے ملتان میں قیام پذیر ہو کر سب سے پہلے خانقاہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی میں بیٹھ کر سب سے مولوی خدا بخش ؒ کو مرید کیا۔ ۱

سلسلۂ درس و تدریس

ملتان میں قیام پذیر ہو کر حافظ صاحب نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ جس میں آپ خود قرآن مجید، تفسیر اور حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے، نیز آپ کے بعض مرید علما بھی اس مدرسہ میں تعلیم دینے لگے۔ دور آخر میں اپنے خاص خاص خلفا کو شیخ محی الدین ابن عربی کی تصانیف اور مولانا جامی کی تصانیف پڑھایا کرتے۔

مصنف "تکملہ سیر الاولیا"، خواجہ گل محمد احمد پوری ؒ نے اسی مدرسہ میں حضرت حافظ صاحب ؒ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ حافظ صاحب ؒ اپنے علم و فضل اور اپنے بلند اخلاق کی بدولت بہت جلد مشہور ہو گئے اور اطراف و اکناف سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذِ فیض کرنے لگے۔

حضرت حافظ صاحب پابندِ سنّت بزرگ تھے۔ اپنے تمام مریدین کو سنّتِ رسول ﷺ کی پیروی کی تلقین فرمایا کرتے اور رسوم و بدعات کی سخت مخالفت کرتے اور لوگوں کو بھی بدعات سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے۔ ۲

جہاد فی سبیل اللہ

حافظ صاحب درس و تدریس کے ساتھ ساتھ فنونِ جنگ کی بھی مشق کرتے رہتے تھے اور تیر اندازی میں بہت ماہر تھے اور اپنے مریدوں کو بھی تیر اندازی سکھایا کرتے۔ پہلی دفعہ جب سکھوں نے ملتان

۱، ۲، ۳ ۔ مناقب المحبوبین، ص ۱۴۴ تا ۱۴۰ + تکملہ سیر الاولیا ۔ ص ۱۳۵

پر حملہ کیا، تو حافظ صاحب مقابلہ کے لیے اپنے مریدین کے ساتھ قلعہ ملتان میں موجود تھے اور قلعے سے سکھوں پر تیر اندازی کرتے رہے۔ دوسری بار ۱۲۲۶ھ میں سکھوں نے دیپھنبر ملتان پر حملہ کیا۔ اس وقت آپ ملتان میں موجود نہیں تھے۔ آپ کو صورت حال کا علم ہوا تو فوراً ملتان پہنچے اور معرکہ جنگ میں شریک ہو گئے۔ تیسری دفعہ سکھوں نے حملہ کیا تو ملتان کے لوگ بہت گھبرائے اور ہجرت کرنے کا ارادہ کرنے لگے۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا اس وقت ہر طرف کافر چھا گئے ہیں اس لیے اس وقت کافروں سے جہاد کرنا فرض عین ہے۔ اگر زندہ رہیں گے تو غازی کہلائیں گے۔ مر گئے تو شہادت نصیب ہوگی یہ کہہ کر میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ ۱

وفات

حافظ صاحب نے ۵ رجمادی الاول ۱۲۲۶ھ کو وصال فرمایا۔ ملتان میں دفن ہوئے۔

آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ لیکن آپ کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی وفات کے بعد مولوی خدا بخش صاحبؒ آپ کے جانشین ہوئے۔ مولوی خدا بخش جیّد عالم تھے انہوں نے وحدت الوجود پر ایک رسالہ "رسالہ توفیقیہ" کے نام سے لکھا۔

حافظ محمد جمالؒ کے خلفا بکثرت تھے جن میں سے مولوی عبدالعزیز بڑھیاریؒ — مولوی غلام حسنؒ زاہد شاہ اور قاضی عبیداللہ ملتانی مشہور ہیں۔ ۲

ملفوظات

حافظ صاحب کے ملفوظات بہت لوگوں نے مرتب کیے۔ حسب ذیل تین ملفوظات خاص طور پر مشہور ہیں۔

۱ فضائل رضیہ۔ مصنف مولوی عبدالعزیز بڑھیاریؒ۔

۲ انوار جمالیہ ـ مصنف غلام حسن شہید ملتانی۔

۳۔ اسرار الکلیہ۔ مصنف زاہد شاہ۔ ۳

۱۔ مناقب المحبوبین، ص ۱۲۴ تا ۱۴۰ + وتکملہ سیر الاولیا۔ ص ۱۳۵

۲۔ مناقب المحبوبین ص ۱۳۸ ۳۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۶۰۶

باب دوم

حضرت خواجہ محمدؒ سلیمان تونسویؒ

فصل اوّل

ابتدائی زندگی

اسلاف خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ پٹھانوں کے جعفر خانی قبیلہ کے فرد ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ کا نام جعفر خان[1] تھا۔ جس کی سکونت ابتدا میں مقام مرانہ (کوہستانی شیرانی) میں تھی کوہستان سلیمان کی دو بلند چوٹیوں "تخت سلیمان" اور "فورٹ منرو" کے درمیان ایک پہاڑ ہے جو "گڑگوجی[2]" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے عین شمال مشرق میں "دُرگ[3]" کا وسیع و شاداب کوہستانی خطہ ہے۔ جعفر خان مرانہ سے اٹھا اور دُرگ کے ہندو حکمران گہنہ[4] کو شکست دے کر اس شاداب خطہ پر قبضہ کر لیا اور یہیں آباد ہو گیا۔

جعفر خان کی تیسری نسل میں رحیم داد خان[5] ایک بڑے کنبہ کا سردار تھا۔ اس نے گڑگوجی پر بھی قبضہ کر لیا اور پہاڑ کاٹ کر میٹھے پانی کا چشمہ جاری کیا۔

رحیم داد خان کی اولاد رمدانی کہلاتی ہے۔ رحیم داد خان کا پوتا سالار[6] خان تھا اس لیے اس شاخ کو "رمدانی سالارانی" بھی کہتے ہیں۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے والد جعفر خان قبیلہ کی اسی

۱۔ راحت العاشقین و سیرت سلیمان ص ۹
۲۔ راحت العاشقین و سیرت سلیمان ص ۹
۳۔ راحت العاشقین و سیرت سلیمان ص ۹
۴۔ " " " ص ۱۰
۵۔ " " " ص ۱۰
۶۔ راحت العاشقین

رندانی سالارانی شاخ سے تھے۔

نام آپکا خاندانی نام "محمد سلیمانؒ" ہے۔ مؤلف "سیرت سلیمان" نے آپ کا خاندانی نام صرف سلیمان[۲] لکھا ہے۔ بعد میں آپ "حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ" کے نام سے مشہور ہوئے[۳]۔

تاریخ ولادت حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء میں پیدا ہوئے[۴] البتہ مؤلف "مقدمہ تونسہ" نے آپ کا سن ولادت ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء لکھا ہے[۵]۔

مقام ولادت آپ "گڑگوجی" کے مقام پر پیدا ہوئے، خود آپ نے اپنے مولد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :-

"خانۂ خود کہ در کوہ است و اسم آن گڑگوجی است کہ مسافت آن از تونسہ شریف سی کروہ است"[۶]۔	ہمارا گھر پہاڑ میں واقع ہے جس کا نام گڑگوجی ہے جو کہ تونسہ شریف سے تیس کوس کے فاصلہ پہ ہے۔

گڑگوجی کی موجودہ جغرافیائی کیفیت یہ ہے :-

گڑگوجی تحصیل "بازار موسے اخیل" ضلع لورالائی (بلوچستان)۔ یہ مقام تونسہ شریف (ضلع ڈیرہ غازی خان پنجاب) سے شمال مغرب کی جانب تیس کوس کے فاصلہ پہ اندرون کوہ واقع ہے[۷]۔

۱۔ راحت العاشقین و مناقب المحبوبین ص۱۴۰ و تذکرۃ المشائخ ص۱۲۸

۲۔ سیرت سلیمان ص۱۲

۳۔ راحت العاشقین و مناقب المحبوبین ص۱۴۰

۴۔ خاتم سلیمانی و سیرت سلیمان ص۱۵ و تاریخ مشائخ چشت ص۶۱۱

۵۔ مقدمہ تونسہ ص۵

۶۔ نافع السالکین ص۱۱

۷۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی ص۱

والدین حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے والد کا نام زکریا بن عبدالوہاب بن عمر بن خان محمد[1] اور والدہ کا نام زلیخا[2] ہے۔

خاندان آپ کے ایک ہی بڑے بھائی تھے جن کا نام یوسف[3] تھا۔ ان کا جوانی میں انتقال ہو گیا۔ آپ کی چار بہنیں تھیں (۱) بی بی حلیمہ (۲) بی بی حوا (۳) بی بی فاطمہ۔ (۴) بی بی بائی۔ ان سب کی اولاد اب تک موجود ہے[4]۔

ابتدائی تعلیم خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے والد کا انتقال ان کی شیر خوارگی کے زمانہ میں ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ان کی والدہ نے کیا اور جب وہ چار سال کے ہوئے تو ان کی والدہ نے اُن کو حفظِ قرآن مجید کے لیے ایک ہم قوم حافظ ملا یوسف جعفرخانی کے سپرد کیا۔ ملا یوسف گرگوجی میں ایک چھوٹی سی مسجد میں پڑھایا کرتے تھے۔ اُن سے آپ نے قرآن مجید کے پہلے پندرہ پارے حفظ کیے[5]۔

آخری پندرہ پارے آپ نے ایک اور بزرگ حافظ حاجی صاحب کی خدمت میں رہ کر حفظ کیے۔ حافظ حاجی صاحب بھی جعفرخانی قبیلہ سے تھے اور گرگوجی ہی میں پڑھایا کرتے تھے حفظ قرآن مجید کے بعد آپ نے فارسی زبان کی ابتدائی تعلیم بھی انہی حافظ حاجی صاحب سے حاصل کی[6]

چونکہ حافظ حاجی صاحب عالم نہ تھے اس لیے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھانے کے بعد انہوں نے آپ کو مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے تونسہ[7] (ضلع ڈیرہ غازی خان) جانے کا ارشاد فرمایا، تونسہ اُس وقت مختصر سی بستی تھی اور وہاں پر میاں حسن علی ایک مسجد میں پڑھایا کرتے تھے۔ آپ نے فارسی ادب کی کچھ کتابیں (پندنامہ عطار، گلستان سعدی وغیرہ) میاں حسن علی کی خدمت میں رہ کر پڑھیں[8]۔

۱۔ راحت العاشقین و مناقب المحبوبین ص۱۴۰
۲۔ مناقب المحبوبین و تذکرۃ المشائخ ص۱۲۸
۳۔ راحت العاشقین و مناقب المحبوبین ص۱۴۰
۴۔ مناقب المحبوبین ص۱۴۱
۵۔ راحت العاشقین و مناقب المحبوبین ص
۶۔ راحت العاشقین و مناقب المحبوبین ص۱۴۲
۷۔ تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں دریائے سندھ کے غربی کنارہ سے تقریباً چھ میل دور رود سنگھڑ کے کنارہ پر واقع ہے اور شہر ڈیرہ غازی خان سے اڑتالیس میل دور ہے۔ اس وقت تحصیل سنگھڑ کا صدر مقام ہے۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی ص۳ و مقدمہ تونسہ ص۵

کچھ عرصہ میاں حسن علی کے پاس پڑھنے کے بعد آپ تونسہ سے لانگھ چلے گئے۔ یہ مقام تونسہ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر دریائے سندھ کے مشرقی کنارہ پر واقع تھا۔ یہاں ایک مسجد میں میاں ولی محمد درس دیتے تھے۔ حضرت خواجہ نے ان ہی سے فارسی درسیات کی تعلیم پائی[۱]

اعلیٰ التعلیم

اس زمانہ میں پنجند کے قریب کوٹ مٹھن کے مقام پر حضرت قاضی محمد عاقل چشتی[۲] (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) خلیفہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) نے ایک دار العلوم قائم کر رکھا تھا۔ جہاں علوم عربیہ اسلامیہ کی انتہائی تعلیم دی جاتی تھی قاضی صاحب کے بڑے صاحبزادے قاضی احمد علی (م ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء) اس دار العلوم کے صدر مدرس تھے۔ قاضی محمد عاقل صاحب کے علم و فضل کے بارے میں خواجہ گل محمد احمد پوری تحریر فرماتے ہیں :-

"آں حضرت (قاضی محمد عاقل) را علم درایت و علم روایت ہر دو بدرجۂ کمال بودند، در عصر خود شرقاً غرباً مماثل آنحضرت در علم ظاہری ہم کسی نبود، خصوصاً علم از اصول و فروع آں مشابہ بود کہ بدرجۂ اجتہاد رسیدہ بود"[۳]

حضرت قاضی محمد عاقل صاحب علم معقول و منقول میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ آپ کے زمانہ میں مشرق و مغرب میں علم ظاہری کے لحاظ سے آپ جیسا کوئی دوسرا عالم نہ تھا۔ خصوصاً علم اصول و فروع میں تو گویا کہ درجۂ اجتہاد تک پہنچے ہوئے تھے۔

چنانچہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی بھی عربی علوم کی تحصیل کے لیے کوٹ مٹھن تشریف لے گئے اور دار العلوم میں داخل ہو کر عربی درسیات کی تعلیم حاصل کی۔ خواجہ اللہ بخش کے شجرہ (مطبوعہ ۱۲۸۲ھ) میں خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے بارے میں لکھا ہے۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ ۴۔ راحت العاشقین و مناقب المحبوبین ص ۱۴۵

۱۔ راحت العاشقین و مناقب المحبوبین ص ۱۵۰

۲۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۶ ۳۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۹

"در مبادی حال در کوٹ مٹھن به مدرسہ قاضی محمد عاقل صاحب به تحصیل علم کتب درسیہ توجہ می فرمودند"[1]

ابتدائی دور میں کوٹ مٹھن میں قاضی محمد عاقل صاحب کے مدرسہ میں درسی کتابیں پڑھیں۔

اس کے بعد ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے کہ آپ کی دینی تعلیم ختم ہوگئی اور تائید غیبی سے آپ نے وادیٔ تصوف میں قدم رکھا۔

۱۔ تاریخ مشائخ چشت صـ ۶۱۳

فصل دوم

از ورود در وادیِ تصوف تا حصولِ مرتبہ خلافت

جستجوی مرشد بیعت

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ؒ ایک مرتبہ اوچ (بہاولپور) کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تو کوٹ مٹھن سے قاضی محمد عاقل، ان کے صاحبزادے قاضی احمد علی اور دوسرے طلبار اور علمار نے خواجہ صاحب کی زیارت کے لیے رختِ سفر باندھا[1]۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی بھی قاضی محمد عاقل صاحب کے ہمراہ اوچ شریف گئے اور خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کی بزرگی اور روحانیت سے متاثر ہو کر بیعت کی استدعا کی۔ خواجہ نور محمد مہاروی ؒ نے آپ کی استدعا کو قبول فرما کر آپ کو بیعت کیا اور فرمایا۔

"ای میان! بهر جا که علم بخوانی برو بخوان۔" [2]

اے میاں، جس جگہ علم پڑھ رہے ہو، وہیں جا کر مزید علم حاصل کرو۔

بیعت کے وقت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی عمر پندرہ سال کی تھی۔[3]

پیر و مرشد کے حکم کے مطابق آپ کوٹ مٹھن واپس تشریف لائے، لیکن آپ کو قرار نہیں آتا تھا۔ چند روز کوٹ مٹھن میں رہ کر پھر حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کی خدمت میں مہار شریف[4] چلے جاتے خواجہ نور محمد ؒ فرماتے "جاؤ اور علم حاصل کرو۔" تھوڑے عرصہ کی کشمکش کے بعد مرشد کا عشق اور علم باطن کا شوق آپ پر غالب آیا اور علم ظاہری کی مزید تحصیل سے آپ کی طبیعت سرد ہو گئی۔[5]

مسافرت

قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے چند ماہ بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ کو خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کے پیر و مرشد

۱۔ راحت العاشقین و منتخب المناقب

۲۔ منتخب المناقب

۳۔ منتخب المناقب

۴۔ مہار شریف ریاست بہاولپور میں چشتیاں کے قریب واقع ہے

۵۔ منتخب المناقب

حضرت خواجہ فخر الدین دہلویؒ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ/۸۴-۱۷۸۴م میں مہار شریف سے دہلی روانہ ہوئے۔ [۱]

یہ سفر آپ نے تن تنہا پیدل طے کیا اور براستہ اوچ، بیکانیر، اجمیر دہلی پہنچے۔ دہلی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ دو روز قبل حضرت خواجہ فخر الدین (م ۱۱۹۹ھ/۸۴-۱۷۸۴ء) کا انتقال ہو چکا ہے۔[۲]

مولوی احمد علی تحریر فرماتے ہیں:-

شاہ سلیمان جاہ بعد دو روز از وفات	شاہ سلیمان تونسویؒ حضرت مولانا
حضرت مولانا (خواجہ فخر الدین دہلوی)	فخر الدینؒ کی وفات کے دو روز بعد مدرسہ
در مدرسۂ فخری واقع بیرون دروازہ	فخری واقع بیرون دروازہ اجمیری، دہلی
اجمیری دار الخلافت تشریف آورد۔[۳]	میں تشریف لائے۔

چالیس روز آپ حضرت خواجہ فخر الدینؒ کے مزار پر معتکف رہے۔ اس کے بعد آپ نے چند روز تک حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ، حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ، شیخ کمال الدین علامہؒ کے مزارات پر بیٹھ کر کسب فیض کیا۔ حضرت امیر خسروؒ اور حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی کے مزارات پر بھی حاضر ہوئے۔[۴]

اس کے بعد آپ نے واپسی کا سفر اختیار فرمایا اور دہلی سے روانہ ہو کر اجمیر شریف پہنچے۔ اجمیر پہنچ کر آپ نے چند روز تک خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ کے مزار مبارک پر اعتکاف کیا اور روحانی برکتیں حاصل کیں۔[۵]

اجمیر شریف سے بیکانیر و بھٹنیر ہوتے ہوئے فرخ نگر پہنچے اور پھر مختلف مقامات سے گزر کر رمضان ۱۱۹۹ھ/۸۴-۱۷۸۴ء میں واپس مہار شریف پہنچ گئے۔[۶]

دہلی کے اس طویل سفر میں آپ نے مذکورہ بالا اولیاء کبار کی روحانیت سے کسب فیض کرنے کے علاوہ دہلی میں بعض مقیم اہل دل درویشوں سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔ ان میں میاں

۱۔ منتخب المناقب و مناقب المحبوبین ص ۱۵۶
۲۔ منتخب المناقب و مناقب المحبوبین ص ۱۵۸
۳۔ قصر عارفان
۴۔ منتخب المناقب
۵۔ منتخب المناقب
۶۔ منتخب المناقب

شمس الدین خلیفہ حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی کا نام سرِفہرست ہے۔[1]

واپسی کے سفر کے دوران آپ نے علی محمد خان خلیفہ شاہ عزت اللہ نقشبندی ابو العلائی سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔[2]

ریاضت و مجاہدت

جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ[3]

(خبردار! انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے۔ اگر وہ سنور جاتا ہے تو بدن سنور جاتا ہے۔ اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو بدن بگڑ جاتا ہے۔ باخبر رہو کہ وہ یہی دل ہے)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی اصلاح دل کی پاکیزگی سے ہوتی ہے اور دل کی پاکیزگی ریاضت و عبادت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ خود جناب رسالت مآب ایک عرصہ تک غارِ حرا میں تشریف لے جا کر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے۔

لیکن عبادتِ الٰہی کے لیے کچھ موانع ہوتے ہیں جیسے زیادہ کھانا، زیادہ باتیں کرنا، زیادہ سونا اور ضرورت سے زیادہ عوام الناس سے اختلاط رکھنا، چنانچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہیں :-

"ای درویش تا اندک نہ خوری، و اندک نہ گوئی، و اندک نہ خسپی، و اندک صحبت با خلق نہ کنی، ہرگز جوہر درویشی در تو پیدا نہ شود"۔[4]

اے درویش جب تک کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا اختیار نہیں کرو گے اور لوگوں سے اختلاط میں کمی نہیں کرو گے، ہرگز جوہر درویشی تم میں پیدا نہیں ہوگا۔

اسی اصول کے پیشِ نظر مشائخ چشت اپنے مخصوص مریدین کو اذکار و اشغال کے ساتھ تقلیلِ طعام، تقلیلِ منام اور تقلیلِ اختلاط مع الانام کی بھی تلقین کرتے تھے۔ چنانچہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی

۱- منتخب المناقب
۲- سیرت سلیمان
۳- جامع الصحیح البخاری ص۸
۴- فوائد السالکین ص۳

کو بھی خواجہ نور محمد مہارویؒ نے طریقۂ چشتیہ کے مخصوص اذکار و اشغال کے ساتھ ساتھ موانع عبادت الٰہی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ ۱

حسب ارشادِ مرشد خواجہ محمد سلیمان تونسوی مہار شریف کی ایک چھوٹی سی مسجد میں مقیم ہو کر دن رات یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ ۲

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے اپنے لنگر کے منتظم غلام رسول کو حکم دیا کہ محمد سلیمان کو کھانا بہت کم دیا جائے اور سردیوں میں بستر بھی معمولی قسم کا دیا جائے تاکہ وہ خوابِ غفلت میں رہ کر مقصودِ اصلی سے محروم نہ رہ جائیں۔ ۳

اس دوران میں خواجہ محمد سلیمان کی خبر گیری کے لیے کبھی کبھی حضرت خواجہ نور محمدؒ اس مسجد میں تشریف لے جاتے جس میں آپ مقیم تھے۔ ۴

آپ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد میں بیٹھا ہوا دیوان حافظ شیرازی میں سے چند اشعار خوش الحانی سے پڑھ رہا تھا، اچانک حضرت خواجہ نور محمدؒ مسجد میں تشریف لائے اور پوچھا "کیا پڑھتے ہو؟" عرض کیا: اشعارِ دیوان حافظؔ، فرمایا: "ہم کو بھی سناؤ"، میں نے یہ شعر عرض کیا ؂

کمالِ صنعت مشاطہ شاید ... کہ روی زشت را زیبا نماید

اس پر خواجہ صاحب خوش ہوئے اور فرمایا ہم سے بھی سنو، اور یہ شعر پڑھا ؂

مگو کہ پیر شدی تابِ عاشقیت نماند ... شرابِ کہنہ تماستی دگر دارد ۵

یادِ الٰہی سے جو وقت فارغ ہوتا اُس میں خواجہ محمد سلیمان تونسوی اپنے پیر و مرشد خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں حاضر ہو کر تصوف کی کتابیں پڑھتے جو کتابیں آپ نے اپنے پیر و مرشد سے پڑھیں ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ۶

(۱) فصوص الحکم مصنفہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء)

۱۔ منتخب المناقب

۲۔ مناقب المحبوبین ص ۱۶۴

۳۔ منتخب المناقب و راحت العاشقین

۴۔ مناقب المحبوبین ص ۱۶۴

۵۔ مناقب المحبوبین ص ۱۶۴

۶۔ مناقب المحبوبین و خاتم سلیمانی ص ۴۲ و تاریخ مشائخ چشت ص ۶۱۳

۲۔ فقرات مصنفہ خواجہ عبید اللہ احرارؒ (م ۸۹۵ھ/ ۱۴۸۹ء)

(۳) لوائح مصنفہ مولانا عبد الرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء)

(۴) آداب الطالبین مصنفہ شیخ شمس الدین محمد معروف بہ شیخ محمد گجراتیؒ (م ۹۸۲ھ/ ۱۵۷۴ء)

(۵) عشرہ کاملہ مصنفہ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ (م ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء)

تکمیل علوم روحانی

ایک عرصہ تک شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے کی وجہ سے آپ پر محبت الٰہی کا غلبہ ہوا، اس دوران میں کئی دفعہ سماع کی مجالس میں (جیسا کہ مشائخ چشتیہ کا معمول رہا ہے) شرکت کا اتفاق ہوا، تو آپ پر وجد کی غیر اختیاری حالت طاری ہوئی، اور بعض اوقات گھنٹوں بے خودی اور بے ہوشی کی حالت میں پڑے رہے[1]۔

"چون محبت الٰہی بر ذات اقدس استیلائی یافت، جذب آن می فرمودند تا آنکہ بہم وخون از چشمہائے مبارک جاری میگردید، وبعض دفعہ تا دو دو پاس جان در قالب شریف نمی ماند، ونبض از حضرت ساقط می شد، چون ازان حالت بہ عالم صحو می آمدند، آہے یا اُف بر زبان مبارک نمی فرمودہ"[2]

جب آنجناب پر محبت الٰہیہ کا غلبہ ہوتا تھا اسی میں جذب ہو جاتے تھے حتیٰ کہ آپ کی آنکھوں سے خون آمیز آنسو جاری ہو جاتے تھے اور بعض اوقات دو دو گھڑی تک بے حس و حرکت پڑے رہتے تھے گویا کہ جان نہیں ہے اور نبض بھی بند ہو جاتی تھی اور جب اس حالت سے ہوش میں آتے تھے، آہ یا اُف تک زبان پر نہیں لاتے تھے۔

۱۔ وجد و حال متعدد بار آپ پر طاری ہوا۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کی موجودگی میں نواب غازی الدین خان کے مکان پر مجلس سماع تھی، قوال مولانا جامی کی غزل گا رہے تھے۔ جب اس شعر پر پہنچے سے

از مدرسہ بہ کعبہ روم یا بہ میکدہ — ای پیر راہ بگو کہ طریق صواب چیست

تو خواجہ محمد سلیمان پر ایسا شدید وجد طاری ہوا کہ آنکھوں سے خون جاری ہو گیا، یہ حال دیکھ کر خواجہ نور محمدؒ نے قوالی کو بند کرنے کا حکم دیا، خواجہ محمد سلیمان بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے اپنی

اس کیفیتِ وجد و حال میں آپ کو عجیب و غریب معارف الٰہیہ منکشف ہوئے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اربابِ وجد و سماع کی "نسبت" کے بارے میں تحریر فرمایا ہے :-

"جمہور اس نسبت (نسبت وجد) کے اکثر اوقات سماع اور وجد کے فریفتہ ہیں اور جو اہلِ فنا و بقا ہیں اُن کے واسطے اسی نسبت (نسبتِ وجد) میں سے ایک شاخ نکلتی ہے جس کے ذریعہ ایسے معارف جلیلہ کی استعداد اُن کو حاصل ہوتی ہے کہ زبان اُس کو پورا بیان نہیں کر سکتی" ۱

اس عرصہ میں حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کی بیش از بیش توجہات آپ پر مبذول رہیں حتیٰ کہ ایک روز حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے فرمایا :-

"ایں طفلک در دریافت کردن و گرفتن چیزے از ما، مارا متعجب گردانیدہ است، حق تعالیٰ ایں راچہ وسیع و پُر حوصلہ نمودہ، یعنی ہر چہ بگیرد استعداد و قابلیت فوقِ آن داشتہ باشد" ۲	اس لڑکے نے ہم سے معارفِ الٰہیہ کے حاصل کرنے میں ہم کو حیران کر دیا ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کو کتنا وسیع ظرف و حوصلہ دیا ہے کہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کی استعداد و قابلیت اس سے زیادہ کی متقاضی ہوتی ہے

حصول مرتبہ خلافت

پندرہ برس کی عمر میں ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء میں آپ نے حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے اس عالم فانی سے انتقال فرمایا۔ اس حساب سے حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ نے اپنے پیر و مرشد کی صحبت کا فیض چھ سال تک حاصل کیا، جیسا کہ خود فرماتے ہیں :-

---

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ چادر سے آپ کو ڈھانپ دیا۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس وقت سے نماز ظہر تک آپ اسی طرح بے ہوش پڑے رہے۔ مناقب المحبوبین ص ۱۶۶ تا ۱۶۹)۔ ۲۔ مناقب سلیمانی ص ۱۸

۱۔ قطرات ص ۶۱ ۲۔ منتخب المناقب۔ برگ ۴۰ و

"مارا صحبتِ ظاہری قبلۂ عالم شش سال یا کم بود"۔ ۱ ہم کو قبلۂ عالم کی ظاہری صحبت چھ سال یا کچھ کم حاصل رہی۔

اس عرصہ میں آپ نے منازلِ سلوک کو طے کیا، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی توجہ اور شفقت بھی آپ کے حال پر بہت تھی اور آپ کو اپنے پیر و مرشد سے ربطِ معنوی حاصل تھا۔

ادھر آپ کی والدہ ماجدہ بھی آپ کی جدائی میں بے قرار تھیں کیونکہ زمانۂ طالب علمی سے اس وقت تک وطن واپس نہیں گئے تھے۔ ۲

چنانچہ آپ ۱۲۰۲ھ/ ۱۷۸۴ء میں اپنے پیر و مرشد کے حکم سے اپنی والدہ سے ملنے گڑگوجی آئے لیکن تین ہفتہ سے زیادہ نہیں رہے۔ اس کے بعد ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء تک آپ صرف تین دفعہ اپنی والدہ سے ملنے وطن گئے۔ ۳

آخری مرتبہ جب والدہ سے ملنے کے لیے وطن جانے لگے اس وقت حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ موضع ماڑی شوق شاہ (بہاولپور) میں مقیم تھے، خواجہ محمد سلیمانؒ کو الوداع کہنے کے لیے بستی سے باہر دور تک تشریف لائے اور رخصت کرتے وقت آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز ۳

ادھر خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ وطن پہنچے ادھر حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ مرض الموت میں مبتلا ہوئے جب علاج معالجہ سے مایوسی ہوئی تو بھری مجلس میں اپنے محبوب مرید خواجہ محمد سلیمانؒ کو روہیلہ کے نام سے یاد کیا۔ ۴ آپ کے صاحبزادہ نور الصمدؒ نے عرض کیا "اگر فرمان ہو تو میں خود جا کر ان کو لے آؤں۔ اس پر حافظ محمد جمال ملتانی ۵ (م ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء) نے صاحبزادہ صاحب سے کہا کہ آپ اس علاقہ میں کبھی نہیں گئے مجھے اجازت ہو تو میں جاؤں، لیکن خواجہ نور محمدؒ نے یہ دیکھ کر کہ وقت

۱۔ نافع السالکین ص ۱۴
۲۔ سیرت سلیمان ص ۵۱
۳۔ منتخب المناقب، دیوان امیر خسرو ص ۲۴۱
۴۔ منتخب المناقب
۵۔ مناقب المحبوبین ص ۱۳۸

تنگ ہے' فرمایا:

"شما دریجا باشید، خدا اگر قسمتِ او خواستہ است او را خواہد آورد" ۔ ۱

ادھر خواجہ محمد سلیمان کی بیقراری بھی بڑھتی ہوئی تھی' خود بخود مہار شریف روانہ ہو گئے اور شب و روز طویل مسافت طے کر کے چوتھے روز صبح کو مہار شریف پہنچ گئے۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں پہنچے تو خواجہ مہارویؒ کے اردگرد خلفا اور مریدین کا مجمع تھا۔ صاحبزادہ نور الصمد نے حضرت خواجہ کو اطلاع دی: "محمد سلیمانؒ آگیا"۔ آپ نے فرمایا "الحمد للہ" حاضر خدمت ہوئے تو وطن اور والدہ کی خیریت دریافت کی۔۲

اس کے بعد تمام لوگوں کو رخصت کیا اور خواجہ محمد سلیمانؒ سے فرمایا: میرے سامنے بیٹھو آپ نے تعمیل حکم کی چنانچہ یکم ذی الحج ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء کی صبح سے ۲ ذی الحج ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء کی نماز عصر تک سامنے بٹھا کر توجہ فرماتے رہے۔ ۳

اس کے بعد حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے فرمایا:۔

"ای فلاں اگرچہ برائی جدائی تو دل نمی	اے سلیمان! اگرچہ تمہاری جدائی کو دل
خواہد لیکن بحسب آئین پیران کلاں چوں	نہیں چاہتا لیکن بزرگانِ سلسلہ کے طریقہ
خواجہ معین الدین از خواجہ عثمان و خواجہ	کے مطابق کہ جیسے خواجہ معین الدینؒ،
قطب الدین از خواجہ معین الدین و خواجہ	خواجہ عثمان ہارونیؒ سے اور خواجہ قطب الدینؒ
فرید الدین از خواجہ قطب الدین و خواجہ	خواجہ معین الدینؒ سے اور خواجہ فرید الدینؒ
نظام الدین از خواجہ فرید الدین تا آخر یعنی	خواجہ قطب الدینؒ سے اور خواجہ نظام الدینؒ
قبلہ عالم (خواجہ نور محمد) از مولانا صاحب	خواجہ فرید الدینؒ سے اور آخر تک یعنی خواجہ
(خواجہ فخر الدین) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم	نور محمد خواجہ فخر الدینؒ سے اُن کے وصال

۱۔ منتخب المناقب ۲۔ منتخب المناقب

۳۔ منتخب المناقب

پیشتر از وصال رخصت شدند، ازیں قرار ما نیز شمارا از خود رخصت نمایم، واگرچہ تو نواختہ و تلقین یافتہ الٰہی ہستی مگر آنچہ از ما بفرمان الٰہی و معاملہ رسول اللہ و اصحاب و پیران خواجگان چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ و نقشبندیہ و شطاریہ وغیرہ تمامی سلاسل بتو ہم رسیدہ، انشاء اللہ تعالیٰ شما بحصول آں مقبول الحق و منظور الرسول گشتید و خواہید ماند،،۱

سے پہلے رخصت ہوئے۔ اسی طریقہ سے ہم (اپنی وفات سے پہلے) تم کو رخصت کرتے ہیں۔ اور اگرچہ تم حق تعالیٰ کے تلقین یافتہ اور برگزیدہ ہو لیکن ہماری طرف سے جو فرمان الٰہی اور معاملہ رسول اللہ و اصحاب رسول اللہ کے مطابق تمام سلسلوں کے بزرگوں یعنی خواجگان چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ و نقشبندیہ و شطاریہ کا فیض تم کو پہنچا ہے۔ انشاء اللہ اس کے حصول کے بعد تم خدا اور رسولؐ کے منظور نظر ہو گئے ہو اور ہمیشہ منظور نظر خدا اور رسول رہو گے۔

اس گفتگو کے بعد آپ نے خواجہ محمد سلیمان کو مرتبۂ خلافت سے سرفراز فرمایا اور حسب ذیل نصیحتیں کیں۔

(۱) فرمودند کہ ای حافظ! ہرچہ از غیب رسیدہ باشد بی استدعا شما و بی خیالِ آن، آن را قبول کردہ باشی کہ آن را فتوح الغیب نوشتہ اند پیغمبران و اصحابان و اولیاء قبولیت آن را جائز داشتہ اند و قبول فرمودہ اند۔"

فرمایا اے حافظ! جو کچھ بغیر مانگے یا بغیر خیال کے غیب سے ملے اُسے قبول کر لینا کہ بزرگ اُسے "فتوح الغیب" لکھتے ہیں پیغمبروں اور صحابہؓ اور اولیاء اللہ نے اس کا قبول کرنا جائز رکھا ہے اور قبول بھی کیا ہے۔

(۲) سواری داشتہ باشی

سواری اپنے پاس رکھنا۔

(۳) ای میان حافظ! ما طبع شمارا آزادی بینیم،

اے میاں حافظ! میں دیکھتا ہوں کہ

۱۔ منتخب المناقب

اگرچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ شما را مالکِ خزانہ خود ساختہ کہ عالم و عالمیان از فیض تو چہ از اسباب ظاہری و چہ باطنی بہرہ یاب تواند شد، مگر قطع ہائے زمین ملکیۂ آبادی اجدادی خود را رائیگان نخواہی ساخت بلکہ بخود خواہی داشت ۔"

تم آزاد منش آدمی ہو، اگر حق سبحانہ وتعالیٰ تم کو اپنے خزانہ کا مالک بھی بنا دے کہ اسباب ظاہری و باطنی کے لحاظ سے سارا جہان بھی فیض یاب ہونے لگے تو بھی اپنی آبائی زمین کے قطعات کو ضائع نہ کرنا بلکہ اپنی ملکیت میں رکھنا۔

(۴) "آیندگانِ دروازہ خود را از ہر گونہ کہ باشند از استمداد ظاہری و باطنی از خود خالی واپس نکردہ باشی۔"

اپنے دروازہ پر آنے والوں کو، خواہ کیسے بھی ہوں ظاہری و باطنی امداد کے بغیر خالی واپس نہ کرنا۔

(۵) "ہر کسے را کہ دست بگیری او را رائیگاں نہ سازی، اگرچہ از و در حق تو ناشائستگی برسد۔"

جس کسی کا ہاتھ پکڑنا، اس کو ضائع نہ کرنا، اگرچہ اس کی طرف سے تمہارے حق میں کیسی بھی ناشائستگی ظاہر ہو۔

(۶) "اہلِ دول را چنداں اختلاط بخود ندہی و اگر ضرورت باشد مضائقہ نیست کہ دروازۂ فقرا دروازہ خدا باشد۔"

دنیا داروں سے زیادہ میل جول نہ رکھنا ہاں اگر ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں؛ کیونکہ فقرا کا دروازہ خدا کا دروازہ ہوتا ہے۔

(۷) "اہلِ عجز و سائل را محروم نداشتہ باشی و غربا و علما را مددگار بودہ باشی۔"

عاجزوں اور سائلوں کو محروم نہ کرنا اور ہمیشہ غریبوں اور علما کا مددگار رہنا۔

(۸) "آنچہ از ما و از پیرانِ ما و از جناب حق سبحانہٗ وتعالیٰ یافتہ باشی بران بموجب طریقۂ پیرانِ ما کوشش نمودہ باشی۔"

جو کچھ ہم سے اور بزرگانِ سلسلہ سے اور جناب حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے حاصل ہوا ہے اس کی حفاظت و اشاعت کے لیے بزرگوں کے طریقہ کے مطابق کوشش کرتے رہنا۔

(۹) "از کوہستان فرود آمدہ بر زمین اقامت خواہند داشت تا مردم دور و نزدیک بآسانی و سہولت بہرہ یاب توانند شد" — پہاڑ سے اُتر کر میدان میں اقامت رکھنا تاکہ دور و نزدیک کے لوگ آسانی اور سہولت سے پہنچ کر فائدہ اٹھا سکیں۔

(۱۰) "والدہ شریفہ خود را از خود راضی خواہند داشت" — اپنی والدہ صاحبہ کو راضی اور خوش رکھنا

اس کے دوسرے دن (۳، ذی الحج ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء) حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کا وصال ہو گیا۔[۲] حضرت خواجہ محمد سلیمان، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے وصال کے بعد نو ماہ تک ان کے مزار پر معتکف رہے۔[۳]

۱۔ منتخب المناقب

۲۔ منتخب المناقب

۳۔ منتخب المناقب

فصل سوم

دورِ رُشد و ہدایت تا پایانِ حیات

ورود در تونسہ شریف و تعمیر خانقاہ

حضرت خواجہ نور محمدؒ کے وصال کے بعد آپ اپنے وطن گڑگوجی میں مقیم ہو گئے اور آٹھ سال وہیں گذارے۔ اس عرصہ میں گڑگوجی سے مہار شریف جاتے رہے۔[۱]

اسی عرصہ میں آپ نے اپنی والدہ صاحبہ کے اصرار سے اپنے ہم قوم عمر خان جھنر خانی کی صاحبزادی سے شادی کی۔[۲]

اس کے بعد آپ اپنے پیرو مرشد کی وصیت کے مطابق گڑگوجی سے نکل کر ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء میں تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خان) میں آکر مقیم ہو گئے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد یہ مقام تونسہ شریف کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت خواجہ آخر وقت تک اس مقام میں مقیم رہے۔

آپ تونسہ شریف آئے تو پہلے پہل سرکنڈوں کی جھونپڑی بنا کر عبادت میں مشغول رہے۔[۳] جب علاقہ کا رئیس الف خان حلقہ مریدین میں داخل ہوا تو آپ کے لیے ایک رہائشی مکان اور ایک مسجد بنوائی اور فقرا کے لیے ایک وسیع دالان بنوایا۔ پھر محمد باران خان نے چند حجرے تعمیر کرائے۔[۴] بعد میں آپ کے ایک مرید برخوردار چاکی نے مسجد کو وسیع اور پختہ کرایا۔ بعض دوسرے مریدین نے مہمان خانہ، کنواں اور اصطبل تعمیر کرائے۔[۵] اور حضرت تونسوی نے اس مقام کو خانقاہ کی شکل دی۔[۶]

۱۔ منتخب المناقب
۲۔ منتخب المناقب ص ۳۲۲
۳۔ ذکر حبیب ص ۲۸۲
۴۔ مناقب المحبوبین ص ۱۸۶
۵۔ مناقب المحبوبین ص ۱۸۶
۶۔ در کتب تراجم احوال عرفا نوشتہ اند کہ اول خانقاہی

آپ کے تونسہ میں ورود سے قبل تونسہ شریف کی آبادی بہ مشکل ایک سو گھروں پر مشتمل تھی۔ آپ تونسہ شریف میں آکر مقیم ہوئے تو اطراف سے طالبانِ خدا یہاں آکر آباد ہونے شروع ہو گئے۔ حتیٰ کہ اس مقام کو برعظیم پاک و ہند کے علاوہ افغانستان اور بلوچستان میں بھی شہرت و خصوصیت حاصل ہو گئی۔ ۱

لنگر خانہ زائرین، طالبین، علماء اور طلباء کے لیے آپ نے ایک وسیع لنگر خانہ قائم کیا جس میں ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔ لنگر خانہ کے انتظام کے لیے ایک پورا محکمہ تھا۔ اور اس کو چلانے والے لوگ ماہانہ تنخواہیں پاتے تھے۔ اور انتظام ایسا عمدہ تھا کہ کسی کو کوئی تکلیف یا احتیاج باقی نہ رہی تھی۔ حتےٰ کہ علاج معالجہ کے لیے طبیب مقرر تھا۔ ۲

مؤلف "مناقب سلیمانی" لکھتے ہیں۔

"چنداں خرچ و اصراف لنگر شریف است	لنگر شریف کا اتنا خرچہ ہے کہ حد شمار
کہ از حدِ حصر بیرون، چہ بہ ہر دو وقت	سے باہر ہے۔ دونوں وقت بعض اوقات
در بعض ایام برای دو دو ہزار مردم پخت	دو دو ہزار آدمیوں کے لیے کھانا پکتا
طعام می شود"	ہے۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ کہ برائی صوفیہ بنا شدہ بدست یکی از امرای مسیحی بودہ است، از جملہ جامی در نفحات الانس در شرح حال ابوہاشم صوفی از صوفیہ قسمتِ اخیر قرن دوم ہجری نوشتہ۔ "اول کسی کہ وی را صوفی خواندند وی بود و پیش از وی کسی را بہ این نام نخواندہ بودند و ہمچنیں اول خانقاہی کہ برای صوفیان بنا کردند آں است کہ بہ رملہ شام کردند سبب آں است کہ امیری ترسا بہ شکار رفتہ بود، در راہ دو تن را دید از یں طائفہ کہ فراہم رسیدند و دست در آغوش یک دگر کردند وہم آنجا بہ نشستند و آنچہ داشتند از خوردنی پیش نہادند و بخوردند، آنگاہ برفتند۔ امیر ترسا را معاملہ و الفت ایشاں را بایکدگر خوش آمد۔ یکی از ایشاں را طلب کرد و پرسید کہ آں کہ بود، گفت ندانم، گفت ترا چہ بود گفت ہیچ چیز، گفت از کجا بود، گفت ندانم۔ آں امیر گفت، پس ایں الفت چہ بود کہ شمارا بایکدگر بود۔ درویش گفت کہ ایں مارا طریقت است، گفت شمارا جائی ہست کہ آنجا فراہم آئید، گفت نی، گفت من برای شما جائی سازم تا بہ یکدگر آنجا فراہم آئید۔ پس آں خانقاہ بہ رملہ ساخت۔ (تاریخ تصوف در اسلام ص۷۵ و نفحات الانس ص۳۱)

۱۔ سیرت سلیمان ص۶۵ ۲۔ مناقب سلیمانی ص۳۴ و خاتم سلیمانی ص۶۷

القصہ طالب حق را در آنجا ہرگز ہرگز کسی نوع حاجت ضروری ملتوی نماند"۔ [۱]	القصہ - طالب حق کی کوئی حاجت ایسی نہیں، جو وہاں پوری نہ ہوتی ہو۔

تعمیر مدارس اس کے ساتھ آپ نے اپنے مشائخ سلسلہ کی طرح وسیع پیمانہ پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آہستہ آہستہ بہت سے بلند پایہ علماء آپ کی خانقاہ میں مستقل طور پر آکر مقیم ہو گئے جن کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی [۲] اور ہزاروں طلباء ان سے استفادہ کرنے لگے۔ (مدارس کی تفصیل کتاب ہذا کے حصہ دوم، باب ہفتم کی فصل اول میں پیش کی گئی ہے)

مقبولیت حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کے خلوص وللّٰہیت کی بدولت حق تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ [۳] جلد ہی آپ کی شہرت اطراف واکناف ملک میں پھیل گئی، بلکہ برعظیم کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی طالبان حق آپکی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کرنے لگے۔ مولوی احمد علی لکھتے ہیں :-

ہرگاہ بعد تشریف خلافت رہنمائی خلائق گشت، جہان جہان اصناف مردم از ہند و سند و عرب و عجم و عراق و خراسان	حصول خلافت کے بعد جب آپ مسند ارشاد پر بیٹھ کر مخلوق کی رہنمائی کرنے لگے ہر قسم کے لوگوں کے گروہ

۱۔ مناقب سلیمانی ص ۳۲ ۔ ۲۔ ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی ص ۱۲

۳۔ قبولیت عامہ سے مقبولیت عنداللہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ نے فرمایا:۔
"خدا تعالیٰ چوں دوست میدارد بندہ را از بندگان خود، می خواند جبرئیل را، پس می گوید حضرت رب العزت جل جلالہ، من دوست می دارم فلان بندہ را پس دوست دار تو او را، گفت آں حضرت پس دوست میدارد آں بندہ را جبرئیل، پس ترنداحی کند جبرئیل بہ امر الٰہی در آسمان برای شنوانیدن فرشتگان وحی گوید، خدا تعالیٰ دوست میدارد فلاں بندہ را پس دوست دارید شما او را، پس دوست می دارند آں بندہ را آسمانیاں۔ پس ترنہادہ می شود مر آن بندہ را قبول و محبت در دلہای زمینان کہ مردم اند بلکہ جن و انس"۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ص ۲۳)

در بیعت وطاعت وی درآمدند و تایب وعارف شدند، تصرفاتِ نمایاں بی حد و بی پایان از وی ظاہر شد کہ در تمام عالم شائع و بر لسانِ خواص وعوام مشتہر، کسی را چون وی شرف وقبول عام در وقتِ خود میسّر نبود، عارفانِ کبار بدیدار جمال باکمالِ وی ملتجی وشاہانِ نامدار بقدوم برکت لزوم وی متمنّی بودند۔ " ۱

ہندوستان، سندھ، عرب، عجم، عراق، خراسان سے آآکر بیعت ہوکر حلقۂ اطاعت میں داخل ہونے لگے، اور تائب ہوکر عارف بننے لگے۔ آپ سے بیشمار تصرفات وخوارق کا ظہور ہوا جس کا چرچا ساری دنیا میں ہے۔ اور عوام وخواص کی زبانوں پر ہے۔ کسی دوسرے بزرگ کو اپنے وقت میں ایسا قبول عام نصیب نہیں ہوا۔ بڑے بڑے عارف باللہ آپ کے جمالِ باکمال کے دیدار کی التجا کرتے اور شاہانِ وقت آپ کی بابرکت قدم رنجہ فرمائی کے متمنی رہتے۔

دورِ آخر میں آپ کی طرف مخلوق خدا کا اتنا رجوع ہوا کہ مشائخ متقدمین کی خانقاہوں اور اُن کے رجوعِ عام کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ آپ کے خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالوی فرماتے ہیں :-

" چنداں ولایت وبیعت خواجہ مہاروی شہرت نیافت کہ حضرت خواجہ تونسوی راست۔ چنانچہ از دیار بلخ وبخارا و ایران وہرات وہند وسند وحرمین شریفین ہر کس موجب استعداد خود ازایشان فیض یاب شدند " ۲

جس قدر خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی بیعت کی گئی اور آپ کی بزرگی کی شہرت ہوئی اتنی خواجہ نور محمد مہارویؒ کی نہیں ہوئی۔ چنانچہ بلخ بخارا، ایران، ہرات اور ہندوستان، سندھ اور حرمین شریفین تک سے لوگ حاضر ہوکر اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوئے۔

---

۱ - قصرِ عارفاں

۲ - مرآۃ العاشقین صـ ۱۱۳

سخاوت اسی طرح مولانا امام الدین پاکپٹنی تحریر فرماتے ہیں :-

"مردی واصل نام حاضر بود، گفت کہ من تا عرب وعجم بسیار سیاحت نمودم، مرتی مثل ذاتِ مبارک، کہ بخشش اسپان و شتران و دیگر چہارپایان وجامہا ونقودہا ودانہا وآرد ونان وادویہ مریضان می نمایند مع ذالک گمراہان را راہِ حق تعالیٰ می فرمایند، ہرگز نہ دیدہ ام" ۱

ایک شخص واصل نامی حاضرِ خدمت تھا۔ کہنے لگا کہ میں نے عرب وعجم کی بہت سیر وسیاحت کی ہے۔ میں نے آپ جیسی کوئی ہستی نہیں دیکھی کہ آپ گھوڑے، اونٹ اور دیگر مویشی اور کپڑے اور نقد وجنس اور آٹا اور روٹی لوگوں کو عطا فرماتے ہیں۔ مریضوں کو دوائیں دیتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ گمراہوں کو حق تعالیٰ کا راستہ بھی دکھاتے ہیں۔

سید احمد خان مرحوم (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء) آپ کے ہمعصر تھے، وہ آپ کے متعلق اپنی تصنیف "آثار الصنادید" میں تحریر کرتے ہیں :-

"ان کی (خواجہ محمد سلیمان تونسوی) شہرت قاف سے قاف تک ہے"۔ ۲

مدائح شعرا متعدد شعرا نے آپ کی تعریف میں قصائد کہے، جو کہ عقیدت وارادت کی تصاویر اور آپ کی مقبولیت کی روشن دلیل ہیں ۳

۱۔ نافع السالکین ص ۲۹ ۲۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۶۴۸

۳۔ نمونہ کے لیے حکیم محمد بخش اجودھنی کی ایک غزل پیش کی جاتی ہے ؎

بہ عالم جلوہ گر شد صورتِ اسرار رحمانی	بہ ایں فخر وبایں نور وبایں شانِ سلیمانی
تعالی اللہ زہے شانی کہ ذاتِ پاک او داد	نمی دانم کہ سبحانی و یا محبوبِ سبحانی
ہمان نورِ جہان آرا کہ شد اندر عرب پیدا	ہمانا در عجم آمد بہ کرّ و فرِ افغانی
جہان پُر شور چون فرہاد از گفتار شیرینت	ہزاران خسرو آمد بندۂ ایں بزمِ سلطانی
بہ سودائی زلیخا عالمی را نقدِ جان بر کف	زہر سو گرمیٔ بازارِ حُسنِ یوسفِ ثانی

مناقب سلیمانی ص ۱۲ و سیرت سلیمان ص ۱۸۰

ایام پیری

جب تک آپ کی صحت اچھی رہی آپ کا یہ معمول رہا کہ آپ ہر سال تونسہ شریف سے مہار شریف حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے عرس پر حاضر ہوتے۔ آپ کے ہمراہ سینکڑوں درویش اور فقرا ہوتے۔ آپ وہاں دو ماہ تک قیام کرتے اس کے علاوہ ہر دوسرے سال حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے عرس پر پاک پٹن شریف حاضر ہوتے۔[1] لیکن اُس دور کے اعراس، آج کل کے عرسوں کی طرح خرافات و منکرات کے مجامع نہیں ہوتے تھے بلکہ صلحا و علما و مشائخ کے بابرکت اجتماع ہوتے تھے۔

عمر کے آخری چند سالوں میں بہ سبب ضعف بدنی آپ نے مہار شریف اور پاک پٹن شریف کے سفر موقوف کر دیے۔ ادران آخری چند سالوں میں حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کا عرس تونسہ شریف میں منعقد کرتے رہے۔[2] انہی ایام میں آپ نے ایک روز صاحبزادہ خواجہ محمود مہاروی نبیرہ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ سے بڑی حسرت سے فرمایا:

"اگر غلام را عارضہ پیری نبودی مثل مرغانِ پریدہ زیارتِ حضرتِ قبلۂ عالم وشما کردمی۔ چہ کنم کہ غلام را طاقت در بدن نماندہ کہ ضعف کمال است، واین بیت فرمودہ ۔	اگر اس غلام کو بڑھاپے کا عارضہ نہ ہوتا تو پرندوں کی طرح اُڑ کر حضرت قبلۂ عالم کے (مزار مبارک کی) اور آپ لوگوں کی زیارت کرتا۔ کیا کروں کہ بدن میں طاقت نہیں رہی اور ضعف بہت ہو گیا۔ پھر یہ شعر پڑھے:۔

جوانی شد و زندگانی نماند　　جہاں گو ممان، چوں جوانی نماند

جوانی بود خوبیٔ آدمی　　چو خوبی رود کی بود خرمی[3]

سفر آخرت

آپ کی آخری بیماری کا آغاز یکم صفر ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء کو ہوا اور ضعف بدنی آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ آپ کی زبان مبارک پر اکثر اوقات یہ شعر ہوتا رہا ۔

آہن کہ بہ پارس آشنا شد　　فی الحال بہ صورت طلا شد[4]

۱- مناقب المحبوبین صہ ۱۸۴　　۲- مناقب المحبوبین صہ ۱۸۴

۳- نافع السالکین صہ ۱۲۴　　۴- مناقب المحبوبین صہ ۲۱۶

کبھی کبھی یہ شعر پڑھتے ؂

اگر گیتی سراسر باد گیرد   چراغِ عاشقاں ہرگز نمیرد [1]

ساتویں ماہِ صفر ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء کی رات کو حالتِ نزع طاری ہوئی اور پنجابی کا یہ مصرع بڑے اشتیاق سے الاپتے رہے : ع

"منہ توں پلڑا دور کر گلاں کرائیں رج" [2]

۷ صفر ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء کو طلوعِ فجر کے قریب آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی [3]۔ آپ کو اپنے عبادت خانہ میں دفن کیا گیا اور آپ کے مزار پر نواب بہاول خان ثالث (۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۵ء - ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ء) نے سنگ مرمر کا عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا [4] جیساکہ دوسرے اولیاء اللہ کے مزارات پر بھی بادشاہوں اور امراء ہی نے مقبرے تعمیر کرائے ہیں۔

علما اور فضلا نے بیسیوں مرثیے اور تاریخِ وفات کے قطعے کہے۔ چند قطعے حسبِ ذیل ہیں :-

(۱) مولوی محمد حسین پشاوری :

خواجۂ ما آں امام المسلمیں   شاہ سلیمان رحمۃ اللعالمین
ہفتمِ ماہِ صفر روز خمیس   جاں بجاناں داد آں نفسِ نفیس
روح ہای اولیا گرد آمدند   بہرِ سالِ نقل او رای زدند
زاں میاں نالہ کناں باہوی وہای   روحِ مولانای رومی گفت ہای
اے دریغا! اے دریغا! آہ دریغ   گشت پنہاں "آفتابی زیر میغ" [5]

(۲) مولوی حسین علی فتح پوری :

سلیمانِ زماں رحلت چو فرمود   یکایک در جہاں ظلمت بیفزود
پی سالِ وصالش ہاتفِ غیب   بگفت "آہ آفتابِ چشتیاں بود" [6]
۱۲۶۷ھ

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۲۱۶
۲۔ مناقب المحبوبین ص ۲۱۷
۳۔ مناقب المحبوبین ص ۲۲۰
۴۔ خاتم سلیمانی ص ۱۵۰
۵۔ مناقب المحبوبین ص ۲۱۸
۶۔ مناقب المحبوبین ص ۲۱۸

(۳) مفتی صدرالدین دہلوی متخلص بہ آزردہ (م ۱۲۸۵ھ / ۱۸۵۷ء)

آں آفتاب چشت و مہ طارم یقین — قطبِ مدار، و رونق بزم مقربین
شیخ الشیوخ، تاجور ملکِ معرفت — غوث زمان، ختم بر دور آخرین
یعنی جناب خواجہ سلیمان کہ اسم او — مفتاح قفل باب تمنائی آن و این
شد محو رنگِ ذات بر نگی کہ اندرو — نعت بقا معیّن و وصفِ فنا مبین
کردم سوال سالِ وصالش زچرخ گفت — "محبوب ذات حق" شدہ تاریخ شیخ دین ۱
۱۲۶۷ھ

(۴) حاجی نجم الدین مصنف مناقب المحبوبین نے اپنی نظم میں آپ کی زندگی کے اہم واقعات کی تاریخیں دی ہیں۔ حسب ذیل ہے:

دردا کہ غوث الاعظم راہی سوی جنان شد
از ہجر او دو عالم پر شور و پر فغان شد
از سالِ انتقالش ہاتف مرا بگفتہ!
"محبوب ذات حق" بود اندر زمین نہان شد۔ "محبوب ذات حق" = ۱۲۶۷ھ سال وفات
سالِ ولادت آنرا از من اگر بپرسی
گر "ہائی" دور سازی، "خورشید دو جہاں شد"۔ "خورشید دو جہان" = ۱۱۸۹ - ۵ = ۱۱۸۴ھ سال ولادت
لفظ "حبیب اللہ" "بے ہائی" عمر او دان۔ "حبیب اللہ" = ۸۹ - ۵ = ۸۴ سال۔ عمر
من کردہ ام شماری، ہشتاد و چار آں شد
تاریخ بیعت او، ہم رفتنش بدہلی — تاریخ بیعت و رفتن ایشاں بدہلی
"خورشید دو جہانی" می خوان دریں عیاں شد۔ "خورشید دو جہانی" ۱۱۹۹ھ۔
وقت وصال مرشد، بست و دو سالہ بودہ۔
از نجم دین عاصی در نظم این بیان شد۔ ۲

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۳۱۹

۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۱۹

اولاد و جانشینان در تونسہ

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے حسب ذیل تین فرزند تھے:

(۱) خواجہ گل محمد (۲) خواجہ درویش محمد (۳) عبداللہ [1]

(۱) خواجہ گل محمدؒ۔ حضرت خواجہ کے بڑے صاحبزادہ اور آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہوں نے علم دین میاں گل محمد دامانی، حافظ حسن صاحب اور مولوی نور احمد سے حاصل کیا۔[1] اور علم باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔ آپ صاحب وجد و سماع، نہایت خلیق، حلیم الطبع اور متواضع تھے حاجی نجم الدین لکھتے ہیں:-

"اکثر آمد و رفت بر مکان فقراء می فرمودند، وہیچ خیال صاحبزادگی و بزرگی خود نمی فرمودند، سادہ مزاج بودند و خود را یکی از فقرا حضرت می دانستند، و اکثر می فرمودند کہ من ہم یکی از فقیران حضرت صاحب ہستم وسخاوت ایشان بدرجہ بود کہ از عطیات مخفیہ ہر نیک و بد را می نواختند" [2]

(خواجہ گل محمد) اکثر فقرا کے مکانوں پر آمد و رفت رکھتے اور اپنی بزرگی اور صاحبزادگی کا کچھ خیال نہ کرتے تھے۔ بڑے سادہ مزاج تھے اور اپنے آپ کو حضرت کے فقیروں میں سے ایک فقیر سمجھتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی حضرت کے فقیروں میں سے ہوں اور سخی ایسے تھے کہ مخفی طور پر ہر نیک و بد کو نوازتے تھے۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ آپ کے ایک معاصر فضل نے آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے جس کے ہر مصرع سے سن ۱۲۶۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ وہو ہذا۔

شاہ سلیمان معارج تمجید (۱۲۶۷) — قطب اقطاب خواجہ توحید (۱۲۶۷)

فخر دار زمان حبیب نبی (۱۲۶۷) — مخزن نور پیر کل ولی (۱۲۶۷)

ہفتم پنجشنبہ شہر صفر (۱۲۶۷) — خواجہ دین پاک کرد سفر (۱۲۶۷)

مرقد برگزیدہ در تونسہ (۱۲۶۷) — میدہد خلق طوفش بوسہ (۱۲۶۷)

وصل العارف خفی و جلی (۱۲۶۷) — کامل الاولیاء ختم ولی (۱۲۶۷)

فضل زد سال وصل میگو (۱۲۶۷) — کعبہ فیض قبلۂ عالم (۱۲۶۷)

۲- مناقب المحبوبین ص ۳۲۳

۱- راحت العاشقین و مناقب المحبوبین ص ۳۲۳

۲- مناقب المحبوبین ص ۳۲۳

حضرت خواجہ محمد سلیمان نے آپ کو اجازت و خلافت بھی عطا فرمادی تھی ، لیکن حضرت خواجہ کی زندگی ہی میں پچاس سال کی عمر میں ۱۱ر رمضان المبارک ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء کو آپ کا انتقال ہوگیا۔[۱]
آپ کے دو صاحبزادے تھے۔

(۱) خواجہ اللہ بخش (۲) خواجہ خیر محمد

خواجہ محمد سلیمانؒ کی وفات کے بعد خواجہ اللہ بخشؒ آپ کے جانشین ہوئے۔ ان کے حالات باب سوم میں پیش کیے گئے ہیں۔

۲۔ خواجہ درویش محمد۔ آپ چودہ سال کی عمر میں ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء میں فوت ہوگئے۔[۲]

۳۔ عبداللہ۔ آپ کا انتقال صغر سنی میں ہوگیا۔[۳]

خلفائے روحانی

خواجہ محمد سلیمان تونسوی ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء سے ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء تک مسندِ ارشاد پر متمکن رہے۔ اس عرصہ میں برعظیم پاک و ہند کے علاوہ افغانستان عربستان اور ترکستان کے کئی جید عالم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منازل سلوک طے کر کے خرقہ ہائے خلافت حاصل کیے۔ اور جگہ جگہ سلسلۂ چشتیہ کی خانقاہیں قائم کیں۔ مغربی پاکستان میں آپ کے مشہور خلفا، جن کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ حسب ذیل ہیں :-

۱ مولانا محمد علی مکھڈیؒ (م ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء) مکھڈ شریف (ضلع کیمبلپور)

۲ خواجہ شمس الدین سیالوی (م ۱۳۰۰ھ/۱۸۶۶ء) سیال شریف (ضلع سرگودھا)

۳ خواجہ فیض بخش للہی (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) للہ شریف (ضلع جہلم)

(ان بزرگوں کے حالات باب چہارم میں پیش کیے گئے ہیں)

ان کے علاوہ آپ کے خلفاء میں سے حسب ذیل حضرات بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں :-

۱ خلیفہ محمد باران خان صاحب کلاچی (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) (م ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء)

۲ مولانا احمد تونسوی ۔ تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خان) (م ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء)

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۳۲۵ ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۲۵

۳۔ مناقب المحبوبین ص ۳۲۷

(۳) حافظ سید محمد علی خیرآبادی - خیرآباد (اودھ - ہندوستان) (م ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء)

(۴) حاجی نجم الدین مصنف مناقب المحبوبین - شیخاواٹی (راجپوتانہ - ہندوستان) (م ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء)

(۵) خواجہ محمد فاضل شاہ - گڑھی افغانان (ضلع راولپنڈی) (م ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء)

(۶) مولوی سرفراز خان فریدی - ڈیرہ اسماعیل خان

(۷) مولانا محمد حیات دہلوی - دہلی (ہندوستان) (متوفی بعداز ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء)

(۸) شاہ حسن عسکری دہلوی - دہلی (ہندوستان) (م ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء)

(۹) سید امام علی شاہ - جہتی (ضلع سرگودھا)

(۱۰) مولوی دیدار بخش پاکپٹنی - پاک پٹن - ۱

(۱۱) مولوی محمد حسین پشاوری ثم تونسوی مصنف حسام الاسلام - ۲

ملفوظات اگرچہ حضرت خواجہ محمد سلیمان نے خود کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی - تاہم آپ کے ملفوظات اور حالات کو آپ کے فاضل مریدین نے جمع کیا - جن میں سے بعض خطی اور بعض مطبوعہ ہیں - تفصیل حسب ذیل ہے:

ا۔ خطی (فارسی)

نام کتاب	نام نویسندہ کتب	نام کاتب	تاریخ کتابت	نام کتب خانہ
۱۔ راحت العاشقین	مولوی محمد	مولوی محمد	۱۲۷۵ھ	ٹھٹھ شریف
۲۔ رسالہ در مسائل فقہ	مولوی عبدالغفار	مولوی عبدالغفار	-	تونسہ شریف
۳۔ ملفوظات خواجہ محمد سلیمان	مولوی غلام حیدر	-	-	نایاب
۴۔ مناقب شریف	حافظ احمد یار پاکپٹنی	-	-	نایاب
۵۔ منتخب المناقب	یار محمد ذوقی	یار محمد ذوقی	۱۲۹۶ھ	ٹھٹھ شریف
۶۔ نافع السالکین	مولانا امام الدین پاکپٹنی	-	۱۲۸۲ھ	ٹھٹھ شریف

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۳۳۷ تا ۳۳۸ و تذکرۃ المشائخ ص ۱۶۷ تا ۱۶۸

۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۳۸

(ب) مطبوعہ (فارسی)

	نام کتاب	نام نویسندہ/مرتب	تاریخ طباعت	محل طباعت
۱-	مناقب سلیمانی	غلام محمد خان	۱۲۸۸ھ	دہلی
۲-	مناقب المحبوبین	حاجی نجم الدین	۱۳۱۲ھ	لاہور
۳-	نافع السالکین	مولانا امام الدین	۱۲۸۵ھ	لاہور

(ج) مطبوعہ (اُردو)

	نام کتاب	نام نویسندہ/مرتب	تاریخ طباعت	محل طباعت
۱-	تذکرۃ المشائخ	مولا بخش بھنڈوی	۱۳۰۴ھ	فیروزپور
۲-	خاتم سلیمانی	اللہ بخش بلوچ	۱۳۲۵ھ	لاہور
۳-	سیرت سلیمان	مولوی صالح محمد	۱۹۳۵ء	لاہور

فصل چہارم

اخلاق و آداب خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

اخلاق و آداب

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ منصب ارشاد پہ فائز تھے۔ دوسروں کی روحانی تکمیل وہی کر سکتا ہے اور اخلاق کا سبق وہی دے سکتا ہے جو خود انسانیت کا اعلیٰ نمونہ اور بلند اخلاق کا حامل ہو اور جس کی سیرت بے داغ ہو۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی سیرت تمام پیشوایانِ روحانی کی طرح بے داغ اور آپ کا اخلاق بہت بلند تھا۔ آپ کے تمام اقوال و افعال سیرت نبوی کا سچا نمونہ اور مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ تھے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں مشکوٰۃِ نبوت سے بڑھ کر اور کوئی نور نہیں جس سے ہدایت و روشنی حاصل کی جائے۔ سچا صوفی وہی ہے جو ہوائے نفس سے پاک اور ظاہر و باطن میں شریعت مصطفوی کا پیرو ہو۔ چنانچہ شیخ ابو علی رودباری "صوفی" کی تعریف میں فرماتے ہیں :-

"الصوفی من لبس الصوف علی الصفا و اذاق الھویٰ طعم الجفا و لزم طریق المصطفیٰ وکانت الدنیا منه علی القفا"

صوفی وہ ہے جو صفائے قلب کے ساتھ صوف پوشی کرتا ہے اور ہوائے نفسانی کو سختی کا مزہ چکھاتا ہے اور شرعِ مصطفوی کو لازم کر لیتا ہے اور دنیا کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے [۱]

اس نقطۂ نگاہ سے آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک سچے اور کامل صوفی تھے۔ اور آپ کے تمام اخلاق و عادات سنت نبوی کے مطابق تھے۔ مولانا امام الدین لکھتے ہیں :-

"روزی حضرت من پیش علماء حواشی ... ایک روز میرے حضرت (خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ) نے

---

۱ - قرآن اور تصوف ص۱۔ بحوالہ تائید الحقیقۃ العلیا۔

نشینان گفت کہ در رؤیا خود را دیدم کہ در زیرِ ہر دو پائے من مصحف حمید و قرآن مجید است و بروی استادہ ام، تعبیر ایں خواب چہ باشد؟ ہمگنان در تعبیر ایں خواب فرو ماندند پس مولوی محمد عابد سوکری علیہ الرحمۃ را کہ عالم متبحر و متدین بود، طلب نمودند، و پیش آں اظہار فرمودند، مولوی صاحب خدمت بجا آوردہ گفت: بشارت باد زیرا کہ مصحف شریف عین شریعت است۔ ہر دو قدم ذات مبارک بر جادۂ شریعت در جمیع ازمنہ مستحکم اند و بودہ باشند۔" ۱

اپنے حاشیہ نشین علماء سے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے دونوں پاؤں کے نیچے قرآن مجید ہے اور میں اوپر کھڑا ہوا ہوں۔ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟۔ سب علماء اس خواب کی تعبیر دینے سے عاجز رہے آخر مولوی محمد عابد سوکری علیہ الرحمۃ کو، جو کہ بڑے متبحر اور دیندار عالم تھے، بلایا گیا، اور اُن کے سامنے خواب بیان فرمایا، مولوی صاحب نے آداب بجا لا کر کہا کہ آپ کو مبارک ہو، کیونکہ قرآن مجید عین شریعت ہے، اور آپ کے دونوں قدم جادۂ شریعت پر ہمیشہ قائم رہے ہیں اور آئندہ بھی قائم رہیں گے۔

آپ کی سیرت میں حسب ذیل اوصاف بہت نمایاں ہیں۔

۱۔ توکل و استغنا

حضرت خواجہ تونسوی کی اعلٰے سیرت کا مرکزی نقطہ حق تعالے پر کامل توکل تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کو استغنائے قلب نصیب تھا

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی فرماتے ہیں:-

"حضرت خواجہ تونسوی رضی اللہ عنہ در مرتبۂ تجرید بنہایت کمال بودند، چنانچہ ہزار نفر مقیمی و تخمیناً پانصد مہمان بحضور آنحضرت بودندی، با وجود چنین خرچ ہیچ سبب ظاہری مقرر نہ ساختہ بودند"

حضرت خواجہ تونسوی تجرید و تبتّل میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے چنانچہ ایک ہزار آدمی مقیمی اور تقریباً پانچ سو مہمان روزانہ حضرت کی خدمت میں رہتے تھے۔ اتنے خرچ کے باوجود آمدن کا کوئی ظاہری ذریعہ مقرر نہیں تھا

۱۔ نافع السالکین ص ۲۷

"آنحضرت مانند مردی اجنبی مجرد نشستہ بودند" ۱ | اور آنجناب ہر چیز سے ایسے بے تعلق تھے جیسے کوئی اجنبی ہوں۔

حضرت خواجہ تونسوی کی اس سیرت کو دیکھ کر اقبال کے "مردِ مومن" کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات | ہر دو جہان سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل | اس کی ادا دلفریب اس کی نگاہ دلنواز ۲

(ب) غیرت و حمیّت دینی

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی چونکہ ایک غیور قوم کے فرد تھے، اس لیے آپ میں غیرت و خودداری بہت تھی لیکن اس کا اظہار اس وقت ہوتا جب کہ کفر و اسلام کا یا ظالم و مظلوم کا مقابلہ ہوتا۔ آپ ہمیشہ حق کی حمایت کرتے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

حسن خان جعفر خانی، علاقہ دُرگ کے پٹھانوں کا سردار، بڑا ظالم آدمی تھا۔۳ ایک مظلوم اُس کے ظلم سے تنگ آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فریاد کی۔ آپ نے فرمایا وہ یہاں آنے والا ہے۔ میں اسے سمجھاؤں گا۔ جب وہ آیا تو آپ نے اسے نصیحت کی اور فرمایا:-

"ای حسن خان! از جبّاری و قہّاری حق تعالیٰ نمی ترسی کہ بناحق برادران و مخلوقِ خدا را می رنجانی" ۴ | اے حسن خان! حق تعالیٰ کی جبّاری اور قہّاری سے نہیں ڈرتے ہو کہ ناحق اپنے بھائیوں کو اور مخلوقِ خدا کو تنگ کرتے ہو۔

لیکن وہ گستاخی سے پیش آیا۔ آپ نے تحمل کیا اور خاموش رہے۔ دوسرے روز حسن خان گھوڑے پر سوار ہو کر چلا۔ دو تین میل گیا تھا کہ اس کے پیٹ میں درد اٹھا۔ واپس لوٹا اور حضرت تونسوی کے اصطبل میں آگرا اور تھوڑی دیر بعد مر گیا۔ ۵

۱۔ مراۃ العاشقین ص ۱۱۹
۲۔ بال جبریل ص ۱۳۲
۳۔ مناقب المحبوبین ص ۲۱۴
۴۔ مناقب المحبوبین ص ۲۱۴
۵۔ مناقب المحبوبین ص ۲۱۴

ج۔ درویش نوازی وغریب پروری

خواجہ تونسوی کی تمام اوصاف عالیہ میں سے غریب پروری اور درویش نوازی کی صفت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ آپ کے لنگر سے ہزار دو ہزار مساکین و فقراء دونوں وقت کھانا کھاتے تھے۔ [۱]

مولوی احمد علی لکھتے ہیں :۔

"خانقاہی وسیع ولنگری فراخ داشت کہ شبارروزی ہزار دو ہزار مسافر ومقیم آرام پذیر و شکم سیر می شدند۔" [۲]	آپ کی خانقاہ وسیع اور لنگر خانہ بہت بڑا تھا جس میں دن رات میں ہزار دو ہزار مسافر اور مقیم آرام کرتے تھے اور شکم پری کرتے تھے۔

مولوی محمد مصنف "راحت العاشقین" لکھتے ہیں :۔

"ہر چیزیکہ از جناب وہاب مطلق میسر می شد فی الحال در تصرف وخرچ فقراء صرف می فرمودند۔" [۳]	جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے میسر آتی تھی اسی وقت درویشوں اور فقیروں پر خرچ کر دیتے تھے۔

آپ کی اسی مسکین نواز فطرت کا خیال کرتے ہوئے آپ کے وصال پر آپ کے ایک مرید محمد یار ابوالوفا نے آپ کی وفات کا مادۂ تاریخ بھی "غربا نواز" سے نکالا۔ [۴]

لنگر کے خرچ کے علاوہ، جو کچھ آپ کے پاس آتا تھا وہ علماء، فقراء اور غربا میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ حافظ نور احمد خاکوانی نے بارہ ہزار روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے سات ہزار روپیہ تو مہار شریف کے صاحبزادگان کی خدمت میں بھیج دیا اور پانچ ہزار خانقاہ کے علماء و فقراء میں تقسیم کر دیا۔ [۵]

مصنف "مناقب سلیمانی" لکھتے ہیں :۔

"وقتی نواب صادق محمد خان مرحوم بہاولپوری	ایک دفعہ نواب صادق محمد خان مرحوم بہاولپوری

۱۔ مناقب سلیمانی صـ ۳۲
۲۔ قصر عارفان۔
۳۔ راحت العاشقین۔
۴۔ مناقب المحبوبین صـ ۳۱۹
۵۔ نافع السالکین صـ ۳

(۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء - ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء) نے چند ہزار روپیہ بطور نذرانہ پیش خدمت کیا۔ حضرت خواجہ نے اُسی وقت درویشوں غریبوں اور اہلِ حاجت میں تقسیم فرما دیا۔

چند ہزار روپیہ بطریق نذر بنظر اشرف گزرانید، حضرت خواجہ ہماں وقت بفقرا و غربا و اہل حوایج تقسیم فرمود۔"[1]

اس بخشش میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز نہ تھی۔ ایک دفعہ ایک سفر میں آپ نے ایک ہندو ہمراہی کو گھوڑی عطا فرمائی۔[2]

جذبۂ عشق و ذوقِ سماع

سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں کے مخصوص احوال و شعائر میں سے ایک کیفیت محبت الٰہی کی ہے جس کو "نسبت عشق" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اس "نسبت عشق" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اور منجملہ ان کے نسبت عشق کی ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندۂ مومن جو اعتقاد رکھتا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ موصوف ہے بجمیع صفات الکمال، تو اپنے کمال کو اس کی یاد میں منحصر سمجھتا ہے۔ اس کے بعد ہمیشہ اللہ تعالےٰ شانہٗ کے نام کو یاد کرتا ہے اور اس کی نعمتوں اور عنایتوں کو ملاحظہ کرتا ہے۔ اس حالت پر مداومت کرنی اس کے دل میں بیقراری، اضطراب و قلق اور جوش کی صفت پیدا کرتی ہے اور روز بروز یہ کیفیت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔"[3]

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ آپ کے اندر جذبۂ محبت الٰہی بدرجہ کمال تھا۔ اور آپ کے اصحاب اور مریدین بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ دور دور سے زاہدانِ خشک آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور چند دن آپ کی صحبت میں رہ کر اور محبت الٰہی کی حرارت حاصل کر کے مادی دنیا کے مُردہ قلوب کو عشقِ حقیقی کی حرارت اور زندگی عطا کرتے۔

۱۔ مناقب سلیمانی ص ۳۴   ۲۔ مناقب سلیمانی ص ۳۰

۳۔ ہمعات (اردو ترجمہ) موسوم بہ قطرات ص ۵۸

مجالس میں بھی آپ عام طور پر "محبت الٰہی" اور "عشق حقیقی" پر گفتگو فرماتے۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا

"در تمہید عین القضاۃ ہمدانی" دیدہ شد که عشق آتش است ہر جا که باشد جز او دیگر رخت بر بندد، ہم سوزد و لبوں اندو برنگ خود گرداند .... و فرمودند که بخدا رسیدن فرض و لابد است وسوائے عشق بخدا رسیدن مشکل، ازیں معنی عشق ورزیدن ہم فرض و لابد است"۔ ۱	"تمہید عین القضاۃ ہمدانی" میں نظر سے گذرا ہے کہ عشق آگ ہے۔ جہاں عشق آتا ہے وہاں سے باقی سب چیزیں رخصت ہو جاتی ہیں۔ جلتا بھی ہے جلاتا بھی ہے اور اپنے ہم رنگ کر دیتا ہے اور فرمایا کہ خدا تک پہنچنا فرض اور ضروری ہے۔ اور عشق کے بغیر خدا تک پہنچنا مشکل ہے۔ اس لحاظ سے عشق پیدا کرنا بھی فرض اور ضروری ہے۔

محبت الٰہی کی یہی وہ حرارت ہے۔ جس کی تسکین کے لیے مشائخ سلسلہ چشتیہ بعض اوقات سماع سے شغف رکھتے تھے اور سماع کو عشق حقیقی کی غذا سمجھتے تھے[2] خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی کا ارشاد ہے:

"سماع حق مریدان و معتقدان و اصحاب ریاضت است۔ چون نفس و تن ہلاک شود۔ او را حق الیست "ان لنفسک علیک حقا" یعنی بدرستیکہ برای نفس تو بر تو حق است۔ چون زمانی از سماع بیاساید۔ باز او را بر کاری بر بند"۔ ۳	سماع مریدوں اور اہل مجاہدہ و ریاضت کا حق ہے۔ جب نفس اور تن مجاہدہ میں ہلاک ہو جائے (سماع) اس کا حق ہے۔ ان لنفسک علیک حقا یعنی بیشک تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔ جب کچھ وقت کے سماع سے تازہ دم ہو جاتا ہے۔ پھر اسے کام میں لگایا جاتا ہے

۱۔ منتخب المناقب

۲۔ سماع کی حلت و حرمت کے بارے میں علماء اور فقہا میں اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ احمد جمال الدین ہانسوی رح (م ۶۵۷ھ/ ۱۲۵۶ء) کی حسب ذیل رباعی حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے ؎

تا حکم سماع را بدانی در حال ۔۔۔ در حرمت و حلتش سخن گفت جمال

اصحاب نفوس را حرام است حرام ۔۔۔ ارباب قلوب را حلال است حلال ۔ نزہتہ الخواطر ص ۱۹۲

۳۔ سیر الاولیاء ص ۱۹۸

چنانچہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ بھی ذکرِ الٰہی اور ریاضت شاقہ کے بعد غلبۂ محبت الٰہی کے وقت سماع کی طرف توجہ فرماتے۔

مولانا امام الدین تحریر کرتے ہیں :۔

"حضرت قبلۂ من احمد قوال را فرمودند کہ غزلہای دیوان ابن یمین یاد بکن، بوقت تہجد یا دیگر وقت سماع خواہیم نمود کہ تاثیر بسیار دارند، و نیز حضرت قبلۂ من (خواجہ محمد سلیمان) قدس سرہ سماع بعد از نماز تہجد بسیار عزیز داشتندی"۔[1]

میرے حضرت قبلہ (خواجہ محمد سلیمانؒ) نے قوال سے فرمایا کہ ابن یمین کے دیوان سے غزلیں یاد کرلو۔ بوقت تہجّد یا کسی دوسرے وقت ہم سماع کریں گے کیونکہ بہت پُر تاثیر ہیں۔ نیز میرے قبلہ قدس سرہٗ سماع کو نماز تہجد کے بعد بہت عزیز رکھتے تھے۔

خود حضرت خواجہ تونسویؒ کی سماع کے بارے میں جو رائے تھی وہ ایک مرتبہ آپ نے پاک پٹن شریف میں ایک نقشبندی بزرگ مولانا غلام محی الدین قصوری[2] (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) کے استفسار پر اس طرح بیان فرمائی :۔

"فرمودند کہ صاحبا! سرود بمراتب عشق تعلق دارد و سماع آں دردمندانِ عشق را دوائی است و حضرت ذوالنون مصریؒ فرمودہ است "السماع وارد الحق یزعج القلب الی الحق"، پس آں میاں صاحب (غلام محی الدین قصوری) عرض کرد کہ یا حضرت!

فرمایا اے صاحب! سماع کا تعلق درجاتِ عشق سے ہے اور سماع دردمندانِ عشق کی دوا ہے حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا ہے۔ سماع ایک ایسا واردِ حق ہے جو دل کو حق تعالےٰ کی جانب ابھارتا ہے۔ اس کے بعد میاں صاحب (مولانا غلام محی الدین قصوریؒ) نے عرض کیا کہ اے

۱۔ نافع السالکین ص ۱۴۷

۲۔ مولانا غلام محی الدین قصوری سلسلہ نقشبندیہ کے نامور بزرگ اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے خلیفہ تھے۔ پنجاب میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت کی۔ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں فوت ہوئے اور آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرسول آپ کے جانشین ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں سے مولانا غلام نبی للّٰہی (م ۱۳۰۶ھ) تھے (حالات مشائخ نقشبندیہ ص ۱۸۱)

دریایانِ عشق و آں " واردالحق" نیست،	حضرت! ہمارے اندر تو وہ عشق اور وارد حق نہیں
حضرت فرمودند کہ خبرِ شما بہ شما است،	ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارے حال کی خبر
لیکن ؎	تم کو ہوگی۔ لیکن ؎

منزلِ عشق از مکانی دیگر است مرد ایں رہ را نشانی دیگر است

لیکن منزلِ عشق کی دنیا دوسری ہے اور اس راہ کے راہ رَو کا نشان و پتہ کچھ اور ہی ہے

او عرض کرد کہ منزلِ عشق کرا حاصل است؟	انہوں نے (علام محی الدین قصوری) عرض کیا کہ منزل
در جواب فرمودند کہ	عشق کس کو حاصل ہے۔ جواب میں فرمایا :۔
عاشقان خواجگان چشت را	عاشقان خواجگان چشت کو
باز آں میاں صاحب گزارش کرد کہ	پھر میاں صاحب نے عرض کیا کہ اہلِ عشق کو
اہلِ عشق را در کارِ عشق چہ مطلوب و چہ	عشق کے کام میں کیا درکار ہے اور اس سے
مراتب حاصل آید؟۔	کونسا مرتبہ حاصل ہوتا ہے؟۔
ذات آں فخرالاولیاء (خواجہ محمد سلیمان)	آں فخرالاولیا یعنی خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہٗ
قدس سرہٗ فرمودند کہ در کارِ عشق مرتبہ	نے فرمایا کہ عشق کے کام میں مرتبہ تسلیم و رضا
تسلیم حاصل آید، بعدہٗ ایں بیت خواندند ؎	حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانی دیگر است" [1]

عرفانی مسلک

معرفتِ الٰہی کے بارے میں صوفیا کے دو مشہور مسلک ہیں۔

(۱) وحدت الوجود (۲) وحدت الشہود

مسلک " وحدت الوجود" حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی[2] (م ۶۳۸ ھ/۱۲۴۰ء) سے

۱۔ منتخب المناقب

۲۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، مرسیہ (اندلس) میں ۱۷ رمضان ۵۶۰ ھ میں پیدا ہوئے۔ خرقہ خلافت ابوالحسن علی عبداللہ بن جامع سے حاصل کیا۔ نیز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی ایک واسطہ سے خرقہ حاصل کیا۔ نظریہ " وحدت الوجود" کو سب سے پہلے آپ نے ہی علمی طور پر پیش کیا۔ آپ کی

منسوب ہے اور مسلک "وحدت الشہود"، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) سے ۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اپنے مشائخ کرام کی طرح اپنا عرفانی مسلک "وحدت الوجود" کا رکھتے تھے ۔ اسی مسلک کی بعض کتابیں یعنی تصانیف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور تصانیف مولانا عبدالرحمٰن جامی، آپ نے اپنے مرشد خواجہ نور محمد مہاروی سے پڑھی تھیں[2] ۔ اور انہی کو اپنے خلفا اور خواص مریدین کو پڑھاتے رہے ۔[3]

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ ۔ تصانیف پانچ سو سے زائد ہیں ۔ جن میں سے فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ زیادہ مشہور ہیں ۔ علماء و مشائخ میں سے ایک طبقہ آپ کا منکر اور ایک طبقہ معترف ہے ۔ شیخ صدر الدین قونیوی رح، شیخ مؤید الدین جندی اور مولانا عبدالرحمٰن جامی آپ کے نظریہ کے خصوصی شارحین میں سے ہیں ۔ آپ ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں فوت ہوئے ۔ مزار مبارک دمشق میں ہے ۔ نفحات الانس صہ ۴۹۲ تا صہ ۵۰۴

۱ ۔ شیخ احمد سرہندی ۔ برعظیم کی معروف شخصیت ہیں ۔ والد کا نام شیخ عبدالاحد فاروقی ہے ۔ ۹۷۱ھ میں سرہند (پنجاب) میں پیدا ہوئے ۔ شیخ کمال الدین کشمیری اور شیخ یعقوب محدث کشمیری سے علم دین حاصل کیا ۔ قاضی بہلول بدخشی سے اجازت روایت حدیث حاصل کی ۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ اور سلسلہ قادریہ میں اپنے والد شیخ عبدالاحد سے خرقہ خلافت حاصل کیا ۔ پھر خواجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا ۔ علماء و مشائخ وقت نے آپ کو ہزارے کا مجدد تسلیم کیا ۔ آپ کے فیوض و برکات برعظیم پاک و ہند کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک تک پہنچے ۔ آپ ہی نے سب سے پہلے نظریہ "وحدت الشہود" پیش کیا لیکن شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی بھی تصدیق کی ۔ ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء میں فوت ہوئے ۔ مزار مبارک سرہند (مشرقی پنجاب) میں ہے ۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں ۔ آپ کے مکتوبات آپ کے علم و فضل کے آئینہ دار ہیں ۔

تذکرہ مجدد الف ثانی صہ ۲۲ تا ۲۸۸ و مقدمہ انوار الباری صہ ۱۷۹

---

۲ ۔ ملاحظہ ہو باب دوم ۔ فصل دوم ۳ ۔ نافع السالکین صہ ۱۶۳

روابط با مشائخ معاصر

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے معاصر مشائخ آپ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے مرشد خواجہ نور محمد مہارویؒ کے صاحبزادگان اور نبیرگانؒ جو خود صاحبان سجادہ تھے۔ آپ کو اپنا مخدوم سمجھتے تھے اور نبیرگانِ خواجہ نور محمد مہارویؒ میں سے صاحبزادہ نور بخش، صاحبزادہ غلام نبی اور صاحبزادہ قطب الدین نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور آپ نے ان کو خلافت عطا فرمائی تھی۔[1]

اسی طرح خواجہ فخر الدین دہلوی کے پوتے مولانا غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب (م ۱۲۶۲ھ / ۱۸۳۵ء) جو اپنے والد مولانا قطب الدین (م ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء) کے مرید و خلیفہ تھے۔ دہلی سے حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کی خدمت میں تونسہ شریف حاضر ہوئے اور آپ سے اکتساب فیض کیا۔ آپ نے ان کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔[2] میاں نور محمد نارووالی[3] حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے بڑے خلفا میں سے تھے۔ علاقہ سنگھڑ میں ان کے بہت سے مرید تھے۔ ایک دفعہ سنگھڑ کے سفر میں میاں نور محمد صاحب اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی کا ساتھ ہو گیا۔ میاں صاحب کبیر السن تھے اور گھوڑے پر سوار تھے۔ خواجہ صاحب نوجوان تھے اور پیدل سفر کر رہے تھے۔ میاں صاحب خواجہ صاحب کو دیکھتے ہی سواری سے اُتر آئے اور بڑے اصرار سے خواجہ صاحب کو سوار کر دیا اور خود باوجود پیرانہ سالی کے پیدل چلنے لگے۔ میاں صاحب کے مریدین کو یہ بات ناگوار گزری۔ آپ کو ان کی ناگواری کا علم ہوا، تو فرمایا:

"شمارا شان و درجہ ایں طفلک روہیلہ معلوم نیست، ہر آنکس را کہ ملائک آسمانی سجدہ کنند، و نور بر فرقش انداز ند، و آرزومند گرفتن فتراکش باشند، او پیادہ رود و من سوار روم، ایں کجا روا باشد؟ ایں آنکس است کہ بعد از چند مدت تمام

تم کو اس پٹھان لڑکے کی شان اور مرتبہ کا علم نہیں ہے۔ جس کسی کے آگے آسمان کے فرشتے سجدہ کریں اور اس پر نور افشانی کریں اور اس کی غلامی کے آرزومند ہوں۔ وہ پیادہ پا چلے اور میں سوار ہو کر جاؤں۔ یہ کہاں جائز ہے؟ یہ وہ شخص ہے کہ کچھ مدت کے بعد سارا جہان

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۱۶۳ ۲۔ تذکرہ اولیائے ہند ص ۱۴۸

۳۔ میاں نور محمد نارووالی بن صالح محمد، خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ حاجی پور (سندھ)

(جاری)

جہان از نورِ فیض او منور خواہد شد"۔ [1] اُس کے نورِ فیض سے منور ہوگا۔

حضرت قاضی محمد عاقل کوٹ مٹھنی [2] (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) اور حضرت حافظ محمد جمال ملتانی [3] (م ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء) حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے اعاظم خلفاء میں سے تھے۔ اور قاضی محمد عاقل رح خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے استاد بھی تھے۔ اس کے باوجود یہ دونوں حضرات خواجہ صاحب کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے اور اہم معاملات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ نواب محمد بہاول خان ثانی (۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء — ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء) نے خواجہ نور محمد مہاروی کے صاحبزادگان کی جاگیر ضبط کر لی۔ خواجہ نور محمد مہاروی کے عرس کے موقع پر تمام خلفاء و علماء اکٹھے ہوئے اور مجلس خانہ میں ایک مجلس مشاورت قائم کی اور یہ قرار پایا کہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کو نواب صاحب کے پاس بھیج کر صاحبزادگان کی جاگیر واگذار کرانی چاہیئے۔ [4] اس وقت حضرت خواجہ تونسوی دوسری جگہ تشریف فرما تھے۔ قاضی محمد عاقل نے حافظ محمد جمال صاحب سے کہا کہ آپ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کو یہاں لے آئیں۔ حافظ صاحب موصوف خواجہ صاحب کو مجلس خانہ میں لے آئے تو قاضی صاحب کی طرف سے حافظ صاحب نے خواجہ صاحب سے کہا۔

"ای غریب نواز! این تمامی صاحبزادگان	اے غریب نواز! یہ تمام صاحبزادگان اور علما
و فرقہ علماء کہ نشستہ اند بطریقِ میلہ (وفد)	جو کہ یہاں موجود ہیں، جناب کی خدمت میں بطور
بحضورِ شما بہ این مراد آمدہ اند کہ محمد بہاول	وفد اس لیے آئے ہیں کہ نواب محمد بہاول خان،
خان جاگیرات و معمولاتِ صاحبزادگان	صاحبزادگان کی جاگیر اور وظائف کبھی ضبط کر

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ۔ کے رہنے والے تھے۔ بعد ازاں نارووالہ کے مقام پر مدرسہ و خانقاہ قائم کی۔ اپنے مرشد کے ہمراہ خواجہ فخر الدین دہلوی کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے تو خواجہ فخر الدین نے ان کو دیکھ کر خواجہ نور محمد مہاروی سے فرمایا: "مارا از چشمانِ ایشان عشق بنظر می آید" آپ صاحب وجد و سماع تھے اور سلوک کی منازل عالیہ طے کی تھیں۔ جمادی الاول ۱۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار حاجی پور میں ہے۔ مناقب المحبوبین ص ۱۰۵

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۱۲۹

۲۔ رجوع کنید باب اوّل فصل سوم

۳۔ رجوع کنید باب اوّل فصل سوم

۴۔ مناقب المحبوبین ص ۱۹۶

گاہی خلاص می سازد و گاہی بندی نماید۔ بند و لبست کردن ایں امر ضرور است۔"[1] — کر لیتا ہے اور کبھی واگذار کر دیتا ہے۔ اس معاملہ کا فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ آپ بہاول پور روانہ ہوئے۔ نواب صاحب کو معلوم ہوا تو خود استقبال کے لیے چند کوس آگے آئے اور آپ کی سواری کی باگ پکڑ کر احمد پور کے مقام پر آپ کو لے گئے۔ آپ نے نواب صاحب کو سخت سُست کہا۔ نواب صاحب نے معافی مانگی اور جاگیر واگذار کر دی۔[2]

شاہ محمد باقر چشتی رح[3] سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگ تھے۔ ایک دفعہ پاک پٹن شریف کے مقام پر خواجہ تونسوی کے مرید مولوی قادر بخش سے فرمانے لگے کہ تم کو معلوم ہے کہ تمہارے پیر (خواجہ محمد سلیمان تونسوی) کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ جناب ہم ظاہر بین تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ آپ کو استقامت بر شریعت حاصل ہے اور کچھ معلوم نہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا :۔

مقام ایں حضرت (خواجہ تونسوی) بس اعالی است، و نام آں مقام، مقامِ محبوبی است کہ فوق آں مقام دیگر نیست۔"[4]	حضرت خواجہ تونسوی کا مقام بہت بلند ہے اور اس مقام کا نام "مقامِ محبوبیت" ہے کہ اس سے اوپر اور کوئی درجہ و مقام نہیں ہے۔

میاں غلام قادر قصوری۔ بھی سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگوں میں سے تھے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کے عرس کے موقعہ پر پاک پٹن شریف میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا :

ای قبلہ! دریں زمان بہ سلسلۂ خواجگانِ چشت اہلِ بہشت ذات بابرکاتِ شما آفتاب جہاں تاب است، از توجہ و یادگیری مایان را فراموش نفرمائید، و ہر لحظہ مایان را از	اے قبلہ! اس زمانہ میں سلسلۂ خواجگانِ چشت اہلِ بہشت میں جناب کی ذات بابرکات آفتاب جہاں تاب کی مانند ہے۔ ہم کو اپنی توجہ اور یاد سے محروم نہ فرمائیں اور ہم کو ہمیشہ اپنے فیض باقیگان

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۱۹۷ ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۱۹۸

۳۔ شاہ محمد باقر چشتی سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگ سید محمد سعید عرف میران شاہ بھیک (م ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء) کے خلیفہ تھے۔ دیوان صاحب شیخ یار محمد سجادہ نشین درگاہ شیخ فریدالدین گنج شکر، اور ان کے تمام صاحبزادگان ان کے مریدین میں سے تھے۔ منتخب المناقب برگ ۱۲۰ ب

۴۔ منتخب المناقب برگ ۱۲۱ ا۔

سلکِ دعا طلبان وفیض پذیران ذاتِ خویش متصور می فرمودہ باشند،، ۱

اور دعا جویاں کے زمرہ میں تصوّر فرمائیں۔

حضرت خواجہ تونسوی نے جواباً فرمایا :

” ای میاں صاحب ! ذاتِ شما خود از چشتِ اہلِ بہشت است ، و ایں جانب صرف از نام گویان و اسم داشتۂ چشتیاں است حضرت ایشاں مارا بمہربانی خود مشمول الطافِ دلی می داشتہ باشند“ ۲

اے میاں صاحب ! آپ خود بزرگانِ چشت اہلِ بہشت میں سے ہیں ۔ میں تو صرف نام کا چشتی اور چشتیوں کا نام لینے والا ہوں ۔ جناب والا اپنی شفقت اور الطافِ دلی کو ہمارے شاملِ حال رکھیں ۔

روابط با امرای معاصر

امرا اور والیانِ ریاست میں سے شاہ شجاع درانی امیر افغانستان (۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء - ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء دوبارہ ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء - ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء) اور امیر دوست محمد خان بارک زئی امیر افغانستان (۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء - ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء دوبارہ ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء - ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) آپ کی خدمت میں عقیدتمندانہ حاضر ہوئے اور آپ سے دعا طلبی کی ۔ ۳

والیانِ ریاست بہاولپور میں سے نواب صادق محمد خان ثانی (۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء - ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء) آپ کے عقیدتمند اور نواب بہاول خان ثالث (۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء - ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء) آپ کے مرید تھے اور بارہا آپ کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضر ہوئے ۔ ۴

---

۱ ۔ منتخب المناقب برگ ۱۲۱ ا ۔ آپ کے ایک اور معاصر بزرگ شیخ محمد صالح کنجاہی نوشاہی اپنی کتاب ”سلسلۃ الاولیا“ میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں ۔ ”حضرت محمد سلیمان تونسوی دریں عہد کامل مردلیست در ظاہر و باطن صاحب کرامات و مقامات عالیہ ۔ سلسلۃ الاولیاء ص ۱۱۷

۲ ۔ منتخب المناقب برگ ۱۲۱ ب ۳ ۔ رجوع کنید باب ہشتم ۔ فصل اول ص ۹

۴ ۔ رجوع کنید ۔ باب ہشتم فصل اول ص ۹ تا ص ۱۱

باب سوم

جانشینانِ خواجہ محمّد سُلیمان در تونسہ شریف

فصل اوّل

خواجہ اللہ بخش تونسوی

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی وفات کے وقت آپ کے دو پوتے خواجہ اللہ بخشؒ اور خواجہ خیر محمد فرزندان خواجہ گل محمد موجود تھے۔ خواجہ تونسوی کا فیض روحانی خواجہ اللہ بخشؒ کو حاصل ہوا اور وہی آپ کے جانشین ہوئے۔

خواجہ خیر محمدؒ کے متعلق مولوی محمد مصنف "راحت العاشقین" لکھتے ہیں :-

"آں صاحب سخاو کان حیا در سادگی وآزادگی وصفا دلی نظیری ندارد" ۱

ان کی وفات ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ خواجہ عبدالرحمن وخواجہ گل محمد۔ ان دونوں کی اولاد اب تک تونسہ شریف میں موجود ہے۔ ۲

ولادت خواجہ اللہ بخش تونسوی

خواجہ اللہ بخش تونسوی تونسہ شریف میں ذی الحج ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت "زہی بیدار بخت" ہے۔ ۳

ابتدائی واعلیٰ تعلیم

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم مولوی محمد امین صاحب سے حاصل کی۔ مولوی محمد امین خواجہ

۱- راحت العاشقین برگ ۱۳ الف و ب ۲ مقدمہ تونسہ صـ

۳- مناقب المحبوبین صـ ۱۹۰ تا ۲۱۰

محمد سلیمان تونسویؒ کے مرید اور عالم باعمل تھے اس لیے خواجہ تونسویؒ نے اپنے پوتے کو تعلیم کے لیے انہی کے سپرد کیا۔ خواجہ اللہ بخش صاحب نے پہلے قرآن شریف پڑھا۔ پھر فارسی نظم و نثر اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد حدیث و تفسیر کی کتابیں بھی مولوی صاحب موصوف سے پڑھیں۔ علاوہ ازیں انشا پردازی اور خوش نویسی میں بھی مہارت حاصل کی۔ ۱

تصوف کی بعض کتابیں اپنے جدِ امجد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے پڑھیں۔ ۲

بیعت و خلافت

تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے اپنے جدِ امجد خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور ریاضت و مجاہدت کی زندگی اختیار کی۔ ابتدائے شباب میں شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بہترین لباس اور اعلیٰ سواری رکھتے تھے۔ لیکن بیعت کے بعد آپ نے فقر و درویشی اور ریاضت و مجاہدہ کی زندگی اختیار کی۔ ۳

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے صفر ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء میں سفرِ آخرت کی تیاری کی تو خواجہ اللہ بخشؒ بر سرِ بالین آئے۔ اور عرض کیا۔

"بابو (بابا) من از تو ہیچ چیز دیگر نمی خواہم بس ہمیں می خواہم کہ نعلین فقیراں ترا راست کنم۔" ۴

بابا میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ بس یہی چاہتا ہوں کہ آپ کے فقیروں کی جوتیاں سیدھی کرتا رہوں۔

حضرت خواجہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور آپ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"ونفخت فیہ من روحی" ۵ (یہ اشارہ تھا عطائے خلافت کی طرف) نیز ارشاد فرمایا: الحمد للہ! مراد من ایں چنیں بود، انشاء اللہ تعالیٰ مقبول حق خواہی شد، و بار بار ایں ابیات بر لفظ مبارک راندند"

الحمد للہ۔ میری مراد بھی یہی تھی۔ انشاء اللہ تعالیٰ حق تعالیٰ کے مقبول ہو گے اور بار بار یہ اشعار پڑھتے رہے۔

۱۔ خاتم سلیمانی ص ۱۹ تا ۲۱۰ و سوانح حضرت خواجہ اللہ بخش ص ۳

۲۔ خاتم سلیمانی ص ۲۰۵ ۳۔ مناقب المحبوبین ص ۳۳۲ و تذکرۃ المشائخ ص ۱۷۳

۴۔ مناقب المحبوبین ص ۳۳۱ ۵۔ مناقب المحبوبین ص

؎ آہن کہ بہ پارس آشنا شد فی الحال بہ صورت طلا شد

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغ مقبلان ہرگز نمیرد"۔ ۱

جانشینی حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے وصال کے تیسرے روز حضرت خواجہ کے اُن خلفا نے جو حضرت کے وصال کے وقت تونسہ شریف میں موجود تھے۔ خواجہ اللہ بخش رح کے سر پر دستارِ خلافت باندھی اور انہیں ان کے جدِّ امجد کے سجادے پر بٹھایا۔ ۲

حضرت خواجہ تونسوی رح نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے اوراد و وظائف کی کتاب "دلائل الخیرات" خواجہ اللہ بخش رح کے حوالے کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ اب ہم سے نہیں پڑھی جاتی، تم پڑھا کرو، نیز فرمایا تھا کہ خلفا اور مریدین کے شجروں پر میری طرف سے تم ہی دستخط کر دیا کرو۔ ۳

اشاعتِ سلسلہ خواجہ اللہ بخش رح نے مسند نشین ہو کر اپنے علم و تقویٰ، خلقِ عظیم اور لطف و کرم سے ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور حضرت کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ آپ کے زمانہ میں سلسلہ نے بہت ترقی کی۔ طالبانِ حق دور دور سے آپ کی خدمت میں اکتسابِ فیض کے لیے حاضر ہونے لگے۔ حاجی نجم الدین رقمطراز ہیں

"کارِ لنگر چنانکہ در زمانِ حضرت (خواجہ محمد سلیمان) بود از آں بیشتر درویشاں بخدمت ایشاں می مانند وکسی بہ طالب علمی وکسی در ذکر و اشغال مشغول اند، و ہر درویش را خدمت از نان و جامہ می کنند و از ہر ملک مثل خراسان و ہندوستان و دیگر جا بطلب خدا بخدمت ایں حضرت	لنگر کا کام جس طرح حضرت خواجہ محمد سلیمان رح کے زمانہ میں تھا، اس سے زیادہ درویش حضرت خواجہ اللہ بخش رح کی خدمت میں رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی علم پڑھتا ہے اور کوئی ذکر و شغل میں مشغول ہے۔ ہر درویش کی خدمت روٹی اور کپڑے سے کی جاتی ہے اور ہر ملک یعنی خراسان، ہندوستان اور دوسرے مقامات

۱۔ راحت العاشقین برگ ۱۲اب ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۲۹

۳۔ مناقب المحبوبین ص ۳۳۱

ثانی آمدہ بیعت می کنند و بمقصود اصلی خود رسیدہ باز می روند، و ہمچو جد خود ہر سال در بلدہ تاج سرور (مہار شریف) بر عرس حضرت قبلۂ عالم (خواجہ نور محمد مہاروی) باگروہ صدہا درویشاں می روند و در راہ و نیز در تاج سرور (مہار شریف) لنگر جاری می ماند، و نیز ہمچو جد بزرگوار خود یکسال درمیان دادہ دوم سال در بلدہ پاک پتن بر عرس حضرت گنج شکرؒ می روند و دریں ہر دو سفر مذکور ہزارہا خلق مرید ایشاں شوند"۔ ا

سے طالبانِ خدا حضرت ثانیؒ کی خدمت میں آکر بیعت ہوتے ہیں اور منزلِ مقصود کو پہنچ کر واپس لوٹتے ہیں۔ اور اپنے دادا (خواجہ محمد سلیمان) کی طرح ہر سال قصد تاج سرور (مہار شریف) حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے عرس پر سینکڑوں درویشوں کو ساتھ لے کر جاتے ہیں اور راستہ میں اور مہار شریف میں ہر جگہ لنگر جاری رہتا ہے۔ نیز اپنے دادا صاحب کی طرح ایک سال درمیان میں چھوڑ کر ہر دوسرے سال پاک پٹن شریف حضرت گنج شکرؒ کے عرس پر جاتے ہیں اور ان دونوں سفروں میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے مرید ہوتے ہیں۔

سفرِ دہلی مسند نشینی کے چند سال بعد آپ کو خواجگانِ چشت کے مزارات و مقامات کی زیارت کا شوق پیدا ہوا چنانچہ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں بہت سے مریدین کے ہمراہ اونٹوں اور گھوڑوں پر ایک بڑے قافلے کی صورت میں یہ طویل سفر اختیار فرمایا۔ تونسہ شریف سے مہار شریف آئے اور صاحبزادہ غلام فخر الدین مہارویؒ اور صاحبزادہ امام بخش مہارویؒ

ا۔ مناقب المحبوبین ص ۳۳۲۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اُس دور کے اعراس صلحا و صوفیا اور مشائخ کے بابرکت مجامع ہوتے تھے جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے لکھا ہے۔ ان اعراس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ بہت سے مشائخ جمع ہوتے تھے اور عام مسلمانوں کو ان سے استفادہ کا موقعہ ملتا تھا۔ بس ان فواید کے پیشِ نظر ان اعراس کا التزام تھا۔ عرسوں کو کوئی شرعی فریضہ نہیں سمجھا جاتا تھا اور آج کل کے اعراس کی طرح بدعات و خرافات اور منکراتِ شرعی بھی ان میں نہیں ہوتی تھی۔

کو ہمراہ لے کر بیکانیر کے راستے اجمیر شریف کو روانہ ہوئے۔ بیکانیر میں تین روز قیام فرمایا۔ بیکانیر کے بہت لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ والیٔ بیکانیر راجہ سردار سنگھ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے منظور نہیں کیا اور فرمایا :

"ما فقیریم از ملاقات ما یان ترا چہ سود؟ دریں جا نیائی" ۱	ہم فقیر ہیں۔ ہماری ملاقات سے تم کو کیا فائدہ ہوگا؟ یہاں نہ آؤ۔

بیکانیر سے ناگور تشریف لے گئے اور مزار حضرت خواجہ حمید الدین الصوفی السوالی ناگوری کی زیارت کی۔ اس علاقہ کے بہت لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ ناگور سے اجمیر شریف پہنچے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے مزار و خانقاہ کی زیارت کی۔ اجمیر شریف میں بہت لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ حاجی نجم الدین لکھتے ہیں :-

"مردمان آنجا پیش ایں فقیر می گفتند کہ چندیں مشائخ ہر خاندان دریں شہر می آیند و در آمدہ اند، اما ایں چنیں کسے شیخ نشد، و خادمان درگاہ شریف و نیز اولاد حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ اجمیریؒ) مرید ایں حضرت شدند"۔ ۲	وہاں کے لوگ اس فقیر کو کہتے تھے کہ ہر خاندان میں سے کتنے ہی مشائخ اس شہر میں پہلے بھی آئے ہیں اور اب بھی آتے رہتے ہیں۔ مگر ایسا شیخ کوئی نہیں آیا۔ درگاہ شریف کے خادم اور حضرت خواجہ اجمیریؒ کی اولاد کے لوگ حضرت کے مرید ہوئے۔

اجمیر شریف میں دس روز قیام کرنے کے بعد، جے پور تشریف لے گئے اور مولانا ضیاء الدین خلیفہ حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۴ء) کی خانقاہ میں تین روز قیام فرمایا۔

جے پور سے دہلی گئے۔ پہلے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ پھر خواجہ فخر الدین کے مزار پر گئے اور زیارت کی۔ بعد ازاں خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی اور ان کے خلیفہ شیخ کمال الدین علامہ کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ بہادر شاہ ظفر (۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء - ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء) کو آپ کے ورودِ دہلی کا علم ہوا تو آپ کی زیارت کے لیے درگاہ خواجہ

---

۱ - مناقب المحبوبین ص ۳۳۳
۲ - مناقب المحبوبین ص ۳۳۴

نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ دہلی میں ہاتھی پر سوار ہو کر آیا۔ [1]

ازاں بعد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار مبارک کی زیارت کی اور بعد فراغت مولانا نظام الدین نبیرہ حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہیں قیام فرمایا۔ وہیں دہلی کے اکابر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ [2] دہلی سے ہانسی تشریف لے گئے اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے مزار کی زیارت کی۔ سجادہ نشین اور ہانسی کے لوگ حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ ہانسی سے سرسہ گئے اور خواجہ عبد الشکور سالمی کے مزار کی زیارت کی۔ اس کے بعد مہار شریف سے ہوتے ہوئے تونسہ شریف واپس تشریف لائے۔ [3]

سفرِ حج

۴ رجمادی الثانی ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء کو حج کے لیے آپ ایک بڑے قافلہ کے ہمراہ تونسہ شریف سے روانہ ہوئے اور بذریعہ ریل ملتان سے لاہور اور لاہور سے دہلی پہنچے۔ پھر اجمیر شریف تشریف لے گئے اور بہت لوگوں کو واپس کر دیا۔ صرف اسّی آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے۔ صاحبزادہ محمود صاحب اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے اجمیر سے احمد آباد (گجرات) تشریف لے گئے۔ وہاں سے بمبئی گئے اور بذریعہ بحری جہاز جدّہ پہنچے وہاں سے مکہ معظمہ گئے۔ ڈیڑھ ماہ قیام کر کے واپس جدّہ آ گئے۔ اور جدّہ میں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ دو ماہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ پھر مکہ معظمہ آئے اور مناسک حج ادا کر کے واپسی کا سفر اختیار کیا۔ جدّہ سے بمبئی پہنچے اور بذریعہ ریل ۲۷ محرم ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء کو بمبئی سے تونسہ شریف پہنچ گئے۔ [4] اس سفر میں اکابر مشائخ و علماء حرمین شریفین سے آپ کی ملاقات ہوئی۔

توسیع عمارات

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے زائرین اور طلبہ اور فقراء کی آسائش کے لیے تونسہ شریف میں متعدد آرام دہ عمارتیں بنوائیں تونسہ شریف کی عالیشان مسجد، کنواں، حوض، گھنٹہ گھر، مہمان سرائے، لنگر خانے، مسافر خانے،

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۳۳۴ ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۳۵

۳۔ مناقب المحبوبین ص ۳۳۵ ۴۔ مرآۃ العاشقین ص ۲۲۵-۲۲۶ و خلاصۃ التواریخ مشائخ چشتیہ ص ۵۳ تا ۵۵

شیش محل وغیرہ آپ ہی کے تعمیر کردہ ہیں ۔ قدرت نے آپ کو ایک انجینئر کا دماغ دیا تھا اس لیے تمام عمارات کے نقشے آپ نے خود ہی بنائے ۔ فیض اللہ خاں قصوری آپ کی اعلیٰ اصلاحیتوں کے بارے میں لکھتے ہیں :-

" آپ ایک قابل ، لائق ، ذی فہم ، دانائے زماں مشہور و معروف بزرگ ہو گزرے ہیں ۔ آپ کی شہرت آپ کے دادا بزرگوار سے بھی بڑھ گئی تھی ۔ آپ نے صنعت و حرفت ، زراعت و تجارت ہر شے کو ترقی دی ۔ حکمت ، فلسفہ ، سائنس و ہندسہ وغیرہ میں آپ یکتائے زماں تھے ۔ نیز آپ ایک اعلیٰ انجینئر بھی تھے ۔ آپ کے زمانہ حیات میں مدرس دینیات کی تعداد دو چند بلکہ سہ چند ہو گئی اور لنگر شریف کو مزید رونق حاصل ہوئی ۔ آپ نے تونسہ شریف میں اپنے دادا بزرگوار کے زمانہ کی خام عمارات کو مسمار کر کے عمدہ اور عالیشان عمارات و محلات اپنی زیر نگرانی تعمیر کروائے "[1]

اسی طرح خواجہ شمس الدین سیالوی نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا :-

خواجہ اللہ بخش سجادہ نشین بہ توجہ حضرت درجمیع اوصاف از ہمہ سبقت بردند چنانچہ تعمیر ہائی مکان کہ بزمان خواجہ (محمد سلیمان) تونسوی خام بودند، ہمہ را پختہ ساختند ، وغور و پرداخت مقیمان آستان نیز بوجہ احسن شروع نمودند و فیض رسانی بمریدان نیز بہ طریق آنحضرت (خواجہ محمد سلیمان) اختیار کردند "[2]	خواجہ اللہ بخش سجادہ نشین ، حضرت خواجہ محمد سلیمان کی توجہ سے تمام اوصاف میں سب سے سبقت لے گئے ۔ چنانچہ جو مکانات خواجہ محمد سلیمان کے زمانہ میں کچی مٹی کے بنے ہوئے تھے ان کو پختہ تعمیر کروایا ۔ اور آستانہ کے مقیم لوگوں کی دیکھ بھال بھی اچھی طرح ہونے لگی ، اور مریدوں کی فیض رسانی کے لیے اعلیٰ حضرت کا طریقہ اختیار کیا ۔

روابط با مشائخ معاصر

خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے تمام جلیل القدر خلفاء اور صاحبزادگان مہاروی آپ کی جلالت شان کے معترف تھے

---

۱ - مقدمہ تونسہ شریف ص ۹
۲ - مرآۃ العاشقین ص ۲۲۷

اور معاصر مشائخ سلسلہ چشتیہ کے علاوہ دوسرے سلاسل کے معاصر بزرگ بھی آپ کی بزرگی کا اعتراف کرتے تھے چنانچہ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ، شیخ احمد سعید دہلوی[۱] (م ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء) نے جب ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں دہلی سے مکہ معظمہ کو ہجرت کا ارادہ کیا تو پہلے دہلی سے تونسہ شریف آئے اور حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی سے ملاقات کی۔ اور آپ کی مجلس میں مسئلہ "وحدت الوجود" پر گفتگو کی۔ خواجہ شمس الدین سیالوی فرماتے ہیں :-

"شخصی از ایشان (شیخ احمد سعید) پرسید چہ باعث کہ حضرت مجدد صاحب پیر ایشان در مسئلہ وحدت الوجود گفتگو کردہ است، در جوابش فرمود آنحضرت مجتہد وقت بودند، اگر از ایشان در مسئلہ وحدت الوجود خطا افتاد، ایشاں را مواخذہ نیست بلکہ اجتہاد مجتہد اگر بر خطا افتد تاہم یک ثواب در نامۂ اعمال او نویسند۔"[۲]	کسی شخص نے شیخ احمد سعید سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ کے سلسلہ کے پیر حضرت مجدد الف ثانی نے مسئلہ وحدت الوجود میں کلام کیا ہے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ حضرت مجدد اپنے وقت کے مجتہد تھے۔ اگر ان سے اس مسئلہ وحدت الوجود میں غلطی بھی ہوئی تو قابل مواخذہ نہیں بلکہ اگر مجتہد کا اجتہاد غلط بھی ہو جائے تو اس کی (نیک نیت کی بنا پر) غلطی پر بھی ایک

۱- شیخ احمد سعید ابن شیخ ابوسعید، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے، ۱۲۱۷ھ میں رامپور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دہلی میں مولانا فضل امام خیر آبادی، شیخ رشید الدین اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی خدمت میں حاصل کی۔ پھر حضرت شاہ غلام علی دہلوی نقشبندی (م ۱۲۴۰ھ) کے دست مبارک پر بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں نے آپ پر برٹش حکومت کے خلاف فتویٰ دینے کا الزام لگایا اور آپ کو پورے خاندان سمیت تہ تیغ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن بعض امراء کی سفارش پر انگریزوں نے یہ حکم واپس لے لیا اور آپ ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں دہلی چھوڑ کر عربستان کو ہجرت کر گئے اور مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ وہیں ۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ صـ۴۵۲ تا ۴۷۰

۲- مرآۃ العاشقین صـ۲۱۷۔ خواجہ شمس الدین سیالوی کی روایت ہے کہ شیخ احمد سعید جب دہلی سے ہجرت کر کے عرب کو جا رہے تھے تو تونسہ شریف میں خواجہ تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں حضرت تونسوی سے مراد خواجہ اللہ بخش تونسوی ہیں کیونکہ شیخ احمد سعید ۱۲۷۴ھ میں ہجرت کر کے گئے ہیں جب کہ ۱۲۶۷ھ میں خواجہ محمد سلیمان کی وفات ہو چکی تھی۔

حصّہ ثواب لکھا جاتا ہے۔

روابط باامراءِ معاصر

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ اگرچہ ہمیشہ اپنے مشائخ سلسلہ کی طرح اہل دول سے کنارہ کش رہے۔ تاہم بعض اصحاب سیاست وحکومت جو آپ کی خدمت میں عقیدتمندانہ حاضر ہوئے۔ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) بہادر شاہ ظفر (۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء - ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء) سفر دہلی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۱

(۲) نواب محمد بہاول خان ثالث والئی بہاولپور (۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ - ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء) آپ کے معتقد اور گرویدہ تھے۔ ۲

(۳) خان نظام الدین خان، نواب آف ممدوٹ آپ کے مرید تھے۔ ۳

وفات

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ ۲۹ رجمادی الاول ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء کو بہتر سال کی عمر میں فوت ہوئے اور روضہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ میں دفن کیے گئے ۴ مصرع ذیل سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ ؎

گفتا "نہفت ابر اجل آفتاب دین"۔ ۵
۱۳۱۹ھ

اولاد

خواجہ اللہ بخش کے تین صاحبزادے تھے۔

(۱) خواجہ حافظ محمد موسےٰ (۲) میاں احمد (۳) خواجہ محمود صاحب

میاں احمد صاحب کا آپ کی زندگی میں ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء میں انتقال ہوگیا۔

خواجہ حافظ محمد موسےٰ صاحب اور خواجہ محمود صاحب دونوں کو آپ نے اجازت وخلافت دی اور دونوں سے الگ الگ سلسلہ چلا۔ ۶

۱۔ تذکرۃ المشائخ ص ۱۷۷
۲۔ ملاحظہ ہو باب ہشتم فصل اول
۳۔ ملاحظہ ہو باب ہشتم فصل اول
۴۔ مقدمہ تونسہ ص ۱۰
۵۔ سوانح حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی ص ۲۹
۶۔ مقدمہ تونسہ ص ۸

خلفا آپ کے خلفا میں سے خواجہ احمد میروی، مولانا غلام محی الدین کھڈی، خواجہ محمد الدین سیالوی اور مولانا ناصر الدین للّٰہی مشہور ہیں۔ (ان بزرگوں کے حالات باب چہارم اور باب پنجم میں بیان کیے گئے ہیں)

اوصاف و اخلاق خواجہ اللہ بخش تونسوی، بہت بلند اخلاق بزرگ تھے، جو ان سے ملتا تھا، متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ اور آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ مؤلف انوار العارفین تحریر فرماتے ہیں :-

"دریں زمان نبیرۂ الیشان (خواجہ محمد سلیمان) میاں اللہ بخش بر مسندِ ارشاد نشستہ اند، طالبان را ارشادمی کنند واز آیندگان و روندگان آنجا معلوم گردید کہ کریم النفس وخوش اخلاق اند۔"[1]

اس زمانے میں خواجہ محمد سلیمان کے پوتے میاں اللہ بخش مسندِ ارشاد پر بیٹھے ہیں۔ طالبانِ خدا کی رہبری کرتے ہیں اور وہاں کے آنے جانے والوں سے معلوم ہوا ہے کہ کریم النفس اور خوش اخلاق ہیں۔

خواجہ اللہ بخش، اہلِ دول کی نسبت غربا اور فقرا سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے اور ان کی دلجوئی کرتے تھے۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں فرمایا :-

"در نظر خواجہ اللہ بخش صاحب اہل دنیا را بمقدار یک ذرہ ہم وقعت وقدر نبود، وبسیار غریب نواز بودہ اند، دنیاداران را بسیار حقیر وبے مقدار دانندہ ہمچوں خواجہ اللہ بخش صاحب ہیچ فقیر دیدہ و شنیدہ نہ شد۔"[2]

خواجہ اللہ بخش تونسوی کی نگاہ میں دنیا داروں کی ایک ذرہ کے برابر بھی وقعت اور قدر نہیں تھی۔ بڑے غریب پرور تھے۔ دنیا داروں کو بہت حقیر اور بے مقدار سمجھتے ہیں خواجہ اللہ بخش صاحب کی طرح کوئی اور فقیر دیکھا اور سنا نہیں گیا۔

کوئی طالبِ خدا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ کو بے انتہا خوشی ہوتی۔ ایک دفعہ خود فرمایا :

"ہم کو لاکھ روپے سے اس قدر خوشی نہیں ہو سکتی، جتنی کہ ایک فقیر کے آجانے سے فرحت ہوتی ہے"[3]

ملفوظات آپکے ملفوظات مولوی احمد خان بختیار نے "تنویر القلوب فی لطائف المحبوب" کے نام سے لکھے اور کچھ ملفوظات گل محمد خان نے فارسی میں قلمبند کیے۔ ان دونوں کا اردو ترجمہ خاتم سلیمانی جلد ثانی میں شائع ہو چکا ہے۔[4]

۱۔ انوار العارفین صـ ۴۵۷ ۲۔ ملفوظات طیبہ (ملفوظات پیر مہر علی شاہ) صـ ۱۴۲

۳۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود صـ ۸۷ ۴۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود صـ ۸۷

فصل دوم

جانشینانِ خواجہ اللہ بخش تونسوی در تونسہ شریف

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کی وفات ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء کے بعد آپ کے دو صاحبزادے خواجہ حافظ محمد موسےؒ[۱] اور خواجہ محمود صاحب مسند نشین ہوئے کیونکہ آپ نے دونوں کو اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی اس لیے دونوں سے الگ الگ سلسلہ چلا جو کہ آج تک دونوں کی اولاد میں جاری ہے۔

سلسلہ اوّل

خواجہ حافظ محمد موسےؒ

خواجہ اللہ بخش کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد موسےؒ ۱۹، ربیع الاول ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء کو تونسہ شریف میں پیدا ہوئے انہوں نے مولوی اللہ بخش قریشی، حافظ صدیق اور مولوی خدا بخش جرّاح سے دینی تعلیم حاصل کی۔[۱] تکمیل تعلیم کے بعد اپنے والد ماجد خواجہ اللہ بخشؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔[۲] آپ نہایت نیک نفس اور مرتاض بزرگ تھے۔ تونسہ شریف میں آپ نے زائرین کے لیے کئی سرائیں بنوائیں۔ خواجہ اللہ بخشؒ کے وصال کے پانچ سال بعد ۱۵، ذی الحج ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔[۳] آپ کے تین صاحبزادے تھے۔

(۱) خواجہ حامد (۲) میاں غلام زکریا (۳) میاں عبداللہ

خواجہ محمد موسےؒ کے بعد آپ کے سجادہ پر آپ کے بڑے صاحبزادہ خواجہ حامد صاحب بیٹھے خواجہ حامد صاحب کا انتقال ۲۳، ذی الحج ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء کو ہوا۔ انکے تین صاحبزادے ہیں۔

(۱) حافظ غلام سدید الدین (۲) خواجہ خان محمد (۳) خواجہ محمد یوسف[۴]

۱۔ سوانح حیات حضرت محمد موسےؒ ص۳
۲۔ سوانح حیات حضرت محمد موسےؒ ص۴
۳۔ مقدمہ تونسہ شریف ص۱۳
۴۔ مقدمہ تونسہ شریف ص۸

خواجہ حامد صاحب کی وفات کے بعد خواجہ حافظ غلام سدید الدین جانشین ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء میں ہوا۔ اور ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی خواجہ خان محمد مسند نشین ہوئے۔

خواجہ خان محمد صاحب (موجودہ سجادہ نشین) بہت بلند اخلاق اور ہر دلعزیز بزرگ ہیں۔ خواجہ قمر الدین سجادہ نشین سیال شریف آپ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"فی حد ذاتہٖ عادات و شمائل کے لحاظ سے، صاف و شفاف طرز و روش کے لحاظ سے، وسعت قلب اور کشادہ دلی کے لحاظ سے، دلداری و صلح پسندی کے لحاظ سے اور کردار و مکارم اخلاق کے اعتبار سے آج میری نگاہ میں خواجۂ دلنواز (خواجہ خانِ محمد) جیسے جامع الصفات انسان کا کوئی نظیر و مثیل نہیں ہے۔" [1]

سلسلہ دوم

حضرت خواجہ محمود تونسویؒ

ولادت خواجہ اللہ بخش تونسوی کے دوسرے جانشین صاحبزادہ خواجہ محمود تھے۔ ان کی پیدائش ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں ہوئی۔ خواجہ محمود صاحب کی والدہ نواب غلام قادر خان خاکوانی ملتانی کی صاحبزادی اور نواب احمد یار خان رئیسِ اعظم ملتان کی ہمشیرہ تھیں۔ [2]

تعلیم خواجہ محمود صاحب نے سب سے پہلے حافظ صدیق اور حافظ سونہارا سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ فارسی و عربی کی تعلیم درجہ آخر تک مولوی خدا بخش صاحب سے حاصل کی۔ [3]

بیعت علم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ آپ کی اعلیٰ استعداد کی بدولت حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے بھی بڑی توجہ سے آپ کی روحانی تربیت کی۔ سفر و حضر میں ہمیشہ ان کو اپنے ساتھ رکھتے

۱۔ روئیداد دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف ص ۸

۲۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود ص ۹۴ ۳۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود ص ۹۵

تھے۔ سفرِ حج میں بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ ۱

خلافت وجانشینی

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے اپنی وفات سے چند روز قبل آپ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی اور خواجہ صاحب کی وفات ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء کے بعد خواجہ محمد موسیٰ کے ساتھ ہی آپ بھی جانشین بنائے گئے۔ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے خلفا نے آپ کو اپنے والد کا جانشین بنایا۔ ۲

اجرائے مدارس

حضرت خواجہ محمود صاحب نے اپنے عہدِ مشیخت میں تونسہ شریف میں ایک عالی شان مدرسہ قائم کیا جس کا نام مدرسہ محمودیہ ہے اور جو آج تک جاری ہے۔ ۳

اس کے ساتھ ایک کتب خانہ اور ایک شاندار جامع مسجد تیار کروائی۔

مولانا احمد ملغانی نے مسجد کی تاریخِ تعمیر کہی، جو کہ حسب ذیل ہے:

چون آن خواجہ محمود عالی مقام — بنا کرد مسجد بہ صد اہتمام
خرد از سر داد داد این ندا — "چہ فخر المساجد، مبارک بنا" ۴

۱۳۴۳ھ

روابط با مشائخ معاصر

حضرت خواجہ محمود صاحبؒ اپنے عہد کے مشائخ سلسلۂ چشتیہ میں نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مشائخ معاصر میں سے حضرت پیر مہر علی گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) کے ساتھ آپ کے گہرے مراسم تھے۔ اور ان کے ساتھ آپ کی نہایت دلچسپ خط وکتابت ہوتی تھی۔ فریقین کے چند مکتوبات "مکتوبات طیبات" میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۵

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے ساتھ ایک بار آپ کی نہایت دلچسپ منظوم خط وکتابت ہوئی۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ مقدمہ تونسہ ص۱۰ — ۲۔ مقدمہ تونسہ ص۱۰
۳۔ ملاحظہ ہو باب ہفتم فصل دوم کتاب ہذا — ۴۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود ص۱۴۷
۵۔ مکتوبات طیبات (مکتوبات پیر مہر علی شاہ گولڑوی) ص۱ تا ص۲۰

خط حضرت خواجہ محمود صاحب تونسوی رح

سے یادم نمی کنی و زیادم نمی روی عمرت دراز باد فراموش کار من

جواب از حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رح

ہے پابندِ طاعت عقیدت ہماری نہیں پیش دستی کی ہمت ہماری
یہ باعث ہے خط کے توقف کا اصلی مبادا نہ بے جا ہو سبقت ہماری

از حضرت خواجہ محمود صاحب تونسوی رح

اے وعدہ فراموش کروں کیوں نہ شکایت تونے تو یہ وعدہ کیا تھا دمِ رخصت
بھولوں گا کبھی تجھ کو نہ میں تا بہ قیامت گر یاد تمہیں ہم تھے، تو پھر کیوں از رہِ الفت
خطی نہ نوشتی و مرا یاد نہ کردی گاہی بزبانِ قلم شاد نہ کردی؟

جواب از حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رح

ہوں وعدہ کا پکا نہ کرو میری شکایت میں نے تو یہ وعدہ کیا تھا دمِ رخصت
بھولوں گا کبھی آپ کو نہ تا بہ قیامت ہے یاد مجھے آپ کی ہر لحظہ بہ الفت
ہے یاد صفت دل کی، نہ کاغذ نہ قلم کی جب یاد ہو دل میں، نہیں حاجت ہے رقم کی ۱

سفرِ آخرت

آپ کی وفات ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں موضع قادر پور ضلع ملتان میں ہوئی۔ ۲ آپ کو پہلے روضہ حافظ محمد جمال ملتانی دم ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء میں دفن کیا گیا۔ چھ ماہ کے بعد آپ کا تابوت تونسہ شریف لایا گیا اور روضہ خواجہ محمد سلیمان رح سے الگ دفن کیا گیا۔ مزار پر نواب احمد یار خان خاکوانی ملتانی نے عالیشان روضہ تعمیر کروایا۔ ۲

آپ کی وفات پر برعظیم پاک و ہند میں ہر جگہ ماتم کیا گیا۔ مصنفؒ "خاتم سلیمانی" لکھتے ہیں:

"کوئٹہ سے کلکتہ تک اور پشاور سے دکن تک جس جگہ جاؤ۔ اس برگزیدہ خاندان کے انتقال پر ماتم برپا ہے۔ اخبارات میں زبردست آرٹیکل لکھے گئے اور آپ کی وفات کو قومی صدمہ قرار دیا گیا۔ گورنر پنجاب کا تار آیا، ڈپٹی کمشنر سے تعزیت نامے پہنچے،

۱۔ مکتوبات طیبات (مکتوبات پیر مہر شاہ گولڑوی ص ۱۷۔ ۲۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرت المحمود ص ۱۵۲

ہز ہائی نس نواب بہاول خان اور بیسیوں والیانِ ریاست نے اس سانحۂ عظیم پر اظہار تأسف ورنج کیا۔ الغرض کون سا قریہ یا شہر ہے جہاں اس محمودِ عالم کی یاد میں آنسو نہ بہائے گئے ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون "۔ ۱

اولاد

حضرت خواجہ محمود صاحب کے حسب ذیل پانچ صاحبزادے تھے۔

(۱) صاحبزادہ احمد (۲) صاحبزادہ غلام فرید (۳) خواجہ نظام الدین (۴) خواجہ نصیر الدین اور (۵) خواجہ قطب الدین :

آپ کے بعد آپ کے جانشین خواجہ نظام الدین صاحب ہوئے۔

صاحبزادہ احمد اور صاحبزادہ غلام فرید آپ کی زندگی ہی میں عین عالم شباب میں انتقال کر گئے صاحبزادہ احمد صاحب کی اولاد تونسہ شریف میں موجود ہے۔ ۲

اوصاف واخلاق

حضرت خواجہ محمود صاحب نہایت بلند اخلاق، غریب پرور اور ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اس کے ساتھ آپ بڑے خوش ذوق، وسیع النظر اور بذلہ سنج بھی تھے۔ مصنف خاتم سلیمانی لکھتے ہیں :۔

" حضرت چراغ تونسوی (خواجہ محمود صاحب) میں اخلاقِ حسنہ کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ وہ صفاتِ محمدی کا صحیح نمونہ تھے۔ جب کوئی شخص ان کے دربار فیض آثار میں حاضر ہوتا۔ اس کے حسب مطلب گفتگو ہوتی۔ یہاں تک کہ ایک دہقانی یا ساربان آپ کی مجلس میں موجود ہوتا تو آپ کی شیریں زبانی سے وہ بھی مسرور ہو کر اٹھتا۔ اگر کوئی اہلِ علم ہے تو علمی نکات سے اس کی ضیافت کی جاتی۔ اگر سخن سنج ہے تو شاعرانہ گفتگو اور نکتہ سنجی کی وہ گرم بازاری ہے کہ خاقانی اور انوری کی روح وجد کرنے لگے۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے ہر مقام سے بیشمار خطوط آپ کی خدمت میں روزمرہ آتے تھے کئی منشی اس کام پر تعینات تھے کہ ہر ایک کے ضروری خط یا عریضہ کا جواب لکھا جائے "۔ ۳

۱۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود صہ ۹۳ ۲۔ مقدمہ تونسہ شریف صہ ۸

۳۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود صہ ۱۰۱

مصنف مذکور، آپ کے متعلق ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

"سب سے بڑھ کر اعلیٰ صفت مخلوق خدا سے محبت و الفت تھی۔ مہربانی اور شفقت فرمانا آپ کے اوصافِ طبعی میں سے تھا۔" ۱

خواجہ محمود صاحب کی طبیعت رسا، نکتہ شناس اور دقیقہ رس واقع ہوئی تھی۔ اردو فارسی، عربی کے سینکڑوں اشعار آپ کو یاد تھے جنہیں تحریر و تقریر میں برمحل اور بلا تکلف استعمال کرتے تھے۔ علم و فن کے بڑے قدردان تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے دربار میں بڑے بڑے فضلا، ادیب اور شاعر جمع ہو گئے تھے اور آپ کی قدردانی کی وجہ سے کئی صاحبانِ کمال جیسے نقاش، طغرا نویس، تاریخ گو، کاتب وغیرہ دور دراز مقامات سے آکر تونسہ شریف میں آباد ہو گئے تھے۔ ۲

ایک دفعہ آپ کی مجلس میں کسی نے یہ رباعی پڑھی :

دیوانہ شدیم، دوستان تدبیری — پندی، بندی، ملامتی، زنجیری
تدبیرِ شما راچہ بلا زد آخر — مشتی، خشتی، کلوخکی، تعزیری۔

آپ نے شاعر کی دقیقہ رسی کی تعریف کی اور دل کھول کر داد دی۔ ۳

ایک دفعہ آپ کی قدردانیٔ علم و فن اور جود و سخا کی شہرت سن کر ایک ایرانی شاعر معروف بہ سید شہباز، آپ کی خدمت میں ایک طویل قصیدہ لکھ کر لائے اور آپ سے انعام پایا۔

قصیدہ کے چند اشعار حسبِ ذیل ہیں :-

نوبہار آمد واز مظہرِ گل کشف عطا است — ہر کجا می نگرم روئے زمین روح فزا است
بلبل و قمری و دراج بہ بستان شدہ مست — عندلیبان بہ چمن جمع شدہ از چپ و راست
بہ تماشائی چمن دلبر گانند روان! — زرشکِ فردوس برین دربر ایشان دنیا است
می خرامند زہر سو ہمہ حوری منشان — نالہ چنگ و دف و نی ز زمین تا بہ سما است
آیت مجد زمین خواجۂ عالی نسبت — رونقِ کون و مکان است و سلیمان پیرا است

---

۱ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود ص ۱۱۵ ۲- خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود ص ۱۱۹
۳ " ایضاً " ص ۱۰۷

خواجۂ محمود بود نام نکویش بہ جہان | کہ جہان با دل پہنا ور او تنگ فضا است
عارف کامل و بے مثل حقیقت داں است | عقل فرمود: بگو: حضرت شمس العرفاست
ز اشتیاق کف بذل تو ہمیں در معدن | سیم و زر را چو نبات از دل و جان نشوونماست
بد سگال تو چہ شاہی است کہ آلودہ نخفت | نیک خواہ تو چہ روزی است کہ آسودہ نخاست
زینت مسند عزت تو بہ گیتی باشی | کہ جہان کہن از بخت جوانت برناست
اے ہمیں جلوۂ حق خواجۂ عالی عزت | کمترین خاصیت کوئی تو عفو و عطاست
صاحبا! سید شہباز بود ایرانی | خواہشش خرچۂ راہ وطن از لطف شماست ۱

ملفوظات آپ کے حالات و ملفوظات مولوی اللہ بخش نے خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ "سیرۃ المحمود" میں جمع کیے ہیں۔

۱۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود ص ۱۱۹ تا ۱۲۰

حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسویؒ

حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسویؒ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔[1] آپ خواجہ محمود صاحب کے صاحبزادہ اور جانشین تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ، کرنل نواب حافظ محمد عبداللہ علیزئی ابن نواب غلام حسن خان علیزئی کے سی۔ ایس۔ آئی انڈین کمانڈنٹ، برٹش گورنر قندہار و رئیسِ اعظم ڈیرہ اسماعیل خان کی صاحبزادی تھیں۔[2]

خواجہ نظام الدین صاحب نے ابتدائی تعلیم مدرسہ محمودیہ میں مولوی احمد صاحب سے حاصل کی اور اعلیٰ دینی تعلیم بھی اسی مدرسہ میں مولانا علی گوہر صاحب صدر مدرس مدرسہ محمودیہ سے حاصل کی۔[3]

تحصیل علوم کے بعد آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ محمود صاحب نے آپ کی شادی ڈیرہ اسماعیل خان کے علیزئی خاندان میں نواب محمد زمان خان کی صاحبزادی سے کی اور اس موقعہ پر ایک عظیم الشان جشن منعقد کیا۔ جس میں سجادہ نشینانِ اجمیر شریف، پاک پٹن کے علاوہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی بھی شریک ہوئے۔ حضرت خواجہ محمود صاحبؒ نے اس موقعہ پر غرباء و مساکین میں ایک کثیر رقم تقسیم فرمائی۔ رولوں میں اشرفیاں ملادی گئی تھیں۔ جو آتا اُس کو مٹھیاں بھر بھر کر دیتے جاتے۔[4]

خواجہ نظام الدین صاحب نے اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمود صاحب کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور حضرت خواجہ محمود صاحب نے اپنی وفات سے چند ماہ قبل روضہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی میں علماء و مشائخ کے مجمع میں آپ کو خرقۂ خلافت عطا کیا۔[5] اور خواجہ محمود صاحب کی وفات کے بعد آپ کے سجادہ پر بیٹھے۔

خواجہ نظام الدین صاحب عمر بھر اپنے والد ماجد کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ غریب پروری، جود و سخا اور داد و دہش آپ کی خاص صفات تھیں۔ داد و دہش کا یہ حال تھا کہ جس وقت کوئی سائل

۱۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود صـ ۱۱۷ ۲۔ مقدمہ تونسہ شریف صـ ۲

۳۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود صـ ۱۱۸ ۴۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود صـ ۱۲۵ و مکتوب نواب فتح اللہ خان علیزئی بنام راقم السطور بتاریخ ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء۔ ۵۔ خاتم سلیمانی جلد ثانی معروف بہ سیرۃ المحمود صـ ۱۱۸

آتا جو کچھ موجود ہوتا ۔ اسے دے دیتے ۔ بعض اوقات نقد، بعض اوقات مال مویشی، گھوڑے بیل وغیرہ عطا فرما کر غربا و مساکین کی امداد کرتے ۔[1] علما کے بڑے قدر دان تھے ۔ جب کبھی ملتان جاتے سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے ضرور ملتے اور ان کی مالی خدمت کرتے ۔

آپ سابق مغربی پاکستان کے متعدد دینی مدارس اور کئی ایک دینی تحریکات کی بھی سرپرستی فرماتے رہے ۔[2] بعض دینی مدارس کو آپ نے بیک وقت کئی کئی ہزار روپیہ عطا فرمایا ۔ اس فیاضی کا نتیجہ تھا کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ پر چار لاکھ کا قرض تھا ۔ جو آپ کی ذاتی جائداد بیچ کر ادا کیا گیا ۔ [3]

آپ کے عہد مشیخت میں مدرسہ محمودیہ نے بھی ترقی کی ۔[4] آپ نے متعدد بار سفر حج اختیار کیا جس میں متعدد علما و مشائخ نے آپ کی رفاقت کی سعادت حاصل کی ۔ آپ کی وفات ۷ رصفر ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء میں ہوئی ۔ ایک لاکھ آدمی نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور روضہ حضرت خواجہ محمودؒ میں دفن کیے گئے ۔ [5]

آپ کے دو صاحبزادے خواجہ فخر الدین صاحب و خواجہ معین الدین صاحب اس وقت موجود ہیں ۔ دونوں بھائی مدرسہ محمودیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور دونوں کو خواجہ نظام الدین صاحب نے اجازت و خلافت عطا فرمائی ہے ۔ اخلاق و آداب میں اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر ہیں ۔

مدرسہ محمودیہ کے سرپرست خواجہ فخر الدین صاحب مدظلہ ہیں ۔ آپ کی سرپرستی میں مدرسہ محمودیہ ترقی پذیر ہے ۔[6] مدرسہ کے تفصیلی حالات باب ہفتم میں ملاحظہ ہوں ۔

۱۔ روایت مولانا نظام الدین صاحب چشتی و نواب فتح اللہ خان صاحب علیزئی ۔

۲۔ تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۲۷ ۳۔ روایت مولانا نظام الدین صاحب چشتی و نوابزادہ فتح اللہ خان صاحب علیزئی

۴۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم فصل دوم ۵۔ مکتوب نواب فتح اللہ خان علیزئی ۶۔ مکتوب حضرت خواجہ معین الدین صاحب سجادہ نشین تونسہ شریف ۔

فصل سوم

مولانا محمد باران خان کلاچویؒ

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفا میں سے آپ کے سجادہ نشین اوّل ۔حضرت خواجہ اللہ بخش کے علاوہ دو اور جلیل القدر خلفا نے تونسہ شریف میں رہ کر سلسلہ کی اشاعت کا کام کیا۔ یعنی مولانا محمد باران خان خلیفۂ اعظم حضرت تونسویؒ اور مولانا احمد تونسویؒ۔
اگرچہ مولانا محمد باران خان کی خانقاہ اور مزار کلاچی (ڈیرہ اسماعیل خان) میں ہے ۔لیکن آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ حضرت خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں بسر کیا اس لیے آپ کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے۔
مولانا محمد باران خان، حضرت خواجہ تونسویؒ کے خلیفۂ اوّل تھے اور روحانی کمالات میں بھی حضرت کے دوسرے خلفا سے گوئے سبقت لے گئے تھے۔ مؤلف مناقب سلیمانی نے آپ کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے۔
"قدوۃ العرفا، زبدۃ الصلحا، صاحب حالات والمقامات، کامل الریاضت والمجاہدات مہبط انوار حق سبحان یعنی حضرت خلیفہ محمد باران رحمۃ اللہ علیہ والغفران" [۱]
اس کے بعد یہی مؤلف لکھتے ہیں :۔

اول کسی است کہ بہ بیعت مبارک حضرت خواجہ (محمد سلیمان) رسیدہ و نخستین عطائی خلافت از جانب جناب بہ او گردیدہ از ایام طفلی تا عمر شیخوخت بہ سایۂ عاطفت

مولانا محمد باران وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے خواجہ محمد سلیمانؒ کے دست مبارک پر بیعت کی اور سب سے پہلے خلافت بھی انہی کو ملی ۔بچپن سے لے کر بڑھاپے تک حضرت

۱۔ مناقب سلیمانی ص ۹۷

والا بسر بردند، دورایام تحصیل علم ہم بہ ہمسبقیِ جناب مستفیض گردیدہ اند۔ ۱

خواجہ کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کی اور علم پڑھنے کے دوران آپ کو حضرت خواجہؒ کا ہم سبق ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

وطن و خاندان

مولانا محمد باران خان کے والد ماجد کا نام نور محمد ہے جو کہ پٹھانوں کے ایک معزز قبیلہ کے فرد تھے۔ مولانا محمد باران خاں مقام کلاچی (ڈیرہ اسماعیل خان) علاقہ داماں میں پیدا ہوئے۔ ۲

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم موضع وہوا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں مولوی عثمان سے حاصل کی۔ اس کے بعد ڈیرہ غازی خان کے ایک مدرسہ میں پڑھتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے ڈیرہ غازی خان کے استاد مہار شریف چلے گئے تو آپ بھی ان کے ساتھ مہار شریف جاکر تحصیل علم میں مشغول ہوگئے۔ معمول تھا کہ جو سبق استاد سے پڑھتے وہ روزانہ خواجہ نور محمد مہاروی کو سنا دیتے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے ایما سے کوٹ مٹھن چلے گئے۔ اور حضرت قاضی محمد عاقل صاحبؒ سے علوم کی تکمیل کی۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ بھی حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں تحصیل علم کرتے تھے۔ اس طرح ایک عرصہ تک حضرت خواجہ تونسویؒ اور محمد باران صاحب ہم سبق، ہم پیالہ و ہم نوالہ رہے۔ محمد باران صاحب نے بڑی محنت سے علم حاصل کیا۔ خود فرماتے تھے کہ جب میں کوٹ مٹھن میں پڑھتا تھا اتنا مطالعہ کرتا تھا کہ سر میں درد ہونے لگتا تھا

بیعت و خلافت

محمد باران صاحب نے پہلے حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ سے بیعت ہونے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا پہلے علم حاصل کرو۔ چنانچہ سات سال تک علم حاصل کرنے کے بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے تو خواجہ مہارویؒ نے خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے بیعت ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے حضرت تونسوی کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور کوہ درگ میں جہاں حضرت تونسویؒ نے اپنے ابتدائی دور میں رہائش پذیر تھے۔

۱۔ مناقب سلیمانی ص ۶۷

۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۹۹

۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۴۰

سرکنڈوں کی ایک جھونپڑی بنا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ بعد ازاں حضرت تونسوی کیساتھ، تونسہ شریف میں آ گئے اور عرصہ دراز تک ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ مصنف "مناقب سلیمانی" لکھتے ہیں :۔

"ریاضات و مجاہدات متجاوز الحد داشتند، چنانکہ از جناب عالی (خواجہ محمد سلیمان) ملقب بہ فرید ثانی گردیدند، ترک دنیا و تجرید بمرتبہ غایت بود" ۱

آپ کی ریاضت و مجاہدہ حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت تونسویؒ نے آپ کو فرید ثانی کا لقب عطا فرمایا۔ ترک دنیا اور تجرید کے آخری درجہ تک پہنچے ہوئے تھے۔

تھوڑے عرصہ بعد حضرت تونسویؒ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی، لیکن آپ عرصہ دراز تک آپ ہی کی خدمت میں تونسہ شریف مقیم رہے۔ ۲

حضرت خواجہ تونسویؒ کا معمول تھا کہ بعض علما کو خلافت عطا فرما کر مولانا محمد باران صاحب کی خدمت میں کچھ عرصہ حاضر رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ غلام محمد خان صاحب مناقب سلیمانی لکھتے ہیں۔

"حضرت حافظ محمد علی شاہ از حیدر آباد و خیر آباد ہر گاہیکہ حاضر خدمت می شدند، ارشاد می شد کہ چندے بخدمت میاں صاحب (محمد باران) حاضر می شدہ باشی، تا بوئی مردمان دنیا از ذات تو بدر رود" ۳

حضرت حافظ محمد علی شاہ جب کبھی حیدر آباد یا خیر آباد سے آ کر حضرت تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت آپ کو ارشاد فرماتے کہ کچھ وقت میاں صاحب محمد باران کی خدمت میں رہیئے تاکہ اہل دنیا کے اختلاط کا اثر زائل ہو جائے۔

آپ کے کشف و کرامات کے بہت سے واقعات مناقب المحبوبین، مناقب سلیمانی اور قصر عارفان میں درج ہیں۔ حاجی نجم الدین لکھتے ہیں :۔

"مولانا محمد باران صاحب از کمل خلفاء حضرت و از اعظم یاران آن قبلہ ہستند، عالم بودند بعلوم ظاہری و باطنی و صاحب

مولانا محمد باران صاحب حضرت تونسویؒ کے کامل ترین خلفا اور یاران خاص میں سے تھے۔ علم ظاہری اور باطنی کے عالم تھے۔ صاحب وجد و سماع

۱۔ مناقب سلیمانی ص ۶۷ ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۲۴۳

۳۔ مناقب سلیمانی ص ۷۰

وجد و سماع و حال عالی می داشتند و تھے اور بلند احوال تھے ۔ آپ کے کشف و کرامات خوارق و کرامات ایشان زیادہ از حد است [۱] کے واقعات بے شمار ہیں ۔

غیرت و حمیت دینی مولانا محمد باران صاحبؒ میں دینی غیرت کا جذبہ بہت تھا ۔ ایک مرتبہ ڈیرہ اسماعیل خان کے نواب شیر محمد خان نے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں درخواست بھیجی اور بہت الحاح کیا کہ آپ ایک دفعہ میرے پاس تشریف لے آئیں ۔ خواجہ تونسویؒ نے فرمایا کہ میں تو آنے سے معذور ہوں ۔ میاں محمد باران صاحب کو بھیجا جاتا ہے ۔ محمد باران صاحب نواب کے پاس گئے تو نواب نے کہا کہ آپ دعا کریں کہ میری حکومت عرصہ دراز تک قائم رہے آپ نے فرمایا تم تحریری طور پر عہد کرو کہ تمہاری عملداری میں کوئی خلاف شریعت اسلام کام نہیں ہوگا ۔ اس نے ایک فرضی تحریر لکھ دی ۔ لیکن ظلم و ستم سے باز نہ آیا ۔ مولانا محمد بارانؒ کو پے در پے اس کے نامشروع کاموں کی شکایات پہنچیں تو آپ نے اُس کی تحریر کو پارہ پارہ کر دیا ۔ چند دنوں کے بعد سکھوں نے حملہ کیا ۔ نواب گرفتار ہوا اور حکومت ختم ہو گئی ۔ [۲]

وفات آپ کی وفات ۲۶ ربیع الاول ۱۲۵۴ھ کو ہوئی ۔ مزار مبارک کلاچی (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) میں ہے ۔

جانشین آپ کے دو صاحبزادے تھے خان محمد اور صالح محمد ۔ خان محمد، خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے مرید تھے مگر کہیں غائب ہو گئے تھے ۔ مولانا محمد باران کی وفات کے بعد میاں صالح محمد آپ کے جانشین ہوئے [۳] اور آج تک ان کی اولاد میں جانشینی کا سلسلہ جاری ہے ۔ مقالہ ہذا کی تسطیر کے دوران خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین ہیں ۔ نہایت سادہ دل، معمر اور مرتاض بزرگ ہیں ۔ راقم السطور نے کلاچی جا کر ان سے ملاقات کی ہے ۔

---

۱ ۔ مناقب المحبوبین صد ۳۳۹

۲ ۔ مناقب المحبوبین صد ۳۴۸، صد ۳۴۹

۳ ۔ مناقب المحبوبین صد ۳۴۹

فصل چہارم

حضرت مولانا احمد تونسوی

نام ونسب مولانا احمد کے والد ماجد کا نام مولوی نور محمد ہے اور وہ حضرت نور محمد نارووالی (م ۱۲۰۴ھ) کے مریدین میں سے تھے۔ مولوی نور محمد کے آباؤ اجداد تونسہ کے قدیم باشندوں میں سے تھے۔ مولانا احمد تونسہ شریف میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں حضرت تونسوی کے قائم کردہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔

بیعت وخلافت تکمیل تعلیم کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے دست مبارک پر بیعت کی اور تھوڑے عرصہ بعد درجۂ خلافت سے سرفراز ہوئے!

سلسلہ ارشاد مولانا احمد کچھ عرصہ تک حضرت خواجہ تونسوی کے امام صلوٰۃ رہے۔ حضرت خواجہ انہی کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مولانا احمد پر سکر واستغراق کی کیفیت طاری ہوئی تو ان کی جگہ حافظ محمد علی کو امام مقرر کیا گیا۔ ۲

حصولِ خلافت کے بعد آپ نے تونسہ شریف میں سلسلۂ ارشاد جاری کیا اور بہت جلد آپ کی شہرت ہوگئی۔ حتےٰ کہ حضرت تونسوی کی موجودگی میں حضرت تونسوی سے زیادہ آپ کی طرف لوگوں کا رجوع ہوا۔ آپ کا حلقہ بھی حضرت کے حلقہ سے زیادہ ہوتا اور لنگر بھی حضرت کے لنگر سے زیادہ جاری ہوا۔ حضرت کو آپ کی شہرت وعروج کا علم ہوا تو فرمایا :-

"الحمد للہ با وجود مرشد، خلیفہ ایں چنیں صاحب شہرت پیدا شد"۔ ۳

لیکن یہ حالت دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ وحدت الوجود کے ذوق و غلو اور سکر واستغراق کی وجہ سے

۱۔ مناقب سلیمانی ص ۳۵۷ ۲۔ مناقب سلیمانی ص ۳۵۷

۳۔ مناقب سلیمانی ص ۳۵۷

بعض ناپسندیدہ امور آپ سے وقوع پذیر ہوئے۔ علماء نے حضرت سے شکایت کی۔ حضرت خاموش رہے لیکن درپردہ مولانا صاحب کو نصیحت کی۔ آخر جب معاملہ حد سے بڑھ گیا اور مولانا کی مجلس میں رقص وسرود ہونے لگا اور حضرت خواجہ صاحبؒ کو اطلاع دی گئی تو حضرت خواجہ سخت ناراض ہوئے اور غیرت آلہی کی وجہ سے مولانا کی مجلس درہم برہم ہو گئی اور سارا سلسلہ ختم ہو گیا اور آپ ایک حجرہ میں محبوس ہو کر رہ گئے۔ ۱

کچھ مدت اسی طرح گزری۔ آخر مولانا احمد نے حضرت تونسویؒ کے قدموں پر گر کر معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا :-

من ترا اول فہمائش کردہ بودم کہ غیر شرع کار نکنی۔ الحال تقصیر من نکردہ بلکہ تقصیر پیران عظام کردہ ای کہ خلاف طریقہ اوشان رفتی۔ الحال من از تو راضی ام و عفو تقصیر تو کردم۔ ۲

میں نے تمہیں پہلے تنبیہہ کی تھی کہ خلاف شریعت کام نہ کرو۔ یہ تم نے میرا قصور نہیں کیا بلکہ تمام بزرگان سلسلہ کا قصور کیا ہے کہ تم ان کے طریقہ کے خلاف چلے۔ اب میں تم سے راضی ہوں اور تمہاری خطا معاف کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ کے راضی ہونے کے بعد دوبارہ آپ کا سلسلہ جاری ہوا اور بہت لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور تادم آخر آپ کا فیض جاری رہا اور آپ کے روحانی مدارج بلند سے بلند تر ہوتے چلے گئے۔ مولوی احمد علی مصنف قصر عارفان آپ کے متعلق لکھتے ہیں :-

"یکی ازان (خلفا حضرت تونسوی) قوی الاحوال مولوی شاہ احمد ابدال کہ در علوم دینی بحر کامل بودہ در اذکار و اشغال و تعلیم طالبان و ریاضات و اعمال صوفتی کافی و دست قوی داشت"۔ ۳

اور حاجی نجم الدین آپ کو ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں :-

"آن مستغرق بحر وحدت و غریق دریای معرفت آن نہنگ لجۂ توحید، آں سرگروہ فرقہ اہل تجرید و تفرید محرم راز احد مولانا احمد۔" ۴

۱۔ مناقب المحبوبین صـ ۳۵۷
۲۔ مناقب المحبوبین صـ ۳۵۹
۳۔ قصر عارفان ورق ۸۲ ا
۴ مناقب المحبوبین صـ ۳۵۹

اخلاق و اوصاف حاجی نجم الدین صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا احمد کا اخلاق بہت بلند تھا۔ آپ ہر ادنیٰ اعلیٰ، چھوٹے بڑے کی عزت کرتے تھے اور ہر ایک کو اٹھ کر ملتے تھے اور حضرت تونسویؒ کی خدمت میں رہنے والے تمام صوفیوں کے استاد تھے حاجی صاحب لکھتے ہیں :-

"فصوص الحکم و مثنوی (مولانا جلال الدین محمد رومی) و فتوحات مکیہ را گویا ایشان حافظ بودند و مذہب خود بر مذہب شیخ اکبر محی الدین ابن عربی می داشتند و در ترک دنیا سبقت از ہمہ یاران بردند، چنانچہ ہر فتوح کہ می رسید آنرا صرف می کردند، و در ہر ماہ مکان خود را از ذخائر دنیا صاف می کردند۔" ۱

آپ فصوص الحکم اور مثنوی رومیؒ کے تو گویا حافظ تھے اور اپنا مسلک شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کا رکھتے تھے۔ اور ترک دنیا میں سب برادران طریقت سے بڑھ گئے تھے۔ جو کچھ آتا تھا خرچ کر دیتے تھے۔ اور ہر مہینے اپنے مکان کو دنیاوی سامانوں سے پاک صاف کر دیتے تھے۔

وفات مولانا احمد صاحب ۷ ار شوال ۱۲۷۲ھ کو فوت ہوئے اور تونسہ شریف میں دفن ہوئے ۲

جانشین آپ کے بعد آپ کے برادر زادہ مولوی غلام نبی جانشین ہوئے۔ ان کے بعد مولوی احمد دین جانشین ہوئے۔ اور آج تک آپ کا سلسلہ جاری ہے۔

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۳۵۹ ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۵۹

باب چہارم

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفا

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے متعدد خلفا نے مغربی پاکستان اور ہندوستان میں سلسلۂ ارشاد و تدریس قائم کیا اور عرصۂ دراز تک گمنامی اور خاموشی کے ساتھ خدمتِ دین و تصوّف میں لگے رہے۔ آپ کے خلفا کی فہرست باب دوم میں دی گئی ہے۔ اس باب کی پہلی تین فصلوں میں ان خلفا کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی خانقاہیں پاکستان میں اب تک قائم ہیں اور جن کا کام ممتاز اور نمایاں ہے۔

فصل چہارم اور پنجم میں ان خلفا کا ذکر کیا گیا ہے جن کی خانقاہیں ہندوستان (بہار) میں موجود ہیں۔

فصل اوّل

شعبۂ اوّل در مکھڈ شریف (ضلع کیمبلپور)

بانی و سجادہ نشین اوّل مولانا محمد علی مکھڈیؒ

نام و نسب حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ محمد علی بن محمد شفیع بن داؤد جلال آبادی[1]۔

---

[1] تذکرۃ الاولیٰ تالیف مولوی محمد الدین مکھڈی، ص ۱۹ و تذکرۃ المحبوب برگ ۳ الف

تاریخ ولادت و مقام ولادت

آپ کے آباؤ اجداد کا اصل وطن بٹالہ (موجودہ مشرقی پنجاب، ہندوستان) ہے، آپ بٹالہ میں ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئے۔[۱]

خاندان

آپ نسباً قریشی اور حضرت شاہ غلام علی بٹالوی ثم الدہلوی (م ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء)[۲] کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا آپ کے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔ اور آپ کے بڑے بھائی مولانا عبدالرسول نے آپ کی پرورش اور تربیت کی۔[۳]

شاہ غلام علی صاحب بٹالہ سے دہلی چلے گئے اور وہیں کے ہو رہے اور مولانا محمد علیؒ مکھڈ (ضلع کیمبلپور) آ گئے اور یہیں کے ہو رہے۔

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالرسول صاحب سے حاصل کی، بٹالہ میں میاں حبوۃ اللہ سے فن کتابت سیکھا۔ اس کے بعد سفر اختیار کیا اور مولوی اسد اللہ بہاولپوری، میاں مصطفیٰ حاجی پشاوری، میاں مرتضیٰ صاحب جیالوی کی خدمت میں رہ کر عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔[۴]

اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ مولانا محکم الدین مکھڈوی کی خدمت میں بمقام مکھڈ (ضلع کیمبلپور) حاضر ہوئے۔ مولانا محکم الدین متبحر عالم تھے، اُس زمانہ میں ان کے علم کی بڑی شہرت تھی، آپ

۱۔ تذکرۃ الاولیٰ۔ ص ۱۹۔

۲۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ غلام علی، بٹالہ (موجودہ مشرقی پنجاب، ہند) میں ۱۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے، تحصیل علم کے بعد حضرت شمس الدین مرزا مظہر جان جاناںؒ دہلوی (م ۱۱۹۵ھ) کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور ایک عرصہ کی ریاضت و مجاہدہ کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا اور حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد آپ کے جانشین ہوئے اور ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں فوت ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں سے فارسی زبان میں مقامات مظہریہ اور ایضاح الطریقہ مشہور ہیں۔ اور خلفا میں سے شاہ ابو سعید دہلوی، مولانا خالد کردی اور مولانا غلام محی الدین قصوری سرفہرست ہیں (حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۱۴ و نزہۃ الخواطر ص ۳۵۶)۔

۳۔ تذکرۃ الاولیٰ ص ۱۹

۴۔ 〃 〃 ۲۰

عرصہ دراز تک مولانا موصوف کی خدمت میں رہ کر تحصیلِ علم کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مولانا محکم الدین مکھڈی کا انتقال ہو گیا اور مولانا محمد علی کو ان کو جانشین مقرر کیا گیا[1]

تبحر علمی و شغلِ تدریس

آپ نے مکھڈ میں مستقل طور پر مقیم ہو کر سلسلۂ تدریس جاری کر دیا۔ اور بہت جلد مغربی پاکستان کے شمال مغربی علاقے میں آپ کے علم و فضل کا شہرہ ہو گیا۔ دور دراز کے شہروں، کابل، بخارا، قندھار تک کے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہونے لگے۔

علوم معقول یعنی منطق و فلسفہ میں آپ کی دسترس کی بڑی شہرت تھی، اُس دور کے جیّد علما، منطق و فلسفہ کے دقیق مسائل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حل کراتے تھے۔

آپ کے جانشین اوّل محمد عابد جی مہارویؒ، جانشین دوم مولانا زین الدینؒ اور خواجہ شمس الدین سیالویؒ آپ کے نامور شاگردوں میں سے ہیں[2]۔

جستجوئی مرشد

ایک عرصہ تک علم ظاہری میں مشغول رہنے کے بعد آپ کے اندر جذبۂ خدا طلبی پیدا ہوا، حصولِ علم باطن اور کسی رہبر کامل کی تلاش میں اپنے عزیز شاگرد (خواجہ) شمس الدین سیالویؒ کو ہمراہ لے کر دیوانہ وار مکھڈ سے نکل کھڑے ہوئے[3]۔

مکھڈ سے نکل کر موضع انب (علاقہ سون) میں ایک درویش میاں ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن قلبی تسکین نہیں ہوئی، پھر کئی اور مقامات سے ہوتے ہوئے اور مختلف بزرگوں سے ملتے ہوئے تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جس وقت تونسہ شریف پہنچے، حضرت خواجہ تونسویؒ مجلس عام میں تشریف فرما تھے، مولانا صاحب سلام عرض کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ حضرت تونسویؒ نے پوچھا، کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا "مکھڈ سے"، فرمایا

۱؎ تذکرۃ الولی ص ۲۰، ۲۱ ۲؎ تذکرۃ الولی ص ۲۲ تا ۲۸

۳؎ 〃 〃 ۳۰

"مکھڈ میں تو ایک "مولوی" رہتا ہے جس کے علم کی بڑی شہرت ہے"۔ مولانا نے عرض کیا:
"مولوی مولوی مجھے ہی کہتے ہیں"۔ یہ سن کر حضرت خواجہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ سے معانقہ
کیا اور اپنے پاس بٹھایا۔[1]

بیعت و خلافت

مولانا محمد علی مکھڈی چھ ماہ تک متواتر حضرت خواجہ تونسوی کی خدمت میں رہ کر اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ لیکن بیعت نہیں کی۔ چھ ماہ کے بعد حضرت تونسوی نے آپ کو ایک پیغام بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"اے صوفی! یہاں کیوں آئے ہو، ہم تو رند مشرب لوگ ہیں اور آپ زہد و پارسائی کا دعویٰ رکھتے ہیں، ہمارا آپ کا کیا جوڑ؟"[2]

اس کے جواب میں مولانا محمد علی صاحب نے اسی وقت ایک رباعی، جو آپ کی طبع زاد تھی، لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیج دی، وہ رباعی یہ ہے:

من برائے دین فروشی سوئے تو آمدم تا دین دہم بر روئے تو
ننگ و ناموسم نہ ماندہ حبّہ ای چون کہ پا انداختم در کوئے تو[3]

ساتھ ہی بیعت کی استدعا کی، حضرت خواجہ بہت خوش ہوئے، آپ کو بیعت فرمایا اور توجہ باطنی سے نوازا۔ تھوڑے عرصہ بعد خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ مکھڈ میں جا کر رہو اور خلقِ خدا کی رہنمائی کرو۔[4]

دورِ رشد و ہدایت

مکھڈ واپس پہنچ کر آپ نے سلسلہ تدریس[5] کے ساتھ سلسلہ ارشاد و تلقین بھی جاری کر دیا، اور اس علاقہ میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کی، اس علاقہ کے متعدد علماء آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، افادۂ عوام کے لیے آپ نے ایک وسیع لنگر بھی جاری کیا اور علماء اور طلبہ کے قیام و طعام کا بھی معقول انتظام کیا۔

---

[1] تذکرۃ الولی ص ۳۳ [2] مناقب المحبوبین ص ۳۵۰
[3] مناقب المحبوبین ص ۳۵۰ و نافع السالکین ص ۲۸ - [4] تذکرۃ الولی ص ۳۶
[5] آپ کے مدرسہ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم، فصل دوم، بحث دوم

مصنف "قصر عارفان" آپ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

مولانا شاہ محمد علی کھڈی کہ فضیلت کمال و تبحر در معقول و منقول داشت و طبع موزوں و فکر رسا و در طریقت استعداد کافی و در سخا و رضا و صبر و تحمّل و صفا منزلت رفیع، و در تعلیم طالبان خاصیت کیمیا"[1]

مولانا شاہ محمد علی کھڈی جن کو علم و فضل میں کمال اور علم معقول و منقول میں تبحّر حاصل تھا۔ اور طبیعت موزوں اور ذہن رسا کے مالک تھے۔ اور طریقت میں بلند استعداد اور سخاوت و رضا اور صبر و تحمّل و صفا میں عالی منزل تھے، اور طالبین کی تعلیم میں مانندِ اکسیر تھے۔

حاجی نجم الدین مصنف مناقب المحبوبین آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ایشان (مولانا محمد علی کھڈی) عالم علوم ظاہری و باطنی بودند، و صاحب وجد و سماع"[2]

مولانا محمد علی کھڈی، علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ اور اہلِ وجد و سماع تھے

ایامِ پیری

مولانا محمد علی اگرچہ خواجہ تونسوی سے عمر میں بیس سال بڑے تھے۔ پھر بھی جب تک زندہ رہے، تعلق بیعت کے بعد ہر سال حضرت تونسوی کی خدمت میں آخر عمر تک حاضر ہوتے رہے۔ حاجی نجم الدین لکھتے ہیں :۔

"باوجود کمالِ ضعف و عمرِ کلاں ہر سال بخدمت حضرت صاحب آمدہ چند ماہ می ماندند، و باز می رفتند۔ حضرت صاحب روزی در حق ایشان فرمودند کہ مولوی ضعیف شدہ است۔ امّا عشق جوان است کہ ایں راہر سال بر در من می آرد"[3]

ضعف و کمزوری اور پیرانہ سالی کے باوجود ہر سال حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں آ کر چند ماہ ٹھہرتے، اور واپس چلے جاتے حضرت خواجہ محمد سلیمان نے ایک روز اُن کے بارے میں فرمایا، کہ مولوی بوڑھا ہو گیا ہے۔ لیکن اس کا عشق جوان ہے۔ جو اُسے ہر سال میرے دروازے پر لے آتا ہے۔

سفرِ آخرت

۲۹ رمضان المبارک ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء میں چند دن بیمار رہ کر حضرت خواجہ

۱۔ قصرِ عارفان برگ ۱۸۱ و

۲۔ مناقب المحبوبین صفحہ ۲۵۰

۳۔ مناقب المحبوبین صفحہ ۲۵۰

تونسوی کی زندگی ہی میں آپ کی وفات ہو گئی۔ مولوی سلطان محمود متخلص بہ نامی نے
حسب ذیل تاریخ وفات کہی ۔

زنورِ سلیمان محمد علی — شدہ مہرتابان محمد علی۔
کہ ذرات عالم ازان آفتاب — باکنافِ عالم شدہ نوریاب۔
چو دعوت بفردوسش از حق رسید — ازیں دامگاہ زیرِ عرش آرمید۔
زنامی "رئیس المشایخ" بہ گو — چو "ماداء غرباء" ست تاریخ او۔[1]
۱۲۵۴ھ — ۱۲۵۴ھ

مرزا مبارک مکھڈ میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔

اولاد حضرت مولانا محمد علی مکھڈی "نے تمام عمر تجرد" میں بسر کی اس لئے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔[2]

اخلاق و آداب مولانا محمد علی مکھڈی کے تمام اخلاق و عادات سیرت نبوی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ طلبہ پر بڑے شفیق تھے، نماز تہجد کے بعد سماع سنتے تھے مزاج میں نفاست تھی۔ ہمیشہ صاف اور اعلیٰ قسم کا لباس زیب تن فرماتے تھے طبیعت میں استغنا تھا۔ اہل دول کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔[3]

تصنیفات مولانا محمد علی مکھڈی نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی۔ البتہ آپ کا فارسی اور پنجابی زبانوں میں عارفانہ کلام موجود ہے۔ جو تذکرۃ الاولیٰ کے ہمراہ طبع ہو چکا ہے۔[4]

آپ کے ملفوظات "تذکرۃ المحبوب" کے نام سے مولوی عبد النبی نے فارسی زبان میں جمع کئے جن کے ساتھ آپ کے حالات بھی آ گئے ہیں۔

اردو میں آپ کے حالات مولوی محمد الدین مکھڈی نے "تذکرۃ الاولیٰ" کے نام سے لکھے ہیں۔[5]

۱۔ تذکرۃ الاولیٰ ص ۹۹ — ۲۔ تذکرۃ الاولیٰ ص ۹۹
۳۔ " " " ص ۹۰ تا ۹۹ — ۴۔ " " " ص ۱۱۳ تا ۱۳۹
۵۔ " " ص ۳

مولانا محمد علی بحیثیت شاعر مولانا محمد علی مکھڈی متبحر عالم ہونے کے ساتھ ذوقِ شعر سے بھی بہرہ مند تھے۔ جب عشق حقیقی کی آگ بھڑک اٹھتی تو اپنے جذبات کو اشعار کی صورت میں ظاہر کرتے۔ آپ کی فارسی غزلیں اور پنجابی دوہے عوام وخواص میں مشہور ہیں۔ اور سماع کی مجلسوں میں پڑھے جاتے ہیں۔ مصنف قصرِ عارفاں لکھتے ہیں:۔

"مانندِ شیخ بحر العجم فخر الدین عراقی معاملات و مکاشفات، کہ بحضور قلب بر مظاہر خاطر وی مشہور و مکشوف می گردد، در غزلیات آبدار و قصاید و رباعیات دلپذیر می نوشت، اکثر کلامِ وی قبولِ بارگاہِ حضرت شاہ (خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ) بود۔"[1]

نمونۂ کلام یہ ہے :۔

شہید تیرِ آں تُرکم کہ از ابرو کماں دارد
خدنگ از دستِ او خوردم کہ از مژگان سناں دارد
خوشش آں عاشق کہ از جاناں رُخِ مہر و وفا بیند
زیارِ خویش حیرانم، نہ ایں دارد نہ آں دارد
زچشم مستِ بیمارش چہ بیماری فزود آخر
کہ از ہر سو کہ می بینم ہزاراں کشتگاں دارد
حدیث حُسن یوسف راکجا دانند اخوانش
زلیخا را بپرس از وی کہ صد شرح و بیاں دارد
خدارا اے صبا با آں شہِ خوبانِ عالم گو
کہ از لب تشنگی مُردیم و شربت در دہاں دارد
صبا با آں طبیب عشق حال مولوی برگو
کہ بس عمر لیست کایں بیمار سر بر آستاں دارد[2]

۱۔ قصرِ عارفاں برگ ۸۱ الف ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۵۱

تذکرۃ الاولی تالیف مولوی فخر الدین مکھڈی حصہ غزلیات۔

جانشینان مولانا محمدؒ علی مکھڈی در مکھڈ شریف (ضلع کیمبلپور)

۱۔ **خلیفہ محمدؒ عابد جی** | چونکہ مولانا محمدؒ علی مکھڈی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اسلئے حضرت مولانا محمد علی کی وفات ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کے بعد آپ کے ایک لائق شاگرد و مرید محمد عابد جی کو حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے آپ کا جانشین مقرر کیا![1]

خلیفہ محمد عابد جی، مہار شریف (بہاولپور) کے باشندے تھے۔ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی خدمت میں تحصیل و تکمیل علم کی، آپ ہی کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے سلوک و عرفان کی منازل طے کیں، اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین مقرر کیئے گئے۔

نو سال مسندِ ارشاد پر متمکن رہنے کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی زندگی ہی میں آپ کی وفات ۱۹ جمادی الثانی ۱۲۶۲ھ ۱۸۴۵ء کو ہو گئی۔ مزار مبارک تونسہ شریف میں ہے۔[2]

خلیفہ محمد عابد جی کی وفات کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے مولانا محمد علی مکھڈی کے دوسرے عزیز شاگرد و مرید مولانا زین دین کو آپکا جانشین مقرر فرمایا۔[3]

۲۔ **مولانا زین دین** | مولانا زین دین ابن حافظ امیر گل کا آبائی وطن موضع انگہ (علاقہ سون) ہے۔ نسلاً اعوان قطب شاہی ہیں۔ مولانا زین الدین نے ابتدائی تعلیم علاقہ سون میں مولوی غلام نبی اور مولوی محمد روشن سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیئے حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی خدمت میں مکھڈ حاضر ہوتے تکمیلِ تعلیم کے بعد حضرت مولانا ہی کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور منازلِ سلوک طے کیں۔ اس عرصہ میں تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کی خدمت میں بھی حاضر

۱۔ تذکرۃ الاولیاء ص ۹۵ ۲۔ تذکرۃ الاولیاء ص ۱۰۰

۳۔ " " ۱۰۲

ہو کر اکتساب فیضِ باطنی کرتے رہے۔ اور خلیفہ محمد عابد جی کی وفات ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے آپ کو حضرت مولانا محمد علیؒ کا جانشین مقرر کیا![1]

حضرت مولانا محمد علی مکھڈی، آپ کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ اور انہوں نے آپ کی شادی موضع انگہ (سون) میں آپ کے اپنے خاندان میں کرا دی تھی![2]

مولانا زین الدین نے مولانا محمد علیؒ کی زندگی ہی میں سلسلۂ تدریس شروع کر دیا تھا۔ اور مسند ارشاد پر جلوہ افروزی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم ظاہر و باطن حاصل کرنے لگے۔ آپ کے حلقۂ درس نے کئی بلند پایہ عالم پیدا کئے۔ جن کے علم و فضل کی اس علاقہ میں بڑی شہرت رہی![3]

مولانا زین الدین کی وفات ۱۲ محرم ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء کو ہوئی۔ اور مقبرۂ حضرت مولانا میں دفن ہوئے![4]

مولانا زین الدین کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں، دونوں صاحبزادے لڑکپن میں فوت ہو گئے۔ صاحبزادی کا عقد اپنے ایک قابل شاگرد میاں محمد سے کیا جن کے صاحبزادے مولانا غلام محی الدین، آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔

۳۔ مولانا غلام محی الدین مکھڈی

مولانا غلام محی الدین کے جد اعلیٰ مولوی ابراہیم، موضع ٹھوا محرم خان (ضلع کیمبلپور) کے باشندے اور نسباً قطب شاہی اعوان تھے۔[5] مولوی ابراہیم صاحب کے تین صاحبزادے تھے۔

(۱) حافظ محمد محسن (۲) مولوی غلام حسن (۳) مولوی محمد اکرم۔

۱۔ تذکرۃ الصدیقین۔ ص ۱۹، ۲۰ ۔ ۲۔ تذکرۃ الصدیقین۔ ص ۲۰

۳۔ 〃 〃 〃 ۲۰، ۴۸

آپ کے مدرسہ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم، فصل دوم بحث دوم

۴۔ تذکرۃ الصدیقین ص ۷۹ ۔ ۵۔ تذکرۃ الصدیقین ص ۸۳۔

۶۔ 〃 〃 〃 ۸۶، ڈھڈیاں والوں کے شجرہ میں مولوی ابراہیم کا نام مولوی عبدالرحیم نے لکھا ہے۔

حافظ محمد محسن مکھڈ (کیمبلپور) میں آباد ہوئے۔ مولوی غلام حسن موضع لیانی ضلع سرگودھا میں اور مولوی محمد اکرم کی اولاد موضع ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں آباد ہوئی۔ انہی مولوی محمد اکرم کے پوتے عہد حاضر کی مشہور و معروف دینی شخصیت حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رح[۱] (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) تھے۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رح کے حالات پر راقم السطور کا مضمون "بیس بڑے مسلمان" مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ حافظ محمد محسن کے صاحبزادہ میاں محمد تھے۔ یہ دونوں باپ بیٹا حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رح کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ میاں محمد کے صاحبزادہ مولانا غلام محی الدین تھے۔[۲] مولانا غلام محی الدین نے مکھڈ ہی میں ابتدائی تعلیم مولوی محمد قاسم، مولوی خورشید احمد اور حافظ عبدالقدوس سے حاصل کی۔ اور اعلیٰ تعلیم مولانا زین الدین مکھڈی سے حاصل کی۔[۳]

تکمیل تعلیم کے بعد حضرت مولانا زین الدین کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور اور منازل سلوک طے کیں۔ مولانا زین الدین کی وفات ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء کے بعد حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رح نے آپ کو مولانا زین الدین کا جانشین مقرر کیا۔ خواجہ اللہ بخش رح کی ہمراہی میں حج اور زیارتِ روضۂ رسول صلعم کی سعادت بھی

۱۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری ابن حافظ احمد ابن مولوی محمد اکرم ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی پھر ہندوستان کا سفر کیا اور سہارنپور، پانی پت، رام پور اور دہلی کے مقامات پر دینی تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبدالعلی اور مولانا انور شاہ کشمیری سے علم حدیث پڑھا پھر حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری (م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۷ء) خلیفہ حضرت عبدالرحیم سہارنپوری و مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور سلسلہ چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ و سہروردیہ میں خلافت حاصل کی۔ اور مرشد کی وفات کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ اور رائے پور میں مستقل قیام فرمایا۔ ۱۴ اگست ۱۳۸۲/۱۹۶۲ء میں لاہور میں انتقال کیا۔ اور اپنے آبائی وطن ڈھڈیاں میں دفن ہوئے۔ آپکے جانشین رائے پور میں مولانا عبدالعزیز گمتھلوی اور ڈھڈیاں میں مولانا عبدالجلیل مقرر ہوئے۔ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر، تالیف سید ابوالحسن علی مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۸۱ھ تا ۱۰

۲۔ تذکرۃ الصدیقین ص ۸۷   ۳۔ تذکرۃ الصدیقین ص ۸۸

حاصل کی۔[1]

جانشین مقرر کیے جانے کے بعد بھی آپ دس سال تک تحصیلِ علم ظاہری کرتے رہے۔ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں سلسلۂ تدریس شروع کیا۔ اور آخر دم تک جاری رکھا۔[2]
مولانا غلام محی الدین ذی الحج ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں فوت ہوئے۔ اور مقبرہ مولانا محمد علی میں دفن ہوئے۔[3] آپ کے تین صاحبزادے ہیں: مولوی احمد الدین۔ مولوی محمد الدین اور مولوی زین الدین۔

آپ کی وفات کے بعد مکھڈ میں مولوی احمد دین و مولوی محمد الدین جانشین ہوئے۔ اور مولوی زین الدین نے ترگھ (ضلع میانوالی) میں سلسلۂ ارشاد و تدریس جاری کیا۔ جو اب تک جاری ہے۔

فصل دوم

شعبہ دوم در سیال شریف (ضلع سرگودھا)

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رح کے خلفا میں سے سلسلہ کی اشاعت کا سب سے زیادہ کام حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رح نے کیا۔ تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں مغربی پاکستان میں سیال شریف کی خانقاہ مرجع انام تھی حضرت سیالوی کے متعدد خلفا نے بھی متعدد خانقاہیں اور دینی مدارس قائم کیے۔[4] ان کے خلفا میں سے سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری[4] اور سید مہر علی شاہ[5] گولڑوی کا کام بہت نمایاں ہے۔

۱۔ تذکرۃ الصدیقین ص ۸۸، ۸۹ ۲۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم فصل دوم بحث دوم ص

۳۔ [illegible] "تالیف مولوی محمد الدین مطبوعہ لاہور ص ۹۳ ۴۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب پنجم، فصل دوم

۵۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا باب پنجم، فصل سوم۔

بانی و سجادہ نشین اوّل حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی ؒ

نام و نسب

آپ کا نام شمس الدین اور والد کا نام میاں محمد یار ہے۔[1] میاں محمد یار کا شجرۂ نسب پانچویں پشت پر حضرت شیر کرم علی قادری سے جا ملتا ہے جو کہ اپنے زمانہ کے مشہور بزرگ تھے۔ اُن کا مقبرہ آجتک نواحِ سیال شریف میں زیارت گاہِ عوام و خواص ہے۔[2] آپ قومیت کے لحاظ سے کھوکھر ہیں۔ کھوکھر پنجاب کی ایک معروف قوم ہے۔[3]

تاریخ ولادت و مقام ولادت

خواجہ شمس الدین سیالوی ؒ ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء میں موضع سیال (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔[4]

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم

آپ نے اپنے گاؤں میں قرآن مجید پڑھا۔ پھر اپنے ماموں میاں احمد دین کے ہمراہ موضع میکی ڈھوک (ضلع کیمبلپور) گئے۔ اور فارسی ادب کی درسی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں مکھڈ چلے گئے۔ اور حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کے مدرسہ میں متواتر تیرہ سال تک دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ منطق و فلسفہ کی کتابیں حضرت مولانا محمد علی مکھڈی ؒ سے پڑھیں۔ اور فقہ کی تعلیم موضع اخلاص (ضلع کیمبلپور) کے مدرسہ میں دو سال تک مقیم رہ کر حاصل کی۔[5]

۱۔ انوارِ شمسیہ ۔ ص ۸ ۔ ۲۔ انوارِ شمسیہ ص ۱۷

۳۔ ″ ″ ″ ۷ ۔ ۴۔ ″ ″ ۲۰

۵۔ ″ ″ ″ ۲۲ ۔ ۶۔ مرآۃ العاشقین ص ۴۶

اعلیٰ تعلیم کے لیے پشاور گئے۔ اور مولانا محمد احسن معروف بہ حافظ دراز[۱] کی خدمت میں کچھ عرصہ قیام کر کے علم حدیث کی تکمیل کی اور حدیث کی سند اور روایت کی اجازت حاصل کی۔[۲]

جستجوئے مرشد

حضرت مولانا محمد علی مکھڈی، جس وقت مرشد کی تلاش میں مکھڈ سے روانہ ہوئے تھے۔ خواجہ شمس الدین کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اس وقت خواجہ شمس الدین اٹھارہ برس کے نوجوان تھے۔ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کے جذبۂ طلبِ خدا و مرشد نے آپ کے اندر بھی یہی جذبہ پیدا کر دیا تھا۔

بیعت و ریاضت و عبادت

استاد و شاگرد جب تونسہ شریف پہنچے، تو خواجہ شمس الدین سیالوی[۳] نے اسی وقت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ اور مولانا محمد علی مکھڈی نے کچھ عرصہ کے بعد بیعت کی[۴]۔ اور واپس مکھڈ لوٹ آئے۔

۱۔ استاد العلماء مولانا حافظ محمد احسن بن محمد صدیق معروف بہ حافظ دراز، تفسیر، حدیث اور فقہ کے یگانۂ روزگار عالم تھے۔ سرحد سے سمرقند تک آپ کے علم کا شہرہ تھا۔ آپ کا اصل وطن خوشاب (پنجاب) تھا۔ اور ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اکثر علوم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کئے تھے۔ جو بڑی عالمہ تھیں۔ خوشاب سے پشاور چلے گئے۔ اور مدت العمر مسندِ تدریس پر فائز رہے۔ اور یہیں ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء میں فوت ہوئے آپ کی تصانیف میں سے "منح الباری" شرح جامع الصحیح امام بخاری بزبانِ فارسی مشہور ہے۔

(تذکرہ علماء و مشائخ سرحد تالیف محمد امیر شاہ قادری مطبوعہ پشاور ۱۳۸۳ھ ص ۱۲۲ تا ۱۲۷ و مقدمہ انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد دوم تالیف سید احمد رضا بجنوری مطبوعہ دہلی ۱۳۸۱ھ۔ ص ۲۱۰)

۲۔ انوارِ شمسیہ ص ۲۴ و مرأۃ العاشقین ص ۴۶ ۔ ۳۔ انوارِ شمسیہ ص ۲۸

۴۔ " " " ۲۹ ۔

خواجہ شمس الدین بیعت کے بعد بھی تحصیل علم میں مصروف رہے۔ اور تکمیلِ علوم کے بعد تونسہ شریف چلے گئے۔ اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں مقیم ہو کر منازلِ عرفان و سلوک طے کرنے لگے۔[۱]

آپ نے اس دوران میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے تصوف کی مندرجہ ذیل کتابوں کا درس بھی لیا۔

(۱) شرح لمعات، تصنیف شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی (م ۶۸۸ھ/ ۱۲۸۹ء)
شرح از مولانا عبد الرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء)۔

(۲) لوائح، تصنیف مولانا عبد الرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲)۔

(۳) سواء السبیل (۴) کشکول (۵) مرقع شریف تصانیف شاہ کلیم اللہ دہلوی (م ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء)۔[۲]

خواجہ شمس الدین سیالوی نے قیام تونسہ شریف کے دوران بڑی ریاضت کی۔ اس عرصہ میں اپنے مرشد خواجہ تونسوی کے ہمراہ چودہ مرتبہ تونسہ شریف سے مہار شریف اس حال میں گئے کہ حضرت تونسوی کا سامان کندھے پر اٹھا کر حضرت کے گھوڑے کے آگے آگے دوڑتے جاتے تھے۔ حضرت تونسوی نے بھی آپ پر خصوصی توجہ مبذول رکھی۔

سیال شریف سے تونسہ شریف کا سفر بھی بارہا قلیل زادِ راہ کے ساتھ پیدل طے کیا۔ اور حضرت تونسوی کی وفات کے بعد بھی آخر عمر تک ہر سال سیال شریف سے تونسہ شریف حاضر ہوتے رہے۔[۳]

حصولِ خلافت چھتیس سال کی عمر میں یعنی ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے آپ کو خلافت عطا

۱۔ انوار شمسیہ ص ۲۹ ۲۔ مرآۃ العاشقین ص ۴۶

۳۔ 〃 〃 〃 ۳۷

فرمائی۔ اور سیال شریف میں قیام کرنے کا حکم دیا۔[1]

دورِ رشد و ہدایت

سیال شریف مقیم ہو کر آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جوں جوں آپ کے فیوض و برکات کا شہرہ عام ہوتا گیا۔ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کرنے لگے۔ آپ نے سیال شریف میں زائرین اور فقرا کے لیے ایک وسیع لنگر خانہ قائم کیا۔ اور ان کی رہائش کے لیے کئی مکانات تعمیر کروائے۔[2]

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں آپ نے سیال شریف میں ایک بڑی اسلامی درسگاہ کی بنیاد بھی رکھی جس میں متعدد علما، دینی علوم کی تعلیم دیتے تھے۔[3] اور آپ خود اس کی سرپرستی فرماتے تھے۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے جس زمانہ میں پنجاب میں مسندِ ارشاد بچھائی، وہ زمانہ افراتفری کا زمانہ تھا۔ ایک طرف انگریز برعظیم پاک و ہند کے بڑے حصہ پر قبضہ جما چکے تھے، دوسری طرف سکھوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ پورا پنجاب سکھوں کی چیرہ دستیوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ پھر ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان انگریزوں کے تیرِ انتقام کا ہدف بنے ہوتے تھے۔ اور پوری قوم پر ایک یاس و قنوط کی کیفیت طاری تھی۔[4] ان حالات میں خواجہ شمس الدین سیالوی نے سیال شریف میں سلسلۂ ارشاد و تدریس شروع کیا۔ اور عامۃ المسلمین پر ظاہری و باطنی علم کے دروازے کھولے جس کے نتیجہ میں اسلامی روایات کا احیا ہوا۔ پنجاب کے امرا کا ایک بڑا گروہ بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا جس سے معاصر سیاست متاثر ہوئی۔[5]

۱۔ انوارِ شمسیہ ص ۴۰ ۲۔ انوارِ شمسیہ ص ۴۰

۳۔ ملاحظہ ہو۔ کتاب ہذا کا باب ہفتم فصل دوم، بخش دوم۔

۴۔ " " " " " ششم

۵۔ روئیداد دار العلوم ضیاء شمس الاسلام مرتبہ ڈاکٹر تسخیر احمد مطبوعہ سرگودھا ۱۹۶۶ء ص ۵

ایامِ پیری آپ کی صحت آخر دم تک بہت اچھی رہی، اور اپنے تمام معمولات باقاعدگی سے بجا لاتے رہے۔

سفرِ آخرت و مدفن ۱۸/ صفر ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء میں آپ کو عارضۂ تپ لاحق ہوا چند روز بیمار رہنے کے ۲۴/ صفر ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء میں آپ کا انتقال ہوگیا[1] مولوی معظم الدین مرولوی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے عبادت خانہ میں دفن کئے گئے۔[2]

آپ کی وفات پر متعدد شعرا نے قطعہ ہائے تاریخ وفات لکھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری صاحب خزینۃ الاصفیا نے حسب ذیل تاریخ کہی:

دریغا، صد دریغا، صد دریغا — کہ شمس الدین امامِ عارفین رفت
ہزار افسوس کین مہرِ جہانتاب — باوجِ عرش از فرشِ زمین رفت
چو سرور جست تاریخش ز ہاتف — بگفتا "شمسِ اوجِ علم و دین رفت"[3]

۱۳۰۰ھ

مولوی، غلام فرید عباسی لاہوری نے حسب ذیل تاریخ کہی:

در گلستانِ خاندانِ چشت — ہمچو گل بود خواجہ شمس الدین
گفت سالش فرید عباسی — "صبح گل بود خواجہ شمس الدین"[4]

۱۳۰۰ھ

اولاد خواجہ شمس الدین کے تین فرزند تھے۔

(۱) خواجہ محمد الدین (۲) صاحبزادہ محمد فضل الدین (۳) صاحبزادہ محمد شجاع الدین

۱۔ مرأۃ العاشقین ص ۲۳۳ — ۲۔ انوارِ شمسیہ ص ۸۹

۳۔ 〃 〃 ۲۳۴

۴۔ مرأۃ العاشقین ص ۲۳۴

آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد الدین جانشین ہوئے
تینوں صاحبزادگان کی اولاد سیال شریف میں موجود ہے! صاحبزادہ فضل الدین صاحب کے ایک صاحبزادہ تھے. صاحبزادہ محمد نجم الدین، ان کے دو صاحبزادے تھے. صاحبزادہ بدر الدین اور صاحبزادہ قطب الدین دونوں بچپن میں فوت ہو گئے

خلفا | خواجہ شمس الدین سیالوی نے متعدد علما کو منازلِ عرفان طے کرا کر خرقۂ خلافت عطا فرمایا.

ان میں سے مشہور خلفا کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوریؒ[۱]
(۲) پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رح[۲]
(۳) مولوی فضل الدین چاچڑوی رح[۳]
(۴) مولوی معظم الدین مرولوی رح[۵]
(۵) مولوی عبد العزیز بگوی[۶]
(۶) مولوی غلام قادر بھیروی ثم لاہوری[۷]
(۷) پیر امیر شاہ بھیروی رح[۸]
(۸) سید نور دین بخاری گجراتی (جدِ اعلیٰ سید عطا اللہ شاہ بخاری رح)[۹]

---

(۱) مرآۃ العاشقین ص ۲۴۴ (۲) انوار شمسیہ ص ۱۷
(۳) ملاحظہ ہو۔ کتاب ہذا کا باب پنجم، فصل دوم (۴) ملاحظہ ہو۔ کتاب ہذا کا باب پنجم فصل سوم
(۵) انوار شمسیہ تالیف امیر بخش مطبوعہ لاہور ۱۳۳۵ھ ص ۷۰ + ۹ - ایضاً ص ۷۰
(۶) تذکرہ مشائخ بگویہ تالیف مولوی ظہور احمد مطبوعہ سرگودھا ۱۹۳۴ م ص ۱۹
(۷) رسالہ "الحبیب" لاہور ماہ جون ۱۹۶۴
(۸) مکتوب پیر کرم شاہ بھیروی بنام راقم السطور بتاریخ ۲ اگست ۱۹۶۹ء
(۹) سالنامہ ہفتہ وار چٹان لاہور جنوری ۱۹۶۲ء۔

(۱) مولانا غلام محمدؒ ساکن موہڑہ کدھی تحصیل چکوال (قاضی سلطان محمود قادریؒ اعوان شریف ضلع گجرات والے ان کے شاگرد تھے)۔

(۲) سید سکندر شاہ پیشاوریؒ۔[1]

(۳) سید حیات شاہؒ ساکن نارگ تحصیل چکوال۔[2]

ان خلفا میں سے اوّل الذکر دو خلفا کا کام نمایاں اور ممتاز ہے۔ اور ان کا سلسلہ آجتک جاری ہے۔ اس لیے ان کا مفصل ذکر باب پنجم میں کیا گیا ہے۔

اخلاق و آداب خواجہ شمس الدین سیالوی کے اخلاق و آداب سنت نبوی کے مطابق تھے۔ اور طرز و روش اپنے مرشد خواجہ محمد سلیمان تونسوی کا سا رکھتے تھے۔ آپ بڑے خلیق، مردم شناس اور مسکین نواز بزرگ تھے۔ سادات اور علما کا بڑا احترام کرتے تھے۔ غریبوں، یتیموں اور بیکسوں پر بڑی شفقت فرماتے۔ جو آپ سے ملتا آپ کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

آپ ہمیشہ نماز با جماعت ادا کرتے اور آپ کی مجلس سماع میں مزامیر نہیں ہوتے تھے۔ مرشد زادگان کا بڑا احترام کرتے حتیٰ کہ تونسہ شریف کے کتوں کا بھی ادب کرتے۔[3]

ملفوظات آپ کے ملفوظات سید محمد سعید نے "مراۃ العاشقین" کے نام سے فارسی میں اور آپ کے سوانح امیر بخش نے "انوارِ شمسیہ" کے نام سے اردو میں لکھے۔

جانشینان خواجہ شمس الدین سیالوی در سیال شریف

۱۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد تالیف محمد امیر شاہ قادری مطبوعہ پیشاور ۱۳۸۳ھ۔ ص ۱۳۹

۲۔ انوارِ شمسیہ تالیف امیر بخش مطبوعہ لاہور ۱۳۳۵ھ ص ۷

۳۔ " " " " " " ص ۵۴ تا ۵۶

(۱) خواجہ محمدالدین سیالوی

خواجہ محمدالدین، خواجہ شمس الدین کے بڑے صاحبزادے اور جانشین تھے۔

آپ ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء میں سیال شریف میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں، عربی کی ابتدائی تعلیم مولوی سیمانی صاحب سے حاصل کی۔ اور اعلیٰ تعلیم مولوی معظم الدین مرولوی خلیفہ خواجہ شمس الدینؒ سے حاصل کی۔ اور مولوی فتح محمد ساکن سیانہ ضلع جھنگ سے بھی تعلیم حاصل کی!

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے وفات سے چند یوم قبل حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ میرے بعد محمدالدین میری جانشینی کا اہل ہے۔ اسلیے اسے خرقۂ خلافت عطا فرمایا جاتے۔ چنانچہ حضرت سیالویؒ کی وفات ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء کے بعد خواجہ محمدالدین حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو انہوں نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرما کر خواجہ شمس الدین سیالوی کا جانشین مقرر کر دیا۲

خواجہ محمدالدینؒ کے زمانہ میں سلسلہ چشتیہ کی بہت اشاعت ہوئی۔ بہت لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور کئی بزرگوں نے منازل سلوک طے کر کے خرقۂ خلافت پایا۔ آپ اپنے والد ماجد کی طرح علما، طلبہ، فقرا اور مساکین کی بڑی پرورش کرنے والے تھے۳ آپ نے سیال شریف کی درسگاہ کو بھی بہت وسعت اور ترقی دی۴

خواجہ محمدالدین صاحب نے ۲ رجب ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں انتقال کیا۔ اور

۱۔ محبوب سیال ص ۲۸ تا ۳۱ — ۲۔ محبوب سیال ص ۳۲

۳۔ انوارِ شمسیہ ص ۸۸ — ۴۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم فصل دوم بحث دوم

مقبرہ خواجہ شمس الدین میں دفن ہوئے۔[1] آپ کے چار صاحبزادے تھے:
(۱) صاحبزادہ محمد امین (۲) صاحبزادہ محمد ضیاء الدین (۳) صاحبزادہ محمد عبد اللہ
(۴) صاحبزادہ سعد اللہ[2] آپ کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے محمد ضیاء الدین آپ کے جانشین ہوئے۔

آپ کے سوانح اور ملفوظات غلام دستگیر خان بیخود جالندھری نے "محبوب سیال" اور "برکات سیال" کے نام سے جمع کیے۔

۲۔ خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی

خواجہ محمد ضیاء الدین ۱۳۰۴ھ/۱۸۹۶ء میں سیال شریف میں پیدا ہوئے۔ اور سیال شریف ہی کے مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کی۔[3] اپنے والد ماجد خواجہ محمد الدین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور خرقہ خلافت خواجہ حافظ محمد موسیٰ تونسوی (م ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) نے عطا فرمایا۔ اس کے بعد خواجہ محمد الدین نے بھی سیال شریف میں ایک بڑے اجتماع میں آپ کو دستارِ خلافت عطا فرمائی۔ جسے خواجہ حسن نظامی دہلوی نے آپ کے سر پر باندھا۔[4] خواجہ محمد الدین کے وصال ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

خواجہ محمد ضیاء الدین کی جانشینی کا دور سیال شریف کی خانقاہ کی ترقی اور علمی احیا کا دور ہے۔ آپ نے متحدہ ہندوستان کے بلند پایہ علماء و فضلا کو سیال شریف بلا کر مدرسہ میں تدریس کے لیے مقرر کیا۔ اور مدرسہ کو بہت ترقی دی۔[5] نیز آزادئ ملک کے لیے انگریز کے خلاف چلنے والی تحریکوں کی حمایت کی۔ بالخصوص تحریکِ خلافت میں خود عملی طور پر حصہ لیا۔ اور اپنے تمام مریدین و خلفاء کو اس

۱۔ انوارِ شمسیہ ص ۱۰۳ ۲۔ انوارِ شمسیہ ص ۱۷
۳۔ " " ۱۰۵ ۴۔ " " ۱۰۴
۵۔ ملاحظہ ہو۔ کتاب ہذا کا باب ہفتم فصل دوم بخش دوم۔

تحریک میں حصّہ لینے کی ترغیب دی[1]

خواجہ محمد ضیاء الدین ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں فوت ہوئے[2]۔ آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ (۱) خواجہ قمرالدین (۲) صاحبزادہ بدرالدین (۳) صاحبزادہ فخرالدین (۴) صاحبزادہ فریدالدین۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ قمرالدین سجادہ نشین ہوئے۔

آپ نے ایک کتاب قادیانیت کے رد میں "معیار المسیح المعروف ضیاء الشمس" کے نام سے تصنیف کی[3]۔

خواجہ قمرالدّین سیال شریف کے موجودہ سجادہ نشین، خواجہ محمد ضیاء الدین کی وفات ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء کے بعد سجادہ مشیخت پر بیٹھے

آپ نے سیال شریف ہی کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ اور حضرت مولانا معین الدین اجمیری تلمیذ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ سے علم معقول ومنقول حاصل کیا۔ اور سندِ حدیث حاصل کی[4]۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد تحریک جہاد آزادی میں برابر حصّہ لیتے رہے۔ گورنمنٹ برطانیہ نے آپ کو His Holiness کا خطاب دیا۔ لیکن آپ نے قبول نہیں کیا[5]۔

جمعیۃ العلماء پاکستان نے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شیخ الاسلام پاکستان کی وفات کے بعد کراچی کے ایک عظیم اجتماع میں آپ کو "شیخ الاسلام" کا خطاب دیا[6]۔ آپ کو اپنے علم وفضل کی بدولت ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ پہلے عقیدہ

۱۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ششم فصل اوّل ۲۔ روئیداد دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد مطبوعہ سرگودھا ۱۹۶۶ء ص ۹۔

۳۔ انوارِ شمسیہ تالیف امیر بخش مطبوعہ لاہور ۱۳۲۵ھ ص ۲۲۶

۴۔ روئیداد دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد مطبوعہ سرگودھا ۱۹۶۶ء ص۵

۵ " " " " " " " " " " " " " " " ۱۹۶۴ء ص ۱۸

۶ " " " " " " " " " " " " " " " ۱۹۶۶ء ص ۸

میں غلو تھا اب اعتدال کی طرف مائل ہیں۔ آپ نے سیال شریف کی دینی درس گاہ کو ترقی دے کر اس کا نام دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام رکھا ہے! اور مختلف دینی موضوعات پر متعدد رسالے لکھ کر شائع کئے ہیں[2]

فصل سوم

شعبہ سوم درللہ شریف (ضلع جہلم)

بانی و سجادہ نشین اول خواجہ فیض بخش للہی

نام و نسب آپ کا نام فیض بخش، والد کا نام عبدالحفیظ ہے۔ نسباً تیمی[3] انصاری ہیں۔ شجرہ نسب اس طرح ہے:

خواجہ فیض بخش بن عبدالحفیظ بن محمد اعظم بن مولانا کلیم اللہ بن اللہ جوایا بن نور محمد بن محمد اسماعیل بن محمد دین بن علاء الدین بن سالنسر ابن ساوا بن چیلا بن خضر بن مینو بن کالا بن شیہان بن جیجن بن محمد مقیم بن واگھر بن لبتہ بزرگ بن ذوعلم بن طاقی بن عمر بن رطب بن عبداللہ بن منذر بن حارث بن عبدالرحمٰن بن کلیہ بن سامع بن عصمت

۱۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم، فصل دوم، بحث دوم۔

۲۔ روئیداد دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف مرتبہ ڈاکٹر نثیر احمد مطبوعہ سرگودھا ۱۹۶۹ء ص ۱۳

۳۔ قاضی عبدالکریم السمعانی، کتاب الانساب میں لکھتے ہیں:

التمیمی تمیم کی طرف منسوب ہے۔ اور اسی نسبت سے ہمارے زمانہ تک (۵۶۱ھ/۱۱۶۹ء) صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت منسوب ہے۔ اور سمعان جسکی طرف خود ہماری (مصنف کتاب الانساب) کی نسبت ہے تمیم الانصار کی شاخ ہے (کتاب الانساب۔ عبدالکریم السمعانی طبع بغداد ۱۹۷۰ء ورق ۱۰۹) نیز ملاحظہ ہو "تاج العروس شرح قاموس تالیف مصطفیٰ زبیدی البگرامی، مطبوعہ قاہرہ جلد ۸، ص ۲۱۳ مادّہ تم تمیم۔

بن مجرابن نوفل بن محرم بن موسیٰ بن حرب بن طائی بن حضرت تمیم انصاری ؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

تمیم انصاری ؓ کون تھے

علامہ ابن اثیر جزری نے "اسد الغابہ" میں صحابی رسول اللہ تمیم بن زید الانصاری کے حال میں لکھا ہے کہ وہ عبداللہ بن زید انصاری المازنی کے بھائی ہیں۔ اور ان کی کنیت ابو عباد ہے۔ اگرچہ ابو عمر نے ان کی کنیت ابوالحسن بیان کی ہے۔ ان کا شمار اہل مدینہ میں کیا جاتا ہے[2]۔ حضرت تمیم ؓ کے بیٹے عباد سے وضو کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے۔ جسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے[3]۔ انہی حضرت تمیم ؓ کے بھائی عبداللہ بن زید انصاری ؓ نے مسیلمہ کذاب کو وحشی بن حرب ؓ کے ساتھ شریک ہو کر قتل کیا۔ اور خود حضرت عبداللہ ؓ واقعہ حرہ ۶۳ھ میں شہید کئے گیے ان سے عباد بن تمیم ؓ اور ابن المسیب ؓ روایت کرتے ہیں[4]۔

حضرت تمیم ؓ اور حضرت عبداللہ، بنی نجار میں سے ہیں۔ اور انصاری خزرجی ہیں شجرہ نسب اس طرح ہے۔ تمیم بن زید بن عاصم بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج[5]

حضرت تمیم ؓ کا حال علامہ ابن عبدالبر ؒ نے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب اور حافظ ابن حجر العسقلانی ؒ نے الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں بھی لکھا ہے۔ لیکن اسد الغابہ

۱۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر (جہلم ڈسٹرکٹ) تالیف مسٹر ٹالبٹ جلد XXVII، ص ۱۱۲، وتذکرہ مشائخ چشتیہ للہیہ قلمی ص نمبر ۳۔

۲۔ "اسد الغابہ" تالیف علامہ ابن اثیر جزری مطبوعہ طہران، ۱۳۷۷ھ۔ جلد دوم ص ۲۱۷

۳۔ انوار الباری شرح صحیح البخاری از مولانا محمد انور شاہ کشمیری، کتاب الوضو ص ۱۵۰ جلد ۲

۴۔ الاکمال فی اسماء الرجال مشکوٰۃ المصابیح تالیف علامہ ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب (اردو ترجمہ) مطبوعہ کراچی ص ۹۹۔

۵۔ سیر الانصار مصنفہ سعید احمد انصاری، حصہ اول، مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ، ترجمہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری ؓ

کا ترجمہ ان دونوں سے زیادہ مفصل ہے۔[۱] نیز طبقات ابن سعد میں حضرت تمیم رض کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

تمیمی انصاری خاندان کا ہندو پاکستان میں ورود۔

چونکہ اس خاندان سے بہت سی تاریخی اور تاریخ ساز شخصیتوں کا تعلق ہے۔ اور یہ ایک نادر تحقیق ہے۔ اسلئے اس خاندان کا قدرے تفصیلی حال یہاں لکھا جاتا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ محمد بن قاسم کی فوج میں قبیلۂ بنی تمیم کے لوگ شامل تھے بعض تمیمی بعد میں منصورہ اور دیبل کے حاکم بھی رہے۔ دور بنو امیہ اور بنو عباس میں ان میں سے چند ایک سندھ کے گورنر مقرر کیے گئے۔[۲] میر علی شیر قانع تحفۃ الکرام میں لکھتے ہیں:

"پس چند آسامی دیگر از بغداد از آل تمیم منصوب با یالت سند شدند، و بسیاری از اعراب ساکن سامرہ در سند رسیدہ اینجا ماندند"[۳]	پس تمیم رض کی اولاد میں سے کچھ لوگ بغداد سے آکر سندھ کی حکومت پر فائز ہوتے اور بہت سے عرب سامرہ سے سندھ آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔

خواجہ نظام الدین احمد بخشی صاحب طبقات اکبری (تاریخ تألیف ۱۰۰۲ھ) لکھتے ہیں۔

" مؤلف تاریخ طبقات بہادر شاہی گوید کہ در اوائل زمان حکومت فرمان روائی ناحیہ سند در اولاد تمیم انصاری رض بود"[۴]	مؤلف تاریخ طبقات بہادر شاہی کہتا ہے۔ کہ فتح سندھ کے ابتدائی دور میں سندھ کی حکومت حضرت تمیم انصاری رض کی اولاد کے ہاتھ میں رہی۔

۱۔ مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور میں علامہ اے ایس بزمی انصاری کا مضمون بعنوان "احوال و آثار علامی سعد اللہ خان" ۱۹۷۷ء جلد ۸ شمارہ نمبر ۲، ۳ ص ۹۱۔

۲۔ مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان جلد ۸، شمارہ ۲، ۳، مقالہ اے ایس بزمی انصاری ص ۹۹

۳۔ تحفۃ الکرام جلد سوم تالیف میر علی شیر قانع ٹھٹوی، مرتبہ حسام الدین راشدی مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۷۱ء، ص ۵۳

۴۔ طبقات اکبری تالیف خواجہ نظام الدین احمد جلد سوم مطبوعہ کلکتہ، ۱۹۳۵ء، ص ۵۱۲
نیز دیکھئے T.W. Beale کی اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری بحوالہ تاریخ حاجی محمد قندھاری۔

اسی طرح فرحت الناظرین کے مصنف لکھتے ہیں :۔

"پس از محمد قاسم بزرگی آن ناحیہ در اولاد بنی تمیم انصاری بود تا دو صد سال. بعد ازاں الوس سمرہ فرمان روائی کردند"[۱]

محمد بن قاسم کے بعد اس علاقہ (سندھ) کی حکومت دو سو سال تک تمیم انصاری کی اولاد کے پاس رہی اسکے بعد سومروں نے سندھ پر حکومت کی۔

مذکورہ بالا تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سندھ کی حکومت بنوامیہ اور بنوعباس کے گورنروں کی حیثیت سے انہی تمیم انصاری کی اولاد میں سلطان عبدالرشید بن سلطان محمود غزنوی کے دورِ حکومت (۴۴۳ھ/۱۰۵۲ء) تک باقی رہی۔ اس کی تائید اُن عرب گورنروں کے ناموں سے بھی ہوتی ہے۔ جن کی ایک مفصل فہرست تحفۃ الکرام (جلد سوم بخش اول، مرتبہ پیرحسام الدین راشدی) میں بطور ضمیمہ کے دی گئی ہے۔ یہ فہرست مستند مآخذ الطبری، البلاذری، ابن اثیر، الیعقوبی اور چچ نامہ کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔ سید عبدالحی ندوی نے بھی نزہۃ الخواطر جلد اول میں بعض گورنروں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ ہلال بن احوز التمیمی (۱۰۱ھ/۷۱۹ء تا ۱۰۷ھ/۷۲۵ء)
۲۔ موسیٰ بن کعب التمیمی (۱۳۴ھ/۷۵۱ء تا ۱۴۱ھ/۷۵۸ء)
۳۔ عیینہ بن موسیٰ التمیمی (۱۴۱ھ/۷۵۸ء تا ۱۴۲ھ/ ۷۵۹ء)
۴۔ معبد بن خلیل التمیمی (۱۵۶ھ/۷۷۳ء تا ۱۵۹ھ/۷۷۵ء)[۲]

چونکہ ان گورنروں کے ناموں کے ساتھ جدی نسبت "تمیمی" لکھی گئی ہے۔ اور قبائلی نسبت "انصاری" نہیں لکھی گئی، اسلئے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ اسے

۱۔ اقتباس از فرحت الناظرین مصنفہ محمد اسلم بن محمد حفیظ انصاری پسروری۔ مرتبہ محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۷۲ء، ص ۲۱۳۔

۲۔ تحفۃ الکرام، میر علی شیر قانع جلد سوم، مرتبہ پیرحسام الدین راشدی حیدر آباد ۱۹۷۱ء، ص ۹۲۱، ۹۲۶

ایس۔ بزمی انصاری اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں :۔

"ہمارا مؤقف یہ ہے۔ کہ سندھ کے اُن حکمرانوں کا تعلق بنو تمیم قریش سے نہیں تھا۔ بلکہ وہ حضرت تمیم انصاری رضؓ کی اولاد سے تھے، اور اپنے مورث اعلیٰ کے نام کی رعایت سے تمیمی مشہور ہوتے۔ نیز یہ کہ اُن کی قبائلی نسبت "انصاری" کا استعمال قریب قریب متروک ہو گیا تھا[1]

سندھ سے ملتان

سندھ کی حکومت سومروں کے عروج تک حضرت تمیم انصاری رضؓ کی اولاد میں رہی۔ سلطان عبدالرشید کے عیش و عشرت میں پڑ جانے اور کار جہانداری سے غفلت کے سبب سومروں نے علم بغاوت بلند کیا۔ اور آخر کار حکومت پر قبضہ کر لیا۔

اسی افراتفری کے عالم میں حضرت تمیم انصاری رضؓ کی اولاد میں سے بارھویں پشت میں سے ایک بزرگ حارث[2] نامی اپنے فوجی دستہ اور خاندان کے ساتھ لبمد[3]

۱۔ بزمی صاحب مزید لکھتے ہیں "یہ تو زمانہ ماضیہ کی بات تھی خود موجودہ زمانہ میں کئی خاندان اور مشاہیر ایسے گزرے ہیں جنہیں انصاری ہوتے ہوئے بھی کوئی انصاری نہیں جانتا قیام پاکستان سے قبل مرزا سر ظفر علی مرحوم ساکن لاہور، پنجاب ہائی کورٹ کے جج تھے۔ انکے نام پر لاہور کی ایک سڑک آج بھی مرزا سر ظفر علی روڈ کہلاتی ہے۔ وہ حکیم علم دین انصاری نواب وزیر خاں کی نسل سے تھے۔ اسی لیے مسجد وزیر خان کے متولی تھے۔ مغلیہ دور میں چونکہ اعلیٰ منصب والوں کو نکریا مرزا کہا جاتا تھا۔ اور نواب وزیر خاں پنجاب کے گورنر رہ چکے تھے۔ لہذا ان کی اولاد نے اپنے نام کے ساتھ مرزا کے لقب کا اضافہ کر لیا (مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور مقالہ بزمی انصاری بعنوان احوال و آثار علامی سعد اللہ خان۔ جلد ۸ شمارہ ۲-۳، ۱۹۷۱، ص ۸۲)

۲۔ پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹیر (جہلم ڈسٹرکٹ) تالیف مسٹر ٹالبٹ، جلد ۲۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۰۷ء، ص ۱۱۲۔

۳۔ مسٹر ٹالبٹ نے ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں اہل اللہ کی روایت کے مطابق اس مقام کا نام مندلہ Manda لکھا ہے یہ غلط ہے۔ اس مقام کا صحیح نام لبمد Basmad ہے۔ بقول ابن حوقل اور الاصطخری لبمد سندھ کے قدیم دارالحکومت الرور (موجودہ روہڑی) اور ملتان کے مابین واقع تھا۔ ملتان سے تیس بتیس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جبکہ روہڑی سے پچاس پچپن میل کے فاصلہ پر تھا (مکتوب بزمی انصاری صاحب بنام راقم السطور ۵۔۸۔۱۹۷۴)

کے مقام پر آکر آباد ہوئے۔ یہ مقام ملتان سے تیس میل کے فاصلہ پر ملتان اور دوبڑی
کے درمیان واقع تھا۔ اور اس وقت ہندوستان کے شہروں میں شمار ہوتا تھا
حارث کی اولاد ایک مدت تک یہیں آباد رہی لبسمد کی بربادی کے بعد یہ لوگ ملتان آتے
اور حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (متوفی ۶۶۶ھ/۱۲۶۷ء) کی خدمت میں
حاضر ہوتے۔ اور کچھ مدت ملتان میں قیام پذیر رہے!

آگرہ ملتان سے اس قبیلہ کے کچھ لوگ آگرہ اور سنبھل کو چلے گئے۔ آگرہ میں جو
خاندان آباد ہوا۔ اس میں بڑے بڑے علما اور مشایخ پیدا ہوئے جو کہ مشاہیر ہندوستان
میں سے ہیں۔ مثلاً الشیخ الفاضل شیخ نصیر الدین تیمی انصاریؒ الشیخ الفاضل شیخ عبداللہ
تیمی انصاریؒ (م ۹۴۶ھ/۱۵۳۹ء) الشیخ العالم الکبیر شیخ جلال الدین تیمی انصاریؒ (م ۹۹۱ھ)
(م ۹۹۴ھ) الشیخ الفاضل شیخ یوسف بن عبداللہ تیمی انصاریؒ (۹۹۴ھ) خلیفہ سید
اسماعیل ابن ابدال الشریف حسنی اُچیؒ الشیخ الفاضل افضل محمد بن یوسف بن عبداللہ
التیمی الانصاری ملتانی اکبرآبادیؒ (م ۱۰۰۳ھ) یہ شیخ افضل محمد بن یوسف تیمی انصاری
علامی ابوالفضل اور ملک الشعرا فیضی کے بہنوئی تھے۔[۳] انہی شیخ افضل محمد کے صاحبزادہ
شیخ عبدالصمد تیمی انصاری مصنف اخبار الاصفیا تھے۔[۲]

سنبھل سنبھل میں جو خاندان آباد ہوا۔ اس کے ایک ممتاز فرد نواب امین
الدین خان بہادر سنبھلی تھے۔ ان کے بارے میں صاحب مآثر الامرا نے

۱۔ جہلم ڈسٹرکٹ گزیٹیر تالیف مسٹر ٹالبٹ، جلد ۲۷، ص ۱۱۲۔

۲۔ علما و مشایخ آگرہ کے حالات کے لیے دیکھئے اخبار الاصفیا تالیف شیخ عبدالصمد بن افضل محمد تیمی انصاری
(قلمی) تاریخ تالیف (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) اسکے نسخے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہیں

۳۔ ابوالفضل کے دو مرے دو بہنوئی حسب ذیل ہیں۔
۱۔ شیخ اسلام خان چشتی فاروقی بن بدرالدین بن شیخ سلیم چشتی اکبرآبادیؒ (مآثر الامرا جلد اول ص ۱۱۷)
۲۔ میر حسام الدین بن قاضی نظام بدخشی، یہ بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ سمرقندی کابلی ثم دہلویؒ کے خلفا میں
سے تھے۔ (مآثر الامرا جلد ۳ ص ۳۲۲)

۔ آگرہ کے علما و مشایخ کے حالات کیلئے دیکھئے نزہۃ الخواطر تالیف سید عبدالحی ندوی، جلد چہارم و پنجم نیز دیکھئے گلزار ابرار
ص ۲۲۱

لکھا ہے۔ "سنبھل کے شیخ زادوں میں سے ہے۔ جو کہ دارالخلافہ دہلی سے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کا نسب تمیم انصاری پر منتہی ہوتا ہے۔"[1]

نواب امین الدولہ امین الدین خان، فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانہ کے امیر ہیں۔ انہیں چھ ہزاری ذات اور چھ ہزار سوار کا منصب ملا ہوا تھا۔ "امین الدولہ" کا خطاب۔ اور سنبھل کا محال ان کی جاگیر میں تھا جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ ہوتی تھی۔[2] ان کا انتقال نادر شاہ کے حملہ کے بعد ۱۷۳۹ء میں ہوا۔

نواب امین الدولہ کے بیٹے نواب اعتضاد الدولہ ارشاد خاں اور ان کے بیٹے ظفر علی خان تمیمی انصاری حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید نقشبندی مجددی دہلوی (م ۱۱۹۵ھ) کے چہیتے مریدوں میں سے تھے۔ ان دونوں کے نام مرزا صاحب کے متعدد خطوط، آپ کے مجموعۂ خطوط میں موجود ہیں۔[3]

اس خاندان کے آخری نمایندے نواب عاشق حسین خان تمیمی انصاری رئیس اعظم سنبھل تھے جن کا انتقال ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو ہوا۔

ملتان سے چنیوٹ اور للہ شریف

ملتان سے تمیمی انصاری قبیلہ کی دوسری شاخ شمالی پنجاب کی طرف منتقل ہوئی

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خاندان میں سے ایک بزرگ غوث شاہ ان کی تربیت کی غرض سے ان کے ہمراہ رہے۔ پہلے یہ خاندان شہید الوالی (شہید گڑھ ضلع گوجرانوالہ) برکنارہ دریائے چناب میں آباد ہوا۔ شہید الوالی میں یہ خاندان آپس میں اختلاف کی بنا پر دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ وہاں سے منتقل ہو کر ایک

۱۔ مآثر الامرا تالیف صمصام الدولہ شاہنواز خان۔ جلد اول۔ ص ۳۵۶ (اردو ترجمہ)

۲۔ مآثر الامرا۔ جلد اول۔ ص ۳۵۷۔

۳۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط مرتبہ خلیق انجم، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۲ء ص ۱۲۰، ۱۳۰، ۱۵۰

۴۔ مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور، مقالہ بزمی انصاری جلد ۸ شمارہ ۲، ۳ ص ۸۹۔

خاندان چنیوٹ (کنارہ دریائے چناب) ضلع جھنگ میں آباد ہوگیا۔ اور دُوسرا گروہ
[1] ضلع جہلم میں آباد ہوا۔

چنیوٹ کا خاندان[2]

چنیوٹ کے خاندان میں سے حکیم علم الدین انصاری تیمی المعروف نواب وزیر خان گورنر پنجاب بعہد شاہجہان
بانیٔ جامع وزیر خان لاہور اور جملۃ الملک نواب سعد اللہ خان علامی تیمی انصاری
وزیر اعظم ہندوستان بعہد شاہجہان (متوفی ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۶ء) مشہور و معروف ہیں۔
نواب وزیر خان ۱۰۴۱ھ سے ۱۰۴۹ھ تک آٹھ سال تک پنجاب کے گورنر رہے اور
ایک سال آگرہ کے گورنر رہے۔ اور ۱۰۵۰ھ میں آگرہ میں فوت ہوئے۔ علامہ ایس بزمی انصاری، نواب سعد اللہ خان کے حالات قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
"در واقع شاہی دربار میں اس کے (نواب سعد اللہ خان) تعارف کا ذریعہ حکیم علم الدین انصاری نواب وزیر خان تھے۔ جو سعد اللہ خان سے نسبت ہموطنی وہم نسبی رکھتے تھے۔[3]"
مصنف مآثر الامرا نے سعد اللہ خان کے بارے میں لکھا ہے "اصلش از بنی تمیم قریش[4]"۔ علامہ بزمی انصاری صاحب مآثر الامرا کے اس بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
"مآثر الامرا یا دیگر تذکرہ نگاروں کا سعد اللہ خان کو تیمی قریشی لکھنا کچھ ایسا مستبعد بھی نہیں ٹھہرتا حقیقت میں غلطی ان کی نہیں بعد میں آنیوالوں کو چونکہ سعد اللہ خان کے نسب و خاندان سے پوری واقفیت نہ تھی۔ لہٰذا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو

۱۔ پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹیئر (جہلم ڈسٹرکٹ) مرتبہ مسٹر ٹالبٹ، لاہور ۱۹۰۷، جلد ۲۷، ص ۱۱۲۔

۲۔ حکیم علم الدین بن شیخ عبداللطیف بن شیخ حسام الدین انصاری چنیوٹی المعروف نواب وزیر خاں کیلئے دیکھئے۔ مآثر الامرا و تحقیقات چشتی تالیف نور احمد و تاریخ و آثار لاہور تالیف سید محمد لطیف و نزہۃ الخواطر تالیف سید عبدالحی جلد پنجم

۳۔ مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور مقالہ بزمی انصاری بعنوان احوال و آثار سعد اللہ خاں علامی ص نمبر ۱۲۲ (قسط اوّل)

۴۔ مآثر الامرا۔ جلد دوم۔ ص ۴۴۱۔

گئے۔ کہ وہ "قریشی" تھا۔ درآنحالیکہ جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے۔ وہ نباً انصاری تھا۔ اور حضرت تمیم بن زید اخو عبداللہ بن زید الانصاری المازنی المدنیؓ کی اولاد میں سے تھا۔ والعلم عنداللہ۔[1]

جملۃ الملک نواب سعداللہ خان علامی، شاہجہان تیموری کے عہد میں ۱۰۵۵ھ سے ۱۰۶۶ھ یعنی اپنی وفات تک پورے گیارہ سال تک ہندوستان کے وزیراعظم رہے۔ اس کے ساتھ ان کو ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ کا منصب بھی حاصل تھا جس سے زیادہ بلند منصب اسوقت تک کوئی اور نہیں تھا۔[2]

سعداللہ خان کے تمام معاصر مورخین نے سعداللہ خان کے علم و فضل، فصاحت و بلاغت صدق و دیانت، حفظ و استحضار، تحریر و تقریر اور نظم و تدبر کی بہت تعریف کی ہے۔[3] شیخ فرید بھکری نے تو یہاں تک لکھا ہے:-

"از اکابر آں عصر (یعنی عہد میر علی شیر نوائی) و خرد مندان دہر دیرینہ سال چناں سماع افتاد کہ مثل خان معزالیہ در نزدیکی زمانہ سابق و حال پا بعرصہ وجود نہ نہادہ آیندہ را خدا داند۔"[4]

اس زمانہ کے اکابر یعنی میر علی شیر نوائی کے عہد کے پرانے بزرگوں اور زمانے کے عقلا سے یوں سننے میں آیا ہے۔ کہ سعداللہ خاں کی مثل زمانہ سابق و حال میں فضائل و کمالات کے لحاظ سے کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ آئندہ کا حال خدا کو معلوم ہے۔

۱۔ مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور مقالہ بزمی انصاری بعنوان احوال و آثار علامی سعداللہ خاں (قسط اول ص ۸۴)

۲۔ مکتوبات سعداللہ خاں، مقدمہ از غلام رسول مہر، مرتبہ ڈاکٹر ناظر حسین زیدی۔ دانشگاہ پنجاب لاہور ص ۶

۳۔ شیخ فرید بھکری، ذخیرۃ الخوانین میں لکھتے ہیں: سعداللہ خاں در تدابیر ملکی و انتظام معاملات و مہمات و فہم و فراست و دانش و بینش و خرد بے ہمتائے زمانہ اند۔ امروز زمانہ را بوجود نایفش السجود و افتخار است اگر ترک ادب نباشد مشارٌ الیہ بعقل و کاردانی مرد کامل الاطلاق باید کرد کہ چندیں صفات حسنہ در یک ذات عزیز بالذات منحصر است۔ ذخیرۃ الخوانین مصنفہ فرید بھکری خطی۔ ورق ۴۳۸، ۴۳۹

۴۔ ایضاً۔ ص ۳۳۱، ۳۳۳۔

سعد اللہ خان کے مفصل حالات کے لیے دیکھیے مآثر الامرا۔ ذخیرۃ الخوانین۔ تحفۃ الکرام بادشاہ نامہ۔ عمل صالح۔ نزہۃ الخواطر۔ سفرنامہ ڈاکٹر برنیر۔ اور مرآۃ العالم وغیرہ۔

حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی لاہور نے "مکتوبات سعد اللہ خان" شائع کیے ہیں۔ اور ادارہ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور کے وقیع سہ ماہی مجلہ میں علامہ اے ایس بزمی انصاری نے دس قسطوں میں "احوال و آثار علامی سعد اللہ خان" کے عنوان سے ایک مقالہ شائع کیا ہے۔ اور حق تحقیق و تفتیش ادا کیا ہے۔ اہل علم کے لیے یہ مقالہ قابل دید ہے۔ اس میں سعد اللہ خان اور اسکی اولاد کے تفصیلی حالات بیان کئے گیے ہیں۔

نواب سعد اللہ خان تیمی انصاری کی ایک شادی کریم داد انصاری پسر جلال الدین انصاری پسر پیر روشن بایزید انصاری الولیؒ (م ۹۸۹ھ) کی دختر سے ہوئی تھی پیر روشن شیخ بایزید انصاریؒ، شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری ہرویؒ کی اولاد سے تھے ان کے اخلاف شاہجہانی دور کے امرا میں سے تھے۔ [ان کے حالات کے لیے دیکھیے مآثر الامرا۔ جلد دوم و جلد سوم]۔

نواب سعد اللہ خان کے تینوں لڑکے نواب لطف اللہ خان (م ۱۱۱۴ھ/ ۱۷۰۲ء) نواب حفظ اللہ خان عرف نواب میاں خان (م ۱۱۱۳ھ/ ۱۷۰۱ء) اور نواب عنایت اللہ خان، عہد عالمگیری کے امرا میں سے تھے۔ اور ان کے بیٹے اور پوتے بھی مغلیہ دور کے خاتمے تک اعلیٰ مناصب پر قائم رہے۔ نواب میاں خان کا مقبرہ لاہور میں موجود ہے۔

نواب سعد اللہ خان کی ایک لڑکی صفیہ خانم عرف سعید النساء کا نکاح غازی الدین خان فیروز جنگ اول ابن قلیچ خان سے ہوا ان کے بیٹے نظام الملک آصف جاہ اول بانی خاندان آصفی تھے جو کہ سعد اللہ خان کے نواسے تھے۔ اسطرح نواب سعد اللہ خان تیمی انصاری کی دختری اولاد دو صدیوں تک حیدر آباد دکن میں حکمران رہی!

۱۔ مکمل حالات کیلئے دیکھئے مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بزمی انصاری صاحب کا مقالہ ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۶ء۔

نواب سعد اللہ خان ۲۲ر جمادی الآخر ۱۰۶۶ھ بمطابق ۷ر اپریل ۱۶۵۶ء میں سینتالیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔[1]

خواجہ فیض بخش للّٰہی کا خاندان

جیسا کہ اوپر بیان گیا ہے، ملتان سے تیمی انصاری خاندان کے لوگ شہید الوالی (برکنارہ دریائے چناب) آئے۔ وہاں کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد ایک گروہ چنیوٹ کو چلا گیا۔ اور دوسرا گروہ للہ ضلع جہلم میں آباد ہوا۔

تیمی انصاری خاندان کے ایک سردار مسمی کالا تیمی اپنے تین لڑکوں اور ایک بھائی اور ایک مختصر سے فوجی دستے کے ہمراہ شہید الوالی سے چل کر ضلع جہلم میں پنڈ دادنخان سے بیس میل مغرب کی طرف کوہستان نمک کے دامن میں ایک وسیع خطۂ زمین پر قابض ہو کر آباد ہو گئے اور اپنے ایک بزرگ للّٰہ کے نام پر گاؤں کا نام بھی للّٰہ رکھا۔ للّٰہ کے مقام پر یہ خاندان مغل عہد حکومت میں دسویں صدی ہجری کی ابتدا میں آیا۔[2] اس خاندان کی ایک معروف شخصیت مولانا کلیم اللہ تیمی انصاری ؒ تھے۔ جو ایک جید عالم، للہ بھیرہ کے سردار اور علاقہ کے قاضی تھے۔ ان کی اولاد میں متعدد صاحب علم و فضل پیدا ہوئے۔ خواجہ فیض

۱۔ سعد اللہ خاں کی وفات پر شاہجہان نے امیر الامراء علی مردان خان کے نام جو تعزیتی فرمان بھیجا اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو: "سرو فراز ارکان خلافت عظمیٰ، سرآمد اعیان دولت کبریٰ، واقف رموز کاردانی، محرم اسرار ظل سبحانی، صاحب عیار دانائی، شناسائی گوہر شناسائی، مرآت حسن اخلاق و عقیدت، آب گوہر وفا و حقیقت، دستور العمل دیوان آگاہی، نظر یافتۂ عنایت شاہنشاہی، حاوی مراتب فروع و اصول، سر حلقۂ ارباب اقبال و قبول، راز دان دین و دیانت، عنوان صحیفۂ تعقل و فطانت، مخلص حق شناس سپاس گزار، مرید یک رنگ وفا آئین، جان نثار، وزیر عطارد تدبیر، ستودہ سیر، مشتری نظر، نیکو محضر، سرافراز عنایات بی پایاں، سزاوار مراحم نمایاں، علامہ زمان وحید دوران، سعد اللہ خان ..... ازین دیر دیر بنیاد و کہنہ رباط بی ثبات رحلت نمود، و بجوار رحمت ایزدی پیوست"

[مقدمہ مکتوبات سعد اللہ خان ص ۱۲]

۲۔ پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹیر (جہلم ڈسٹرکٹ) مرتبہ مسٹر ٹالبٹ۔ جلد ۲۷، مطبوعہ لاہور ۱۹۰۷ء ص ۱۱۲۔

بخشؒ انہی کی اولاد میں سے ہیں۔[1]

تاریخ ولادت و مقام ولادت خواجہ فیض بخش اللہ (ضلع جہلم) کے مقام پر ۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء کے قریب پیدا ہوئے[2]

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم خواجہ فیض بخشؒ نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد فارسی و عربی کی ابتدائی درسی کتابیں اپنے خاندان کے بزرگوں سے پڑھیں۔ پھر گجرات (کاٹھیاوار) چلے گئے۔ اور ایک عرصہ وہاں مقیم رہ کر علوم دینی کی تکمیل کی۔ اور مروجہ علوم و فنون، معقول و منقول میں مہارت حاصل کی[3]

تحصیل علم حدیث کے لیے دہلی کا سفر کیا، اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء) کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تکمیل کی اور سندِ حدیث حاصل کی[4]

جستجوئے مرشد تکمیل علوم ظاہری کے بعد آپ کے اندر جذبۂ خدا طلبی پیدا ہوا۔ آپ کے قیام دہلی کے دوران سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے نامور بزرگ حضرت شاہ غلام علی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴م) بقیدِ حیات تھے۔ آپ کا رجحان ان سے بیعت ہونے کا تھا۔ مگر جلد ہی ان کی وفات ہوگئی۔ اور آپ کی خواہش پوری نہ ہوسکی[5]

بیعت شاہ غلام علیؒ کی وفات کے بعد آپ نے اُن کے خلیفہ مولانا غلام محی الدین قصوری نقشبندی مجددی (م ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳م) کے دست مبارک پر بیعت کی اور ایک عرصہ تک اُن کی خدمت میں رہ کر سلوک نقشبندیہ مجددیہ طے کیا۔ اور خرقۂ خلافت حاصل کیا[6]

۱۔ رسالہ آئینہ ص ۶ ۔ ۲۔ رسالہ آئینہ ص ۶

۳۔ " " ۶ ۔ ۴۔ تذکرہ خواجہ محمد سیلمان تونسوی تالیف محمد حسین للہی مطبوعہ لاہور ۱۳۸۰ھ ص ۳۷۰ ۔ ۵ رسالہ آئینہ ص ۶، ۷

۶۔ تذکرہ خواجہ محمد سیلمان تونسوی ص ۳۷۰ مولانا غلام محی الدین قصوریؒ کے ایک دوسرے خلیفہ مولانا غلام نبی نقشبندی للہیؒ تھے۔ جو مولانا خواجہ فیض بخشؒ کے معاصر تھے۔ آپ نے ۱۲۶۳ھ میں مولانا غلام محی الدین قصوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور ۱۳۰۶ھ میں فوت ہوئے اسوقت انکے جانشینوں میں صاحبزادہ محبوب الرسول صاحب اور صاحبزادہ مطلوب الرسول صاحب موجود ہیں (صاحبزادہ محبوب الرسول ۲۱ ستمبر ۱۹۷۱ء کو فوت ہوگئے راقم السطور کیساتھ مخلصانہ روابط رکھتے تھے۔)

لیکن آپ کا رجحان مسلک "وحدت الوجود" کی طرف تھا اور اس پر اطمینان چاہتے تھے۔ اسی زمانہ میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کا آفتاب شہرت نصف النہار پر تھا چنانچہ خواجہ فیض بخش، خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے حالات و کمالات سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور انہی کے ہو رہے!

ریاضت و عبادت آپ ابتدائے عمر سے ہی ریاضت و مجاہدہ کرتے آئے تھے۔ اب خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی صحبت میں کندن بن گئے۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں سلسلۂ چشتیہ کا سلوک طے کیا۔ اور آپ کی خدمت میں مصنفات شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰م) کا درس بھی لیا۔ آپ کے کتب خانہ میں ایک قلمی نسخہ "نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص" کا موجود ہے۔ جس کے آخر میں کاتب (مولانا محمد حسین تونسوی خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی) کی لکھی ہوئی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵م میں آپ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں اکتساب فیض کر رہے تھے۔ اصل عبارت یہ ہے:

"باتمام رسید و باختتام انجامید تسوید این رسالہ شریفہ و تشبید این مقالہ لطیفہ مسمی بہ نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص از دست فقیر محمد حسین عفر اللہ لہ و الوالدیہ و احسن الیہما و الیہ در تونسہ شریفہ زادہا اللہ شرفاً، بتاریخ بست و پنجم ماہ شعبان المعظم ۱۲۶۲ ہجری مقدمین وقت عصر بہ پاس خاطر عاطر مشفقی ام مولوی فیض بخش صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ"[۱]

حصول خلافت ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵م کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ بیکانیر میں قیام پذیر ہو کر اشاعت سلسلہ کریں۔[۲]

سفر بیکانیر آپ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق حصول خلافت کے بعد بیکانیر جا کر مقیم ہو گئے۔ اور سلسلہ رشد و ہدایت کا آغاز کیا۔ اس کے ساتھ ہی سلسلہ تدریس بھی

۱۔ تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۳۷۲ ۲۔ نقد النصوص برگ ۱۳۵ الف

۳۔ تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۳۷۱

در رسالہ آئینہ ص ۷

شروع کیا۔ اس علاقہ کے بہت لوگ آپکے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے۔ اور آپ سے علم ظاہری و باطنی میں استفادہ کیا۔[1]

اقامت درللہ شریف تقریباً پانچ سال تک بیکانیر میں قیام کرنے کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت تونسوی نے خصوصی توجہات سے نوازا اور للہ شریف میں قیام کرنے کا حکم دیا۔[2]

دورِ رشد و ہدایت چنانچہ اپنے مولد للہ شریف آکر مقیم ہوئے اور سلسلۂ ارشاد و تدریس جاری کیا۔ اس علاقہ کے بھی بہت لوگوں نے آپ سے ظاہری و باطنی علوم میں استفادہ کیا۔[2]

آپ نے للہ شریف میں ایک دینی درسگاہ قائم کی۔ جس میں آپ کے علاوہ دوسرے علما بھی درس تدریس کا کام کرتے رہے۔ اور اس علاقہ میں علوم اسلامیہ کی اشاعت ہوئی۔[3]

روابط با مشائخ معاصر مندرجہ ذیل مشائخ معاصر کے ساتھ آپ کے خصوصی روابط تھے۔ (۱) سید امام علی شاہ خلیفہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی[4]

---

(۱) تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۱۷۳ و رسالہ آئینہ ص ۷

(۲) " " " " " ۲۷۲ " " " ۸

(۳) " " " " " ۲۷۲ " " " ۸

(۴) سید امام علی شاہ ساکن جتی (ضلع سرگودھا) خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے خلفا میں سے تھے۔ بہت معتبر اور مرتاض بزرگ تھے۔ ایک سو بتیس[۱۲] سال کی عمر میں ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا۔ مزار جتی میں ہے۔ ان کے جانشین سید حیدر علی شاہ ہوئے۔ ان کے بعد سید مزمل شاہ جانشین ہوئے۔ اور آجتک ان کی اولاد میں جانشینی کا سلسلہ جاری ہے۔

(رسالہ آئینہ ص ۱۲

۲۔ شیخ غلام حسن قادری بھلوالی سجادہ نشین درگاہ شاہ سلیمان قادری بھلوالی[1] (م ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء)

۳۔ سید نواب شاہ قادری بھرتوی سجادہ نشین بھرت ضلع سرگودھا[2]

۴۔ سید غلام شاہ ہرنپوری[3]

سفرِ آخرت حضرت خواجہ فیض بخش کی زندگی کے آخری ایام استغراقی کیفیت میں گزرے۔ آخر ۲۶ / ذیقعد ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۶ء کو ذکر جہر کرتے ہوئے، آپ کا انتقال ہوگیا، اور مسجد کے پہلو میں اپنے عبادت خانہ میں دفن کئے گئے[4]

اولاد آپ کے دو صاحبزادے تھے۔

(۱) مولانا حافظ ناصر الدین (۲) مولوی عبدالعزیز[5]

۱۔ شاہ سلیمان قادری بھلوالی (م ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) سلسلۂ قادریہ کے بلند مرتبہ مشائخ میں سے تھے۔ آپکا سلسلۂ طریقت حضرت شاہ معروف خوشابی (م ۹۸۷ھ / ۱۵۷۹ء) کے واسطہ سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ سلسلۂ نوشاہیہ کے بانی حضرت نوشہ گنج بخش ساہنپالوی (م ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۴ء) آپ ہی کے خلیفہ تھے۔ شیخ غلام حسن معاصر خواجہ فیض بخش للّٰہی، آپ کی اولاد میں سے تھے۔ اور آپ کے جانشین تھے۔ اب تک اس خاندان میں جانشینی کا سلسلہ جاری ہے۔

(تذکرہ اولیائے ہند تالیف مرزا محمد اختر دہلوی جلد سوم مطبوعہ دہلی ۱۹۲۸ء۔ ص ۵۳)

۲۔ سید نواب شاہ قادری بھرتوی، قادریہ راشدیہ سلسلہ کے بلند پایہ بزرگ تھے۔ آپ کا سلسلہ طریقت بر سید محمد راشد قادری سندھی (م ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء) تک پہنچتا ہے بھرت (ضلع سرگودھا) میں آپ کا مقبرہ زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔ اور آپ کی اولاد میں جانشینی کا سلسلہ جاری ہے۔

(رسالہ آئینہ لاہور للّٰہ شریف نمبر۔ اپریل ۱۹۶۳ء ص ۸)

۳۔ سید غلام شاہ ہرنپوری، صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ بچپن میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت حاصل کیا تھا۔ اور خواجہ شمس الدین سیالوی نے ان کو خلافت عطا کی تھی۔ سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کو ان سے بڑی عقیدت تھی ہرنپور ضلع جہلم میں انکا مقبرہ زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔ (ذکر حبیب تالیف محمد الدین مطبوعہ لاہور ۔ ۱۳۴۲ھ ص ۹۵)

۴۔ تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی تالیف محمد حسین للّٰہی مطبوعہ لاہور ۱۳۸۰ھ ۔ ص ۳۷۱ ۔ ۵۔ ایضاً ص ۳۷۲

اخلاق و آداب

حضرت خواجہ فیض بخش اللّٰہی کے تمام افعال و اعمال سُنّتِ نبوی کے مطابق تھے۔ اور مسلک حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا رکھتے تھے۔ غلبۂ عشق الٰہی کی وجہ سے رات رات بھر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ آخری عمر میں استغراقی کیفیت کا غلبہ ہو گیا تھا۔ دنیا اور اہلِ دنیا سے نہایت مستغنی تھے۔ اسلئے آپ عوام میں "تارک الدنیا" کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے بلند احوال کو دیکھتے ہوئے آپ کے ایک معاصر بزرگ میاں غلام محمد قادری بھیروی فرمایا کرتے تھے، کہ آپ کو مرتبۂ محبوبیت حاصل ہے!

آپ شریعت محمدی پر سختی سے قائم تھے۔ اور امرا و حکام کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں نہایت بے باک تھے۔

اپنے مرشد کے طریقہ کے مطابق سماع سے بھی شغل رکھتے تھے لیکن آپ کی مجلس سماع میں مزامیر نہیں ہوتے تھے[۲] اور ذکر بالجہر بہت کرتے تھے[۳]

تصنیف

آپ نے مثنوی مولانا جلال الدین محمد رومیؒ کے پہلے دو دفتروں پر حاشیہ تحریر فرمایا۔ یہ قلمی نسخہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے کتابخانۂ گنج بخش میں موجود

۱۔ رسالہ آئینہ لاہور للہ شریف نمبر۔ اپریل ۱۹۶۳ء ص ۹ تا ۱۲۔

۲۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۹ تا ۱۲۔

۳۔ للہ شریف میں آپ کے معاصر بزرگ مولانا غلام نبی نقشبندیؒ چونکہ نقشبندیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے وہ ذکرِ خفی کے قائل تھے۔ اور ذکرِ جہر کو خلافِ سنت بتاتے تھے۔ خواجہ فیض بخشؒ کی وفات ۱۲۸۲ھ کے بعد بھیرے ضلع سرگودھا کے بزرگ سید نواب شاہ قادری راشدیؒ، للہ شریف آئے تو انکے ساتھ مولانا غلام نبی صاحبؒ نے ذکرِ جہر کے موضوع پر مناظرہ کیا۔ کیونکہ سید نواب شاہ صاحبؒ بھی ذکرِ جہر کے قائل تھے۔ اسکے بعد مولانا غلام نبی صاحبؒ نے ایک رسالہ "قولِ قوی" کے نام سے لکھا۔ جسکا جواب مولانا غلام قادر بھیرویؒ (م ۱۳۲۷ھ) خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے "سیوف الابرار علیٰ منکر جہر الاذکار" کے نام سے اور مولانا محمد حسین تونسویؒ خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے "حسام الاسلام علیٰ منکر کلمہ جہر الاسلام" کے نام سے لکھا۔ یہ دونوں رسالے یکجا ۱۳۰۱ھ میں لاہور سے شائع ہوئے۔ اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے نیز لمعۃ النصوص فی شرح نقش الفصوص کا قلمی نسخہ جسکا اوپر ذکر ہوا ہے۔ یہی کتابخانہ گنج بخش راولپنڈی میں موجود ہے۔

ان دونوں رسائل کے آخر میں حضرت اخوند صاحب عبدالغفور سواتی قادری کا فتویٰ بھی ذکر جہر کے جواز میں شائع کیا گیا ہے۔ نیز رسالہ "سیوف الابرار" کے صفحہ ۲۲ پر نوٹ دیا گیا ہے۔ کہ حسب ذیل علماء مشائخ کرام کے فتوے ذکر جہر کے جواز میں موصول ہوئے ہیں:

(۱) سید میر محمد حسین صاحب نقشبندی ساکن ترمنی ضلع جہلم (۲) مولوی غلام حسین صاحب ساکن چکوال (۳) مولوی فرید الدین صاحب ساکن کہوکر تحصیل چکوال (۴) مولوی احمد علی صاحب دہلوی ثم لاہوری (۵) مولوی کلیم اللہ صاحب ساکن ڈھڈھی مقیم کھیوڑہ (۶) مولوی محمد احسن صاحب ساکن ڈھڈھی ضلع شاہ پور (۷) مولوی غلام لیسین صاحب ڈھڈھی ضلع شاہ پور (مؤخر الذکر تینوں حضرات، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے اعمام تھے) (۸) مولوی احمد صاحب ساکن سرکلاں ضلع جہلم (۹) مولوی عطا محمد صاحب ساکن ڈلوال ضلع جہلم (۱۰) مولوی محمد خلیل صاحب ساکن بھرت ضلع شاہ پور (۱۱) مولوی محمد عبداللہ صاحب مفتی دارالسلطنت اکبرآباد (آگرہ) (۱۲) مولوی سید عمران صاحب ساکن اکبرآباد (آگرہ) (۱۳) مولانا حافظ مصطفیٰ صاحب رئیس مدینہ منورہ (۱۴) مولوی غلام محمد بگوی (۱۵) مولوی محمد الدین لاہوری۔

سیدی حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نے ایک دفعہ ایک مجلس میں فرمایا۔ کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے مرشد حضرت میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری قادری نقشبندی کی خدمت میں ایک دفعہ حکیم نورالدین بھیروی۔ مہاراجہ جموں کیلئے دعا کرانے حاضر ہوا تو آپ نے اسے بغور دیکھ کر فرمایا۔ کہ تم میں الجھنے کی عادت ہے۔ یہی عادت تم کو ایک ایسے شخص کے پاس لے جائے گی۔ جو عنقریب جھوٹے دعوے کرے گا۔ تم اس کے مصاحب بنے ہوتے ہو۔ (اس وقت تک مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا) نیز فرمایا کہ تم جس علاقہ (بھیرہ) کے رہنے والے ہو۔ اس علاقہ میں ان دنوں ذکر جہر و ذکر خفی پر مناظرہ ہوا ہے۔ مناظرہ کرنے والوں کے حق میں یہ بات اچھی نہیں ہوئی۔

(یہ آپ کو کشفی طور پر معلوم ہوا تھا)

جانشینانِ خواجہ فیض بخش للّہی در للّہ شریف

خواجہ فیض بخش للّہی کی وفات ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء کے وقت آپ کے دو صاحبزادے مولانا حافظ ناصرالدین اور مولوی عبدالعزیز موجود تھے لیکن دونوں کمسن تھے۔ مولانا حافظ ناصرالدین بارہ سال کے تھے۔ اور ابھی تحصیل علم سے فارغ نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے خواجہ فیض بخش کی وفات کے بعد مولانا حافظ ناصرالدین کے ماموں مولانا الٰہی بخش کنڈلوی خواجہ فیض بخش کے جانشین مقرر ہوئے، جو کہ دونوں صاحبزادگان کی تربیت کرتے رہے۔ تا آنکہ مولانا ناصرالدین کو تکمیلِ تعلیم کے بعد حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی نے خرقۂ خلافت عطا فرما کر خواجہ فیض بخش کا جانشین مقرر کیا![1]

مولانا حافظ ناصرالدین للّہی

مولانا حافظ ناصرالدین ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء میں للّہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر خواجہ فیض بخش نے آپ کی ولایت کی بشارت دی![2]

آپ نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم للّہ شریف کے مدرسہ میں ہی حاصل کی۔ اور اعلیٰ تعلیم مولانا الٰہی بخش کنڈلوی اور مولوی شمس الدین کنڈلوی سے حاصل کی۔[3]

تکمیل علم کے بعد حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اور تھوڑے عرصہ بعد اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔[4] مولانا حافظ ناصرالدین، حلیم الطبع، منکسر المزاج اور ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اکثر اوقات مراقب رہتے اور جب عشقِ الٰہی کا غلبہ ہوتا تو فقیر احمد بخش اور میاں ابراہیم

۱۔ تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۲۷۳۔ و رسالہ آئینہ ص ۱۵

۲۔ رسالہ آئینہ ص ۱۵ ۳۔ " " " ۱۵

۴۔ " " " ۱۵

سے مولانا عبدالرحمٰن جامی کی غزلیات سنتے اولیاء اللہ کے تذکرے "نفحات الانس" تالیف مولانا عبدالرحمٰن جامی وغیرہ بھی اکثر اوقات مطالعہ میں رکھتے۔ آپ کو اپنے مرشد خواجہ اللہ بخش تونسوی سے بہت محبت تھی۔ آخر عمر تک ہر سال تونسہ شریف حاضر ہوتے رہے![1]

معاصر مشائخ میں سے شیخ غلام حسن قادری بھلوالی، سید نواب شاہ قادری بھرتوی، سید حیات شاہ ساکن علاول خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالوی کے ساتھ آپ کے خصوصی روابط تھے۔[2]

آپ نے اپنے والد ماجد کے قائم کردہ مدرسہ کو جاری رکھا۔ جس میں دور دور کے طالبان علم علم دین حاصل کرتے رہے۔[3]

مولانا ناصر الدین کی وفات ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء میں ہوئی۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ مولانا فضل حسین اور محمد عثمان۔ آپ کے بعد مولانا فضل حسین آپکے جانشین ہوئے خواجہ فیض بخش کے دوسرے صاحبزادہ مولوی عبدالعزیز خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مرید تھے۔ ان کے صاحبزادہ مولانا حافظ احمد بلند پایہ عالم تھے۔ عربی، فارسی اردو اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید میں ایک کتاب "صداقت نامہ" کے نام سے پنجابی نظم میں لکھی اور ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں عنفوان شباب میں انتقال کیا۔[5]

مولانا فضل حسین للہی مولانا فضل حسین، للہ شریف میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم استاذ العلماء مولانا غلام محمد صاحب للہی خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالوی سے حاصل

۱۔ تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۳۷۴ و رسالہ آئینہ ص ۱۵۔

۲۔ رسالہ آئینہ ص ۱۷ ۳۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم فصل دوم بخش دوم۔

۴۔ " " " ۱۷

۵۔ " " " ۲۱

کی منطق و فلسفہ کی کتابیں مولانا محمد رفیق صاحب تلمیذ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) سے پڑھیں، اعلیٰ تعلیم کے لیے امرتسر گئے۔ اور امرتسر کے مختلف علماء سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ تکمیل علم کے بعد تونسہ شریف حاضر ہو کر حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے دست مبارک پر بیعت کی اور ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ والد ماجد مولانا حافظ ناصر الدین کی وفات ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء کے بعد حضرت خواجہ محمود تونسوی اور خواجہ حامد تونسوی نے تونسہ شریف میں علماء و مشائخ کے ایک بڑے اجتماع میں آپ کے سر پر دستار خلافت رکھی۔[۲]

حصول خلافت کے بعد آپ نے مشائخ سلسلہ کی زیارت کے لیے چند خادموں کے ہمراہ ہندوستان کا سفر کیا۔ تونسہ شریف سے مہار شریف ہوتے ہوئے، پاک پتن شریف گئے وہاں سے دہلی تشریف لے گئے اور بزرگان دہلی کے مزار پر معتکف رہ کر کسب فیض کرتے رہے۔ دہلی سے اجمیر شریف گئے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی کے مزار مبارک پر معتکف رہے۔ اس کے بعد للہ واپس آئے اور مسند ارشاد پر فائز ہوئے[۳] آپ نے اپنے بزرگوں کے قائم کردہ مدرسہ کو جاری رکھا جس سے بہت لوگوں نے علم دین حاصل کیا۔[۴]

آپ کی وفات ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔

(۱) مولانا حافظ نظام الدین (۲) حافظ محمد سعید (۳) مولانا حافظ محمد اکرم۔

مولانا نظام الدینؒ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادہ مولانا حافظ نظام الدین سجادہ نشین ہوئے۔ ان کو حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی نے خلافت عطا فرمائی۔[۵] مولانا حافظ نظام الدین راقم مقالہ ہذا کے والد ماجد ہیں۔

۱۔ رسالہ آئینہ ص ۱۹ و تذکرہ مشائخ چشتیہ للہیہ بزرگ ۱۲۰۱۱۔

۲۔ تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۳۷۴ و رسالہ آئینہ ص ۱۹

۳۔ رسالہ آئینہ ص ۱۹، ۲۰ ۴۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم فصل دوم، بحث دوم۔

۵۔ تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۳۷۴۔

مولانا فضل حسینؒ کے دوسرے صاحبزادہ حافظ محمد سعید کا عنفوانِ شباب میں انتقال ہوگیا۔ آپ کے تیسرے صاحبزادہ مولانا حافظ محمد اکرم، کھوڑہ ضلع جہلم میں قیام پذیر ہیں آپ مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ التحصیل اور مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲م) کے شاگرد ہیں۔ آپ نے انگریزی دورِ حکومت میں انگریز کے خلاف چلنے والی تحریکات میں سرگرم حصہ لیا۔ اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی مذہبی اور اصلاحی تحریکات میں حصہ لیتے رہے۔ آجکل کھوڑہ ضلع جہلم میں ایک دینی مدرسہ "مصباح العلوم" کے نام سے جاری کر رکھا ہے۔! قیامِ نظامِ مصطفیٰ کے لئے آپ نے مارچ ۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اسمبلی کے لئے الیکشن لڑا۔

۱۔ تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ، ص ۳۷۴
در رسالہ آئینہ ص ۲۷۔

فصل چہارم

فصل چہارم و پنجم میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے اُن خلفا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے ہندوستان (موجودہ بھارت) میں خانقاہیں قائم کیں، اور جن کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

شعبۂ چہارم در خیرآباد (اودھ)

سید حافظ محمد علی خیرآبادیؒ

سید حافظ محمد علیؒ، خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے جلیل القدر خلفا میں سے تھے خیرآباد (اودھ) میں آپ کی خانقاہ علماء و فقرا کا مرجع تھی۔ اودھ اور دکن میں گزشتہ دو صدیوں میں سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت کا کام اسی خانقاہ کے ذریعہ ہوا۔

نام و نسب آپ کا نام محمد علی اور والد کا نام مولوی سید شمس الدین ہے مولوی سید شمس الدین، شیخ نظام الدین المشہور بہ شیخ اللہ دیا خیرآبادی[1] (م ۹۹۳ھ/ ۱۵۸۵ء) کی اولاد میں سے تھے۔ اور شیخ اللہ دیاؒ کا شجرہ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک اور آخر میں حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔ اس خاندان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ علم و فضل کی وجہ سے لوگ اس خاندان کا احترام کرتے تھے۔

تاریخ ولادت و مقام ولادت حافظ سید محمد علی کی ولادت ۱۱۹۲ھ میں موضع کھیری مضافات خیرآباد

۱۔ شیخ نظام الدین مشہور بہ شیخ اللہ دیا شیخ سعد الدین خیرآبادی (م ۸۸۲ھ) کے مرید و خلیفہ تھے

مناقب حافظیہ تالیف غلام محمد ہادی علی خان مطبوعہ کانپور ۱۳۰۵ھ۔ ص ۴۳، و

نزہۃ الخواطر تالیف سید عبدالحی جلد چہارم (اردو) مطبوعہ لاہور۔ ص ۳۸۳

(اودھ) میں ہوئی!

تعلیم

حافظ محمد علی[۲] نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر خیر آباد میں مولوی[۲] احمد اللہ صاحب سے عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی کا سفر کیا۔ اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی[۲] (م ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) ابن شاہ ولی اللہ دہلوی[۲] (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کی خدمت میں مشکوٰۃ شریف اور فصوص الحکم مصنفہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کا درس لیا۔ بعد میں جب حرمین شریف کا سفر درپیش ہوا۔ تو وہاں کے اساتذہ سے جامع الصحیح بخاری[۳] کا درس لیا۔ اور جب حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ تو ان کے مدرسہ میں جامع صحیح مسلم شریف کا درس لیا۔[۴]

جستجوئے مرشد

تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے سخت ریاضتیں شروع کر دیں، اکثر دن کو روزہ رکھتے رات کو نوافل پڑھتے، کبھی اپنے دادا سید محمد مشتاق عرف چھیدا میاں اور شیخ محمد بن قطب مینا لکھنوی (م ۸۸۴ھ) کے مزار پر معتکف رہتے۔ اور مسجدوں کا پانی بھرتے کچھ عرصہ کے بعد دہلی پہنچے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی[۲] اوشی (م ۶۳۳ھ) کے مزار پر معتکف رہے۔ پھر اجمیر پہنچے۔ اور اجمیر سے پاک پٹن آئے۔ یہیں پہلی دفعہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی[۲] کو دیکھا۔ تو ان کے گرویدہ ہو گئے۔ اور آپ کے ہمراہ تونسہ شریف چلے گئے۔[۵]

۱۔ تاریخ مشایخ چشت تالیف خلیق احمد نظامی ۱۹۵۳ء مطبوعہ دہلی ص ۶۶۷ بحوالہ تذکرہ اولیائے دکن جلد اوّل ص ۳۰۸۔

۲۔ مولوی احمد اللہ صاحب الشیخ نظام الدین یعنی شیخ اللہ دیا کی اولاد میں سے تھے۔ مناقب حافظیہ، غلام محمد ہادی علی خان، کانپور، ۱۳۰۵ھ، ص ۷۵۔

۳۔ صحیح بخاری کا اصلی نام "الجامع المسند من حدیث رسول اللہ وسننہ وایامہ" ہے۔ جسے امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ) نے مرتب کیا۔

۴۔ مناقب حافظیہ، ص ۷۶ [حضرت خواجہ تونسوی خود درس حدیث نہیں دیتے تھے۔ البتہ آپ کے مدرسہ کے بعض علما درس حدیث دیتے تھے]

۵۔ مناقب حافظیہ، ص ۷۷، ص ۷۸۔

بیعت و خلافت

ایک سال تک حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے آپ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی پھر کچھ مدت حضرت تونسوی کے حکم سے حافظ محمد علی، تونسہ شریف کے قریبی پہاڑوں میں جاکر مصروف عبادت رہے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ تونسوی نے اپنے پاس بلاکر بیعت کیا۔ اور ساتھ ہی خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا۔ عطائے خلافت کے بعد آپ کو اجمیر شریف روانہ کر دیا۔ اور اجمیر سے آپ خیر آباد چلے گئے![1]

سلسلۂ ارشاد و تربیت

حافظ صاحب نے پہلے پہلے کسی کو مرید نہیں بنایا جب دوبارہ حضرت تونسوی کی خدمت میں پہنچے اور حضرت تونسوی نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو داخل سلسلہ کیوں نہیں کرتے تو عرض کیا! "اہل ہند تمامتر مبتلائی معاصی ہستند، بدین سبب داخل سلسلہ نکردم"[2] حضرت تونسوی نے فرمایا کہ تم کو اس سے کیا مطلب، میں نے اجازت دے دی ہے۔ نیک ہوں یا برے، میں ذمہ دار ہوں۔[3]

اس کے بعد آپ نے بیعت کا عام دروازہ کھول دیا۔ اور پنجاب، اودھ، دکن اور سندھ کے ہزاروں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر حرمین شریفین چلے گئے۔ اور دس سال وہاں قیام فرمایا، واپسی پر کچھ مدت حیدر آباد دکن میں قیام کیا![4] آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ مولوی احمد علی مصنف "قصر عارفاں" لکھتے ہیں:-

"از غایتِ اشتہار کمالات، فضائل وی احتیاج تصریح و تشریح ندارد، چند لک مردم از عرب و عجم بر دستِ حق پرستِ وی تائب و مرید شدند"

آپ کے کمالات کی اتنی شہرت ہے کہ آپ کے فضائل کی تشریح اور صراحت کی حاجت[5] نہیں۔ چند لاکھ آدمیوں نے عرب و عجم سے آکر آپکے دستِ حق پرست پر بیعت اور توبہ کی۔

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۷۹ ۲۔ مناقب حافظیہ ص ۷۹

۳۔ " " ۸۰ ۴۔ " " " ۸۱

۵۔ قصر عارفان تالیف مولوی احمد علی (قلمی) ورق ۸۳ ب

خدمتِ دین

حضرت حافظ محمد علیؒ نے اپنے حلقۂ اثر میں بہت سی ہندوانہ رسوم اور بدعات کو ختم کیا۔ اور اسلامی شعائر کو زندہ کیا۔ مصنف مناقب حافظیہ لکھتے ہیں:۔

"شیخ الاسلام (حافظ محمد علی) را چونکہ در اتباع سنتِ نبوی بسیار کد و کاوش بود، دایم در احیا سنت نبویہ و انہدام رسومات اہلِ ہند مستعد و آمادہ می ماندند"

شیخ الاسلام حافظ محمد علیؒ چونکہ اتباع سنتِ نبوی میں بہت کوشش کرتے تھے[۱] اسیلئے ہمیشہ سنتِ نبوی کو زندہ کرنے اور اہلِ ہند کی رسومات و بدعات کو ختم کرنے پر آمادہ و تیار رہتے تھے۔

آپ مثنوی مولانا جلال الدین محمد رومیؒ، فصوص الحکم و فتوحات مکیہ تصانیف شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور لوائح جامی کا درس دیا کرتے تھے جس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے۔ علامۂ وقت مولوی فضل حق خیر آبادیؒ[۲] (م ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء) جو خود ایک جید عالم اور مشاہیر میں سے تھے۔ آپ کی خدمت میں فصوصؒ الحکم کا درس لینے حاضر ہوتے تھے[۳]۔

روابط با مشایخ عصر

حافظ صاحب کے معاصر مشایخ آپ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور آپ کی روحانی عظمت کے قایل تھے حسب ذیل مشایخ کے ساتھ آپ کے گہرے مراسم تھے۔

۱۔ مولانا انوار الحقؒ، لکھنؤ کے اکابر مشایخ میں سے تھے۔ حافظ صاحب کو "شبلی وقت" اور شیر حق کہا کرتے تھے[۴]۔

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۸۶

۲۔ مولوی فضل حق خیرآبادی ابن مولوی فضل امام خیرآبادی معقولات کے امام اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ مرزا غالب اور مفتی صدر الدین دہلوی کے گہرے دوست تھے۔ آپ نے طبیعیات پر بھی کتابیں لکھیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں آپ کو انگریزوں نے حبس دوام کی سزا دی۔ اور رنگون بھیجے گئے۔ وہیں ۱۸۵۹ء میں فوت ہوئے۔ (گل رعنا تالیف سید عبدالحی مطبوعہ ۱۳۲۷ھ ص ۱۷)

۴۔ مناقب حافظیہ ص ۹۴۔

۵۔ مناقب حافظیہ ص ۸۳۔

۲. مولانا شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی؟ (مصنف کلمۃ الحق) آپ کو اپنے عہد کے "سلطان المشایخ"
کہا کرتے تھے۔۱

۳. مولانا محمد رمضان مہمی؟ ۔ مکہ معظمہ کے دوران قیام آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے
کسب فیض کرتے رہے۔۲

۴. حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی؟ (م ۱۲۳۰ھ) آپ کے استاد تھے۔ اسکے باوجود آپ کا بہت
احترام کرتے تھے۔۳

۵. حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ) آپ کی بہت خاطر مدارات
کیا کرتے تھے۔ جبکہ آپ دہلی قیام پذیر ہوتے۔۴

حافظ صاحب اور اصحاب سیاست

حافظ صاحب، مشایخ سلسلہ کی طرح امرا کی ملاقات سے
ہمیشہ مجتنب رہے۔ اگرچہ معاصر امرا کو آپ سے ملنے کی بڑی تمنا رہی۔ نواب بہاولپور، نواب
صادق محمد خان ثانی (۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء — ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء) نے حافظ صاحب سے ملنے کی بارہا کوشش
کی۔ لیکن ناکام رہے آخر نواب صاحب نے خواجہ محمد سلیمان تونسوی؟ سے عرض کیا کہ مجھے
حافظ صاحب کی زیارت کی تمنا ہے۔ حضرت تونسوی نے حافظ صاحب کو مجلس میں بلایا،

---

۱. مناقب حافظیہ ص ۸۴۔

۲. مناقب المحبوبین ص ۲۵۳۔

۳. شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ ولی اللہ؟ کے صاحبزادے ہیں۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت
شاہ عبدالعزیز؟ سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی۔ اور شیخ عبدالعدل دہلوی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔
آپ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے۔ آپ سے مولانا عبدالحی بڈھانوی، شاہ اسماعیل شہید؟
، سید احمد شہید؟، مولانا فضل حق خیر آبادی؟، شاہ محمد اسحٰق دہلوی اور دوسرے کبار علماء نے
استفادہ کیا۔ آپ کا قرآن مجید کا بامحاورہ اردو ترجمہ اور مختصر تفسیر موضح القرآن مشہور و معروف
ہیں۔ (مقدمہ انوار الباری شرح صحیح البخاری افادات مولانا انور شاہ کشمیری مرتبہ سید
احمد رضا بجنوری ۱۳۸۱ھ، ص ۲۰۵) ۴. مناقب حافظیہ ص ۱۳۸۔

حافظ صاحب مجلس میں آئے. تو نواب مذکورہ کی طرف پیٹھ پھیر کر بیٹھ گئے![1]

اسی طرح بہادر شاہ ظفر (۱۸۳۷ء۔۱۸۵۷ء) نے کئی مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی. مگر آپ نے ہر بار یہی جواب دیا. کہ ملاقات کی ضرورت نہیں شوقِ ملاقات کا دل میں رہنا ہی اچھا ہے۔[2]

نواب واجد علی شاہ والیِ اودھ کی بے راہ روی سے آپ سخت ناراض تھے. چنانچہ ایک دفعہ لکھنؤ تشریف لے گئے اور واجد علی شاہ کو کہلا بھیجا کہ ہم جنگ کے لیے آئے ہیں. اور اپنے مریدوں کو تلواریں لانے کے لیے کہا. حافظ عبد العزیز راوی کو بھی تلوار لانے کو کہا گیا. اور فرمایا:

در دلم ہمیں می آید کہ ازیں زمین تخت انتزاع نمایم[3]	میرے دل میں یہی آتا ہے. کہ اس زمین سے تخت خالی کر والوں.

حافظ صاحب بحیثیت شاعر

حافظ صاحب فارسی میں شعر بھی کہتے تھے. مشتاق تخلص تھا.

آپ کا کلام غزلیات و رباعیات پر مشتمل ہے. ایک غزل ملاحظہ ہو۔

دلم بربود جانانی کہ آنی دلستان دارد	شکر لب خندہ نمکی خمار میکشان دارد.
چو گل رُخ نرگسیں چشمی، بروشش سنبلی زلفی	لبِ نازک تراز لالہ، قدِ سروِ روان دارد.
گہ از نمکین نمی پرسد زحالِ زارِ من دلبر	خدایا مہربان سازش کہ دل سنگین چنان دارد
ازیں نامہربان شوخی چہ آسایش دہد دستم	کہ باکم التفاتی ہا زمن خاطر گران دارد.
بہ کیشِ دلبری شاید روا دارد دل آزادی	کہ از مژگان زند پیکان و از ابرو کمان دارد
متاع صبر از دلہا کند غارت بہ یک لمحہ	مگر در گوشۂ چشمے چنیں ہا مردمان دارد.
بیا مشتاق زیں بگزر، تو خاکِ پا سلیمان شو	کہ ہر کس از جمالِ او کمالِ بیکران دارد[4]

---

۱. مناقب حافظیہ ص ۱۱۰ ۲. مناقب حافظیہ ص ۱۰۹

۳. ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲۱۱ ۴. مناقب المحبوبین ص ۳۵۶

وفات حافظ صاحب نے ۱۹ ذیقعد ۱۲۶۶ھ کو خواجہ تونسوی کی وفات سے ایک سال پیشتر وصال فرمایا۔ مزار مبارک موضع کھیری متصل خیرآباد میں ہے جس پر امرائے دکن نے عالیشان گنبد تعمیر کردایا![1]

جانشین حافظ صاحب کے بعد آپ کے برادر زادہ حافظ سید محمد اسلم آپ کے جانشین ہوئے۔ ان کی وفات ۲۲ ذیقعد ۱۳۲۰ھ کے بعد حافظ محمد علیؒ کے دوسرے برادر زادہ میاں خادم حسینؒ سجادہ نشین ہوئے، ان کے بعد میاں امتیاز حسینؒ اور ان کے بعد میاں سید ماجد حسین جانشین ہوئے۔ اور آجتک اُن کا سلسلہ جاری ہے۔[2]

خلفاءؒ حافظ صاحب نے بہت سے علماء کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ ان میں سے مندرجہ ذیل خلفاء صاحب سلسلہ و صاحب ارشاد ہوئے:۔

(۱) مرزا سردار بیگؒ (حیدرآباد دکن)۔
(۲) شاہ حبیب علی شاہؒ (حیدرآباد دکن)۔
(۳) مولانا احسن الزمانؒ (حیدرآباد دکن)[3]
(۴) سید مجید حسن لکھنؤؒ۔

ان بزرگوں نے جنوبی ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کا کام کیا۔

مولانا احسن الزمان بڑے جید عالم اور بلند پایہ محدث تھے۔ انہوں نے خواجہ فخر الدین دہلویؒ کی مشہور کتاب فخرالحسن کی ضخیم شرح عربی زبان میں "القول المستحسن فی شرح فخرالحسن" کے نام سے لکھی[4]۔ ایک اور کتاب موسوم بہ "علوم اہل بیت" جو بیس جلدوں میں لکھی۔ اس کتاب میں انہوں نے تمام مسائل محققہ اہلسنت والجماعت کا اثبات روایات اہل بیت سے کیا ہے۔ مولانا احسن الزمان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ لطیف الزمان سجادہ نشین ہوئے۔[5]

۱۔ مناقب حافظیہ ص ۲۶۶ ۲۔ تاریخ مشایخ چشت ص ۶۸۴

۳۔ تاریخ مشایخ چشت ص ۶۸۲ ۴۔ " " " ۶۸۴

۵۔ " " " " ۶۸۳۔

سید مجید حسن لکھنوی کے خلیفہ خواجہ محمد عمر شاہ رام پوری تھے جن کے خلیفہ خواجہ سید حسین علی شاہ بنارسی تھے۔ ان کی وفات راولپنڈی میں ہوئی۔ راولپنڈی کے محلہ وارث خان میں مری روڈ کے قریب ان کا مزار مبارک موجود ہے۔

حافظ محمد علیؒ کے جانشین حافظ محمد اسلمؒ (م ۱۳۲۰ھ) کے ایک نامور خلیفہ حافظ عبدالصمد مودودی تھے۔ بڑے جید عالم اور بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ ان کی وفات ۱۷ ربیع/جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ کو ہوئی ان کی جگہ مولانا مصباح الحسن سجادہ نشین ہوئے[۱]

ملفوظات آپ کے حالات اور ملفوظات پر مشتمل غلام محمد ہادی علی خان نے کتاب مناقب حافظیہ کے نام سے لکھی اور آپ کے ایک مرید مولوی احمد علی نے "قصر عارفان" کے نام سے اولیاء اللہ کا ایک بسیط تذکرہ قلمبند کیا۔ یہ کتاب اورنٹیل کالج میگزین لاہور میں قسط وار طبع ہو چکی ہے۔

حضرت مرزا سردار بیگؒ حضرت حافظ محمد علیؒ کے خلیفہ حضرت مرزا سردار بیگؒ[۲] نے حیدر آباد دکن میں سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت کی۔ ان کے ایک خلیفہ پیر جی امداد علیؒ تھے جو کہ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے ماموں تھے۔ مولانا تھانویؒ پیر جی کا یہ شعر اکثر مجالس میں پڑھا کرتے تھے۔

جب تو نے یہ مے ظالم شیشے میں بھری ہوگی۔ ساقی تیرا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا۔

فصل پنجم

شعبۂ پنجم در راجپوتانہ (ہندوستان)

حضرت حاجی نجم الدینؒ

۱۔ تاریخ مشایخ چشت ص ۶۸۴۔

۲۔ بیس بڑے مسلمان۔ ص ۳۰۹۔

حاجی نجم الدینؒ، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفاء میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں انہوں نے راجپوتانہ (ہند) کے ایک غیر معروف مقام سنجاداتی پر سلسلہ چشتیہ کی خانقاہ قائم کی لیکن بہت جلد یہ جگہ علم و فضل کا مرکز بن گئی۔ اور آپ کے خلفاء نے راجپوتانہ کے متعدد مقامات جے پور، جودھ پور، اودے پور اور بیکانیر وغیرہ میں مراکز تلقین و ارشاد قائم کئے۔

ولادت و خاندان حاجی نجم الدین ۳/ رمضان المبارک ۱۲۲۴ھ کو جھونجول[1] کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ احمد بخش، بیٹے شیخ احمد بخش، شاہ ارادت اللہ نقشبندی ابوالعلائی کے مرید اور شیخ حمید الدین الصوفی السوالی الناگوری (م ۲۷ ۹ھ/ ۱۲۷۴ء) کی اولاد میں سے[2] تھے۔

تعلیم آپ نے راجپوتانہ کے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد رمضان مہمی قادریؒ بھی ہیں۔ حضرت خواجہ تونسویؒ سے بیعت کی۔ تو آپ کی خدمت میں تصوف کی بعض کتابوں جیسے آداب الطالبین مصنفہ شیخ محمد گجراتی (م ۹۸۲ھ) فقرات تالیف خواجہ عبیداللہ احرار (م ۸۹۵ھ) لوائح جامی اور شاہ کلیم اللہ دہلویؒ (۱۱۴۲ھ) کی تصانیف عشرہ کاملہ وغیرہ کا درس لیا۔[3]

بیعت تحصیل علم کے دوران آپ نے شاہ حبیب اللہ قادری کی تصنیف "انیس العارفین" کا مطالعہ کیا۔ تو طلب حق کی چنگاری دل میں بھڑک اٹھی، اور تلاش مرشد میں نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ اجمیر، دہلی، ناگور وغیرہ کے طویل اسفار کے بعد ۱۲/ شعبان ۱۲۵۰ھ کو حضرت تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت تونسوی نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا۔

▪ بیا اے مرد ہندوستانی، ہندی ہستی"؟ اس بعد یہ شعر پڑھا۔

---

۱. جھونجول از مضافات جے پور ہشتاد کردہ از دہلی۔ (مناقب المحبوبین تالیف حاجی نجم الدین، لاہور ۱۳۱۲ھ۔ ص ۳۶۰)

۲. مناقب المحبوبین۔ ص ۳۶۲۔ ۳. ایضاً۔ ۳۶۹، ۳۷۲۔

ہندو ہے بت پرست، مسلمان خدا پرست۔

ہم بندے ہیں انہی کے جو ہے آشنا پرست!

اس کے بعد آپ نے حاجی صاحب کو زمرہ مریدین میں داخل کیا۔ اور تصوف کی کتابیں (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) پڑھائیں۔ چھ ماہ کے بعد آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ اس وقت حاجی صاحب کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ حاجی صاحب، صاحب استعداد بزرگ تھے۔ چنانچہ حضرت تونسوی نے ایک دفعہ حاجی صاحب کے بارے میں فرمایا۔

"از ہندوستان صدہا مردم نزد من آمدہ اما طالبانِ خدا و صادقان در راہِ کبریا دو کس آمدہ اند، یکے شاہ صاحب (حافظ محمد علی خیرآبادی)، دوم نجم الدین"۔[۲]

ہندوستان سے میرے پاس سینکڑوں لوگ آئے۔ مگر سچے طالبانِ راہِ خدا دو ہی آدمی آئے، ایک حافظ محمد علی خیرآبادی؟ دوسرے نجم الدین۔

سلسلۂ ارشاد و تلقین

حاجی صاحب نے مرشد کی ہدایت کے مطابق ناگور کے مقام پر خانقاہ قائم کی بہت جلد آپ کا شہرہ ہو گیا اور دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں کسب فیض کے لئے حاضر ہونے لگے بہت لوگوں کو آپ نے منازل سلوک طے کرا کر خلافت عطا فرمائی، جنہوں نے متعدد مقامات پر خانقاہیں قائم کیں۔ جے پور۔ امروہہ۔ جودھپور۔ بیکانیر۔ سرسہ۔ فتح پور۔ اجمیر وغیرہ میں آپ کے خلفاء نے عرصہ دراز تک اشاعت سلسلہ کا کام جاری رکھا۔[۳] حاجی صاحب نے سلوک و تصوف پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

حاجی صاحب بحیثیت شاعر

حاجی صاحب شعر و شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ اردو اور فارسی میں آپ کے دیوان موجود ہیں آپ نے اکثر نظموں اور غزلوں میں "مسئلۂ وحدت الوجود" کو مختلف

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۳۶۹۔ ۲۔ مناقب المحبوبین ص ۳۷۰۔

۳۔ ایضاً

پیرایوں میں بیان کیا ہے۔

وفات ۱۹ رمضان المبارک ۱۲۸۷ھ کو آپ نے وفات پائی مزار مبارک فتح پور (راجپوتانہ) میں ہے۔ آپ کے فرزند مولانا نور احمد کے حسب ذیل شعر سے تاریخ وفات ہویدا ہوتی ہے۔

باصد دریغ و حسرت تاریخ گفت ہاتف ۔۔۔ شاہنشہ ولایت نجم ہدیٰ و دین بُد۱

اولاد و جانشین حاجی صاحب کے آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں آپ نے تین لڑکوں کو خلافت دی۔ (۱) بڑے صاحبزادہ مولانا نصیر الدین، حاجی صاحب کے سجادہ پر بیٹھے۔ ان کے خلفاء میں سے مولانا گل محمد فتح پوری، مولانا عبداللہ شاہ پشاوری، اور قاضی محمد اشرف مشہور ہیں۔ مولانا نصیر الدین ۱۲۹۷ھ میں فوت ہوئے۔ اور ان کے صاحبزادہ حاجی غلام محمد نجم الدین سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی وفات ۱۳۲۷ھ کے بعد مولانا غلام سرور سجادہ نشین ہوئے۔۲

۲۔ دوسرے صاحبزادہ عبداللطیف شاہ نے جودھپور میں خانقاہ قائم کی۔

۳۔ تیسرے صاحبزادہ شاہ نور احمد نے فتح پور میں خانقاہ قائم کی۔۳

حاجی صاحب کے خلفاء حضرت حاجی صاحب کے متعدد خلفاء تھے جن میں سے حکیم سید محمد حسن امروہی (م ۱۳۲۳ھ) بہت مشہور ہیں۔ سید محمد حسن امروہی، مولانا فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدر الدین دہلوی (م ۱۲۸۵ھ) کے شاگرد تھے۔ علم طب حکیم امام الدین پاک پٹنی مرید خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے حاصل کیا۔۴ سید محمد حسن امروہی نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جن کی فہرست آئندہ سطور میں دی جا رہی ہے۔

تصانیف حاجی نجم الدین اور آپ کے خلفاء نے تصانیف کا ایک بیش قیمت ذخیرہ چھوڑا ہے۔ جکی تفصیل حسب ذیل ہے:۔ (۱) حاجی صاحب کی تصانیف:

۱۔ تاریخ مشایخ چشت ص ۶۹۶ ۔ ۲۔ تاریخ مشایخ چشت ص ۷۰۱ ۔

۳۔ " " " ۶۹۷ ۴۔ " " " ۶۹۹ ۔

فارسی زبان میں تصانیف۔ (۱) احسن العقاید (۲) احسن القصص (۳) تذکرۃ السلاطین (۴) دیوان نجم فارسی (۵) راحت العاشقین (۶) شجرۃ العارفین (۷) شجرۃ المسلمین (تاریخ نوابان فتح پور) (۸) شجرۃ الابرار (۹) مناقب التارکین (۱۰) مناقب الحبیب (۱۱) مناقب المجذوبین (۱۲) مقصود العارفین (۱۳) مقصود المرادین (۱۴) نجم الہدایت (۱۵) نجم الواعظین (۱۶) ہدایت نامہ

اردو زبان میں تصانیف:۔

(۱) افضل الطاعت (۲) بیان الاولیا (۳) تذکرۃ الواصلین (دو جلد) (۴) حیات العاشقین (۵) دیوان نجم اردو (۶) سماع السامعین (۷) گلزار وحدت (۸) ماحی التعبیر یت (۹) نجم آلاخرہ (۱۰) فضیلت نکاح۔

ان کے علاوہ مقامی زبان میں بارہ ماہیہ نجم اور بیو ملانی یغر بھلائی کے نام سے منظوم کتابیں لکھیں۔

(ب) حاجی صاحب کے جانشین صاحبزادہ نصیر الدین کی تصانیف:۔

(۱) مجمع الفرائض (۲) نجم الارشاد (ملفوظات حاجی صاحب)

(ج) حاجی صاحب کے دوسرے صاحبزادہ اور خلیفہ شاہ نور احمد کی تصانیف:

(۱) دیوان نور (۲) مجموعہ رویائے صادقہ۔

(د) مولانا حکیم سید محمد حسن امروہی کی تصانیف:۔

۱ آفتاب عالمتاب مطبوعہ دہلی ۲ اتمام حجت اسلام درشرح کتاب دانیال مطبوعہ اجمیر ۳ البرہان فی تاویل القرآن (تفسیر قرآن مجید بزبان اردو) مطبوعہ دہلی ۴ تفسیر حضرت شاہی معاملات الاسرار فی مکاشفات الاخیار (فارسی) مطبوعہ دہلی (۵) تلخیص التواریخ ملقب بہ مفرح دلکشا (مراد آباد) (۶) حقانیت اسلام مطبوعہ دہلی (۷) دُرِّ نایاب مطبوعہ اجمیر (۸) رسالہ آگہی نامہ مطبوعہ راجستان (۹) کواکب دُرّیہ مطبوعہ امروہہ (۱۰) کشف الاسرار مطبوعہ میرٹھ (۱۱) گنجینۂ اسرار الٰہیا مطبوعہ اجمیر (۱۲) نگینہ حکمت شرح فصوص الحکم مطبوعہ لکھنؤ (۱۳) معراج رسول!

---

(۱) مناقب المجذوبین ص ۹ ۔ ۳ ۔ تحفۃ الشجر چشتیت ص ۲۰۷

باب پنجم

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفاء کے خلفاء

اس باب میں خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے خلفا یعنی خواجہ اللہ بخش تونسویؒ اور خواجہ شمس الدین سیالوی کے اُن مشہور خلفاء کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے مغربی پاکستان میں سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت کی، جن کی خانقاہیں اب تک قائم ہیں۔ اور جن کا کام ممتاز و نمایاں ہے۔ ان خانقاہوں سے دورِ آخر تک ہزاروں مسلمانوں نے روحانی فیض اٹھایا۔

فصل اوّل

خواجہ احمد میرا شریف (ضلع کیمبلپور۔ پنجاب)

(خلیفۂ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ)

نام و نسب آپ کا اسم گرامی احمد اور والد کا نام برخوردار ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا اصل وطن کنارۂ دریائے چناب (پنجاب) ہے۔ آپ کے دادا سکھوں کے عہد میں اپنے قبیلہ کے ہمراہ بلوچستان کے پہاڑی علاقہ میں ہجرت کر گئے۔ اور وہیں بلوچوں کی ایک شاخ بزدار قوم میں شادی کی جس سے خواجہ احمد کے والد میاں

۱۔ ذکر ولی تالیف سید کرم حسین شاہ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۳۔

برخوردار پیدا ہوئے۔ میاں برخوردار نے بھی اس بزدار قوم میں شادی کی۔ میاں برخوردار خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے مرید تھے۔ ان کا مزار منگروٹھ (متصل تونسہ شریف) میں ہے[۱]

مقام ولادت خواجہ احمد، بلوچستان کے علاقہ میں ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دوسرے بھائی کا نام یعقوب تھا جو بچپن میں انتقال کر گئے[۲]

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم آپ نے قرآن مجید اپنے والد میاں برخوردار کی زیر نگرانی بلوچستان ہی میں پڑھا۔ ابھی آپ بچے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، اور آپ کی تربیت و کفالت آپ کے ماموں علی خان مرید خواجہ محمد سلیمان تونسوی کرنے لگے[۳]

خواجہ احمد بچپن میں ایک دفعہ اپنے ماموں علی خان کے ہمراہ تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت تونسوی نے بڑی شفقت فرمائی اور حضرت کی محبت کا نقش آپ کے دل پر قائم ہو گیا۔ خواجہ تونسوی کی وفات کے بعد آپ مستقل طور پر تونسہ شریف میں مقیم ہو کر تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔ اور متواتر نو سال تک تونسہ شریف کے علما سے علم حاصل کرتے رہے[۴]۔ اس کے بعد ملتان گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کر کے مزید دینی علم حاصل کیا۔ پھر کلور کوٹ تحصیل عیلی جنل پہنچ کر مولوی مملوک علی کی خدمت میں اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کی[۵]

جستجوئے مرشد بچپن میں جب آپ اپنے ماموں علی خان کے ہمراہ تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو اسی وقت حضرت تونسوی کے دام محبت میں گرفتار ہو گئے تھے، اور حضرت تونسوی کی غلامی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا[۶]

۱۔ ذکر ولی ص ۵ ۲۔ ذکر ولی ص ۳

۳۔ 〃 〃 ۵ ۴۔ خزینۂ حق ص ۱۷

۵۔ 〃 〃 〃 ۱۰ تا ۱۳ ۶۔ 〃 〃 〃 ۱۷

بیعت چنانچہ دوسری دفعہ آپ اکیلے ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد چار مرتبہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور پھر جلد ہی حضرت تونسوی کا وصال ہوگیا۔

ریاضت و عبادت خواجہ تونسوی کے وصال کے بعد جب آپ تونسہ شریف میں مقیم ہو کر تحصیلِ علم میں مصروف ہوئے۔ تو فارغ اوقات میں حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی اور مولانا احمد تونسوی خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت میں مشغول رہ کر تزکیہ باطن میں بھی لگے رہے۔[۲] تکمیلِ علم کے بعد آپ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے خلیفہ خواجہ محمد فاضل شاہ[۳] (م ۱۲۹۰ھ/ ۷۳-۱۸ام) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی صحبت میں رہ کر سلوک و عرفان کی منازل طے کرتے رہے۔[۴]

۱۔ ذکرِ ولی ص ۱۰ ۲۔ ذکرِ ولی ص ۱۰ تا ۱۳۔

۳۔ خواجہ محمد فاضل شاہ کا اصل وطن میرپور تحصیل ایبٹ آباد ضلع ہزارہ تھا۔ آپ کے والد کا نام محمد انور شاہ ہے۔ قوم کے پٹھان ہیں۔ آپکے والد سلسلۂ نقشبندیہ میں مرید تھے خواجہ محمد فاضل شاہ تکمیلِ علم کے بعد حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کے ہمراہ تونسہ شریف حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اسکے بعد کچھ وقت سیر و سیاحت میں گزارا۔ آخری عمر میں حسن ابدال سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر واقع موضع گڑھی افغاناں (ضلع راولپنڈی) میں آکر مقیم ہوگئے۔ اور یہیں ۱۲۹۰ھ/ ۷۳-۱۸ام میں فوت ہوئے۔ آپ کے ملفوظات محمد زعفران نے "نافع الراسخین" کے نام سے جمع کئے۔ آپ کے خلفاء میں سے سید علی شاہ کشمیری خواجہ احمد میروی اور آپ کے صاحبزادہ محمد عبداللہ شاہ مشہور ہیں۔ آج کل گڑھی افغاناں میں محمد عبداللہ شاہ کے پوتے خواجہ محمد اعظم سجادہ نشین ہیں۔ خلیق اور پارسا بزرگ ہیں۔ خانقاہ کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی ہے۔ جس میں متعدد نادر و نایاب قلمی کتابیں موجود ہیں۔ راقم السطور نے کتاب ہٰذا کے لئے اس کتب خانہ سے استفادہ کیا ہے۔ (نافع الراسخین تالیف محمد زعفران (قلمی) تاریخ تالیف ۱۲۹۲ھ ص ۱ تا ۲۰ وسخن نغز تالیف بدر الجبی مطبوعہ پشاور ۱۹۶۳م۔ ص ۲ تا ۱۴)

۴۔ خزینۂ حق ص ۳۰۔

حصولِ خلافت کچھ عرصہ کے بعد مکھڈ شریف میں حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے عرس کے موقع پر خواجہ محمد فاضل شاہؒ نے آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ اس کے بعد جب تونسہ شریف حاضر ہوئے۔ تو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔[1]

اقامت در میرا شریف میرا شریف تحصیل پنڈی گھیب ضلع کیمبلپور میں ایک مختصر سی بستی تھی۔ خواجہ احمد صاحب سیاحت کے دوران اس جگہ آئے تو یہ مقام آپ کو پسند آیا اور آپ نے مستقل طور پر یہاں رہائش اختیار کر لی۔ رفتہ رفتہ طلبہ، علماء اور فقراء یہاں آ آکر آباد ہوتے گئے۔ اور مسجد، خانقاہ، لنگر خانہ وغیرہ کی تعمیر سے یہ ایک اچھا خاصا قصبہ بن گیا۔[2]

دورِ رشد و ہدایت خواجہ احمد میرویؒ نے میرا شریف میں مقیم ہو کر طلبہ، غرباء اور مساکین کے لیے لنگرِ عام جاری کیا۔ آپ کے پاس چند ایسے علماء جمع ہو گئے۔ جو طلبہ کو بغیر کسی معاوضہ کے تعلیم دیتے تھے۔ اسلیے میرا میں ایک دینی درسگاہ بھی قائم ہو گئی۔[3]

آپ نے میرا شریف کے مضافات میں بھی چند مسجدیں تعمیر کروائیں اور بعض مقامات پر زائرین کی سہولت کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کرنے لگے۔

سیاحت آپ نے میرا شریف میں مقیم ہونے کے بعد متعدد مقامات کا سفر کیا۔ پنجاب سرحد اور کشمیر کے مختلف مقامات پر گئے۔ اور جہاں کسی صاحبِ دل کا پتہ چلا اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کیا۔ نیز ان اسفار میں بہت لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔[5]

روابط با مشائخ معاصر مندرجہ ذیل مشائخ معاصر کے ساتھ آپ کے خصوصی

۱۔ ذکرِ ولی ص ۴۲۔ ۲۔ ذکرِ ولی ص ۲۰۔

۳۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم، فصل دوم، بحث دوم۔

۴۔ ذکرِ ولی ص ۳۰۔ ۵۔ ذکرِ ولی ص ۵۰۔

روابط تھے۔

(۱) خواجہ محمد رمضان لاہوری خلیفہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی۔

(۲) مولانا زین الدین مکھڈی (م ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸م)

(۳) پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷م)

آپ بارہا ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یہ حضرات بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے![1]

روابط با حکومت وقت آپ کے زمانہ میں انگریزوں کا برعظیم پاک وہند پر کامل تسلط ہو چکا تھا لیکن خواجہ احمد انگریز کو اسلام کا متعصب دشمن سمجھتے ہوتے۔ سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ اور انگریز کی لائی ہوئی تہذیب کی برملا مخالفت کرتے رہے۔[2]

ایام پیری آپ کی صحت آخر دم تک بہت اچھی رہی اور اپنے معمولات باقاعدگی سے ادا کرتے رہے۔ ۲۱ ذی الحج ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱م کو آپ کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اور اس سے آپ کا مرض موت شروع ہوا۔[3]

سفر آخرت و مدفن آخر اسی سال کی عمر میں ۵ محرم ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱م کو آپ کا وصال ہو گیا۔ اور میرا شریف میں دفن ہوتے۔ مولوی فخر الدین بیربلوی نے تاریخ وفات کہی جو کہ حسب ذیل ہے:

حالِ وصلش مختصر گو "افتخار اولیا" (۱۳۳۰ھ) — گفت ہاتف گوش می کن ایں چنیں سترِ نہاں
فخرِ دین دلِ خستہ می خواں بر روانش فاتحہ — تا کہ می باشد ترا ہوش و خرد و تاب و تواں[4]

اولاد و خلفا آپ نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ اسلئے آپ کی اولاد نہ تھی۔ خلفا میں مندرجہ ذیل بزرگ مشہور ہیں۔ (۱) سید فیض اللہ شاہ ساکن چھچھر

۱۔ ذکر دلی ص ۸۲ تا ۸۴۔ ۲۔ گلدستہ لفیبریہ ص ۹۸۔
۳۔ گلدستہ لفیبریہ ص ۸۷ ۴۔ " " ص ۸۷۔

(م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) (۲) سید لعل شاہ (۳) مولوی میر احمد بسالوی (۴) مولوی فخر الدین بیہوبلوی[۱] (۵) سید عنایت اللہ شاہ ساکن چھبر ضلع جہلم[۱]

اخلاق و آداب خواجہ احمد میروی کے تمام افعال شریعت محمدیہ کے عین مطابق تھے۔ نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ اخلاق بہت بلند تھا۔ آپ ایک متواضع، منکسر المزاج، متوکل اور ایثار پیشہ بزرگ تھے۔ اپنے مریدین و متعلقین کی اصلاح بڑی نرمی و شفقت سے کرتے تھے، کبھی کسی پر ناراض نہیں ہوئے۔

طبیعت میں استغنا تھا۔ ایک دفعہ نواب بہاولپور کے وزیر احمد خان نے تونسہ شریف کے علماء و طلبہ کو وظائف دینے کے لئے ایک فہرست تیار کی جب آپ کو معلوم ہوا کہ میرا نام بھی اس فہرست میں درج ہے، تو نہایت غمگین ہوتے۔ اور اپنے استاد سے کہہ کر اپنا نام فہرست سے خارج کرایا، اور کوئی وظیفہ قبول نہیں کیا۔[۲]

ملفوظات آپ کے ملفوظات مولوی محمد نواز نے "بشارت الابرار" کے نام سے فارسی میں اور، آپکے حالات سید کرم حسین شاہ نے "ذکر ولی" کے نام سے اردو میں لکھے۔[۳]

جانشینان خواجہ احمد میروی در میرا شریف

چونکہ خواجہ احمد کی کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے آپ نے وصیت نامہ میں تحریر کرایا کہ میرے جانشین میاں جلال الدین ہیں، لیکن وہ بہت بوڑھے اور کمزور ہیں۔ اس لیے جانشینی کے فرائض مولوی احمد خان سرانجام دیں گے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد مولوی احمد خان نے آپ کا کام سنبھالا۔[۴]

مولوی احمد خان مولوی احمد خان کے والد ماجد کا نام محمد پناہ ہے۔ محمد پناہ قوم اعوان اور ہکڑالہ ضلع میانوالی کے باشندہ تھے۔ مولوی احمد خان ہکڑالہ میں

۱۔ ذکر ولی ص ۱۰۰ ۲۔ ذکر ولی ص ۴۹ تا ۵۰

۳۔ گلدستہ نقیریہ ص ۹۰ ۴۔ " " " ۹۱

۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ام میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا آپ نے پہلے اپنے وطن ہی میں حافظ عبداللہ سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ پھر میرا شریف حاضر ہو کر ابتدائی عمر میں ہی خواجہ احمد میروی کے دست مبارک پر بیعت کی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ علم کی تکمیل کرو۔ چنانچہ تحصیل علم کے لیے سفر اختیار کیا۔

موضع کھوال تحصیل چکوال میں مولوی خان ملک سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر پنجاب کے مختلف دینی مدارس میں قیام کر کے تحصیل علم کرتے رہے۔[۱] موضع چکوڑہ متصل کالس تحصیل چکوال میں بھی علم حاصل کیا۔ تفسیر اور حدیث کی کتابیں موضع سکندر پورہ ضلع ہزارہ میں مولوی احمد صاحب سے پڑھیں۔[۲]

تکمیل علم کے بعد خواجہ احمد میروی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو خواجہ صاحب نے گڑھی افغانان (ضلع راولپنڈی) کے مقام پر ایک بڑے مجمع میں آپ کو دستار خلافت عطا فرمائی۔[۳] ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ام سے آپ مستقل طور پر میرا شریف میں قیام پذیر ہوئے۔ اور خواجہ احمد احمد میروی کی وفات ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱م کے بعد آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔

مولوی احمد خان کے حسن انتظام اور حسن اخلاق کی بدولت میرا شریف کی خانقاہ کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ دور دراز سے طالبان علم میرا شریف میں آ کر مقیم ہو گئے۔ آپ نے میرا شریف میں نئی عمارتیں تعمیر کروائیں۔[۴]

مولوی احمد خان کو انگریز سے سخت نفرت تھی۔ آپ نے اپنے مریدین کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ کوئی شخص انگریزی فوج میں بھرتی نہ ہو۔ انگریزی حکومت کے عمال نے آپ آپ کو ڈرایا دھمکایا لیکن آپ نے کچھ پروا نہیں کی جب اس سے کام نہیں چلا تو حکومت برطانیہ نے ترغیب سے کام لینا چاہا۔ اور آپ کو جاگیر کی پیشکش کی گئی۔ لیکن آپ نے اُسے بھی ٹھکرا دیا۔[۵]

۱۔ ذکر ولی ص ۹۵، ۹۶۔ ۲۔ ذکر ولی ص ۹۶۔

۳۔ ″ ″ ″ ۹۶ ۴۔ ″ ″ ″ ۹۷

۵۔ گلدستہ نصیریہ ص ۱۰۰۔

مولوی احمد خان صاحب نے ترسٹھ برس کی عمر میں ۲۱ر صفر ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء میں وفات پائی آپ کی بھی کوئی اولاد نہ تھی![1]

مولوی عبداللہ صاحب مولوی احمد خان کی وفات کے بعد آپ کے بھتیجے مولوی عبداللہ صاحب جانشین ہوئے۔

مولوی عبداللہ صاحب کریم النفس، متقی، سادہ مزاج اور بلند اخلاق بزرگ تھے آپ نے میرا شریف کی دینی درسگاہ کو بھی ترقی دی۔ اور سلسلہ کی اشاعت میں بھی ساعی رہے۔
[مولوی عبداللہ صاحب کا ۱۴ فروری ۱۹۷۵ء کو انتقال ہوگیا]

فصل دوم

سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوریؒ در جلالپور شریف (ضلع جہلم پنجاب)

خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالویؒ

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے متعدد خلفاء نے جگہ جگہ خانقاہیں قائم کیں اور گزشتہ صدی میں مشائخ سلسلہ کی روایات کو قائم رکھ کر مادیت اور انگریزی تمدن کے استیلا کے دور میں اسلام اور روحانیت کے چراغ جلاتے۔ حضرت سیالویؒ کے تمام خلفاء میں سے سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوریؒ اور سید مہر علی شاہ گولڑویؒ کا کام زیادہ وقیع اور دیرپا اثرات کا حامل ہے۔ اسلیئے ان دونوں بزرگوں کے حالات قدرے تفصیل سے پیش کیے گئے ہیں۔

بانی و سجادہ نشین اول سید غلام حیدر علیشاہ جلالپوری

۱۔ ذکر ولی ص ۹۹۔

نام و نسب آپ کا نام غلام حیدر علی شاہ ابن جمعہ شاہ ہے حضرت سید جلال الدین حسین ابن احمد مشہور بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت (م ۷۸۵ھ / ۱۳۸۳م) کی اولاد میں سے ہیں۔ اور شجرہ نسب حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔[۲]

تاریخ ولادت۔ مقام ولادت آپ کی ولادت ۳/ صفر ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸م کو جلال پور (ضلع جہلم) کے مقام پر ہوئی۔[۳]

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم آپ نے قرآن مجید، میاں محمد اعظم خان پوری اور اپنے چچا سید امام شاہ سے پڑھا۔ فارسی ادب کی ابتدائی تعلیم میاں عبداللہ چکر دی سے حاصل کی۔ عربی کی تعلیم بن دال کے مقام پر قاضی محمد کامل کی خدمت میں رہ کر حاصل کی۔ اور یہیں مفتی غلام محی الدین سے فقہ کی کتابیں پڑھیں مفتی غلام محی الدین اس علاقہ کے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔[۴]

۱۔ سید جلال الدین حسین ابن احمد بخاری اُچی معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ۷۰۷ھ میں اُچ (بہاولپور) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ قاضی بہاء الدین اُچی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی بن شیخ صدر الدین عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی کی خدمت میں باریاب ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ازاں بعد حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔ اور شیخ عفیف الدین بن عبداللہ المطریؒ سے استفادہ کیا۔ اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ پھر مصر اور عراق و شام و ہند کا سفر کیا۔ اور متعدد شیوخ و اکابر سے ظاہری و باطنی استفادہ کیا۔ اور خرقہ ہائے خلافت حاصل کئے۔ آپ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں گزارا اسلئے آپ کا لقب مخدوم جہانیاں جہاں گشت مشہور ہوا۔ آخر ۷۸۵ھ / ۱۳۸۳م میں واصل بحق ہوئے۔ مزار مبارک اُچ شریف میں ہے۔

(نزہۃ الخواطر تالیف علامہ عبدالحی (عربی سے اردو) جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء ص ۴۶)

۲۔ ذکر حبیب ص ۱۰ ۳۔ ذکر حبیب ص ۴۔

۴۔ ؍ ؍ ؍ ۲۰۔

جستجوئی مُرشد سترہ برس کی عمر میں آپ کے والدِ ماجد سید جمعہ شاہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ کے دل میں خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور کسی رہبرِ کامل کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ جلالپور شریف سے دس میل مغرب کی طرف بر پنور کے مقام پر سید غلام شاہ، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے مرید اور خواجہ شمس الدین سیالوی کے خلیفہ موجود تھے۔ ان کی خدمت میں پہنچ کر ان سے بیعت ہونے کی درخواست کی لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ اور آپ کو اپنے ساتھ سیال شریف لے گئے![1]

بیعت سید غلام حیدر علی شاہ، سیال شریف پہنچے تو حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے بڑی شفقت فرمائی۔ آپ نے بیعت کی۔ استدعا کی جسے قبول کر لیا گیا۔ ۱۲۷۱ھ/۵۴-۱۸۵۴ء میں آپ نے خواجہ شمس الدین کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔[۲]

ریاضت و عبادت بیعت کے بعد آپ نے ریاضت و مجاہدات اختیار کی اور ایک عرصہ تک یکسوئی کے ساتھ یادِ خدا میں مصروف رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے اپنے مرشد خواجہ شمس الدین سیالوی سے تصوف کی بعض کتابیں، کشکول اور مرقع شریف تصانیف شاہ کلیم اللہ دہلوی (م ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء) بھی پڑھیں۔[۳]

حصول خلافت خواجہ شمس الدین سیالوی نے آپ کی شرافت و نجابت اور عالی استعداد کی بدولت آپ پر خصوصی توجہ مبذول رکھی۔ اور کچھ عرصہ میں منازلِ تصوف طے کرانے کے بعد خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔[۴]

دورِ رشد و ہدایت حصول خلافت کے بعد آپ نے جلالپور شریف میں مقیم ہو کر سلسلۂ رشد و ہدایت شروع کیا۔ رفتہ رفتہ آپ کی شہرت پھیلتی گئی۔ اور دور دراز سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت حاصل کرنے لگے۔

۱۔ ذکرِ حبیب ص ۲۹۔ ۲۔ ذکرِ حبیب ص ۲۹، ۳۰
۳۔ " " ۳۷ ۴۔ " " ۳۲

آپ نے زائرین اور فقرا کے لئے جلالپور شریف میں ایک وسیع لنگر خانہ قائم کیا۔ اس کے ساتھ ایک دینی مدرسہ قائم کیا![1]

مقبولیت سید غلام حیدر علی شاہ نہایت ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ دورِ آخر میں بہت لوگوں نے آپ سے فیض روحانی حاصل کیا۔ خود آپ کے مرشد خواجہ شمس الدین سیالوی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ جب آپ سیال شریف تشریف لے جاتے۔ تو حضرت خواجہ سیالوی استقبال کے لیے چند قدم آگے آتے اور جب رخصت ہونے لگتے تو بھی دور تک مشایعت کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شاہ صاحب نے حضرت سیالوی کے ایک خلیفہ شیخ عبدالجلیل کی وساطت سے حضرت سیالوی کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ "حضور جو میری اس قدر تعظیم فرماتے ہیں۔ اس سے مجھ کو ندامت ہوتی ہے۔ اور اس میں سوء ادب کا بھی احتمال ہے۔" آپ نے فرمایا۔ شاہ صاحب! آپ اس معاملہ میں خاموش رہیں۔ ہم اس فعل کے خود مختار ہیں![2]

ایک دفعہ سید غلام حیدر علی شاہ سخت علیل ہوتے حضرت سیالوی کو معلوم ہوا تو آپ رونے لگے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے:

"یا ارحم الراحمین میری ساری عمر دی ایہا کھٹی پوٹی ہے۔ (یعنی میری عمر بھر کی کمائی ہے) اسے برباد نہ کرنا۔" خداوند تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی۔

ایام پیری آپ کی صحت آخر دم تک بہت اچھی رہی۔ اور اپنے تمام معمولات و وظائف حسب معمول آخر دم تک پورے کرتے رہے۔ صرف وفات سے چند یوم قبل آپ بیمار رہے۔

سفرِ آخرت و مدفن آپ نے بہتر سال کی عمر میں ۶/ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اور جلالپور شریف میں دفن ہوئے۔ بلند پایہ علما و فضلا نے مرثیے اور تاریخ وفات کے قطعات کہے علامہ

۱۔ ذکرِ حبیب ص ۸۳ ۲۔ ذکرِ حبیب ص ۳۶

۳۔ 〃 〃 〃 ۸۰

اقبالؔ نے حسب ذیل تاریخ وفات کہی ـ

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت	تربتِ او را امینِ جلوہ ہائی طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاکِ او را بوسہ داد	گفتمش سالِ وفاتِ او بگو "مغفور" گفت [۱]
	۱۳۲۶ھ

اولاد سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کے حسب ذیل چار صاحبزادے تھے:

(۱) صاحبزادہ سید بدیع الزمان شاہ (م ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء)

(۲) سید محمد مظفر علی شاہ (م ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء)

(۳) سید محمد رسول شاہ صغر سنی میں انتقال کر گئے۔

(۴) سید محمد قائم الدین شاہ۔ (م ۱۳۱۶ھ/ ۱۹۰۸ء) [۲]

آپ کے بعد آپکے دوسرے صاحبزادہ سید محمد مظفر علی شاہ آپ کے جانشین ہوئے۔

اخلاق و آداب سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری نہایت بلند اخلاق بزرگ تھے توکل، تواضع اور انکسار آپ کی نمایاں صفات تھیں، غربا اور مساکین سے بڑی محبت کرتے تھے۔ فیاضی اور سیر چشمی میں مشہور تھے۔ شریعت کے احکام کے پابند اور بزرگان سلسلہ چشتیہ کے قدم بقدم تھے [۳]

ملفوظات آپکے حالات اور ملفوظات ملک محمد الدین نے "ذکرِ حبیب" کے نام سے جمع کر کے شائع کئے [۴]

جانشینان سید غلام حیدر علی شاہ در جلالپور شریف

سید محمد مظفر علی شاہ سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کی وفات ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے سید محمد

۱۔ ذکرِ حبیب ص ۱۱۱ ۲۔ ذکرِ حبیب ص ۱۱۹ تا ۱۲۱

۳۔ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳۸ تا ۵۰ ۴۔ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

مظفر علی شاہ آپ کے جانشین ہوئے۔

سید محمد مظفر علی - جلالپور شریف میں پیدا ہوئے۔ مولوی قطب الدین ہرپنوری قاضی احمد شاہ اور مولوی حمید الدین چکوالی سے دینی تعلیم حاصل کی تکمیل تعلیم کے بعد سیال شریف حاضر ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رح کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سید غلام حیدر علی شاہ نے اپنی وفات سے تین روز قبل آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا!

آپ نے جلالپور شریف میں زائرین کے لیے بہت سی آرام دہ عمارتیں بنوائیں۔ اور لنگر خانہ کو وسیع کیا۔ ۱۹/ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء کو وفات پائی اور مقبرہ سید غلام حیدر علی شاہ میں دفن ہوئے۔۲

سید محمد مظفر علی شاہ کے چھ صاحبزادے ہوئے۔

(۱) محمد فضل شاہ (۲) محمد مہر شاہ (۳) محمد کرم شاہ (۴) محمد محمود شاہ

(۵) محمد احسان الحق شاہ (۶) سید رحمت شاہ۳

آپ کے بڑے صاحبزادے سید محمد فضل شاہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔

سید محمد فضل شاہ سید محمد فضل شاہ ۱۳۱۲ھ/ ۹۴-۱۸ء میں جلالپور شریف میں پیدا ہوئے قرآن مجید حافظ اللہ دین سے پڑھا۔ عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم مولوی عبد الرحیم ساکن کرڑی سے حاصل کی۔ منطق و فلسفہ کی کتابیں مولوی فیض الحسن ساکن بھین سے اور فقہ و حدیث کی کتابیں مولوی قادر بخش ملتانی، حافظ جلال الدین اور مولوی محمد سعید سے پڑھیں۴

آپ نے اپنے دادا سید غلام حیدر علی شاہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور

۱۔ ذکر حبیب ص ۱۳۵۔ ۲۔ ذکر حبیب ص ۱۳۵۔

۳۔ " " " ۱۳۵ ۴۔ " " " ۱۲۷

انہوں نے ہی آپ کو خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا تھا۔

۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں آپ نے فریضۂ حج ادا کیا۔ اور حج کے بعد بیروت، دمشق، مصر، سکندریہ اور بیت المقدس کا سفر کیا۔ اور اکابر و شیوخ سے ملاقات کی![1]

۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۶ء میں آپ نے انتقال کیا۔ آپ کے سوانح حیات ڈاکٹر عبد الغنی نے لکھے ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادہ سید برکات احمد شاہ، آپ کے جانشین ہوئے۔

فصل سوم

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی در گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی پنجاب)

خلیفۂ خواجہ شمس الدین سیالوی ؒ

پیر سید مہر علی شاہ کا اسم گرامی آپ کے علم و فضل اور اسرار و معارف الٰہیہ کا دقیقہ شناس ہونے کی بدولت برعظیم پاک و ہند میں مشہور ہے۔ آپ علم و عمل اور عرفانِ ذاتِ الٰہی کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ تقریباً نصف صدی تک آپ نے شمالی پنجاب میں علم شریعت و طریقت کا فیض جاری رکھا۔ اور پاک و ہند کے بہت سے علماء و فضلا نے آپ سے اکتساب علم و فیض کیا۔

نام و نسب آپ کا اسم گرامی مہر شاہ ہے جسے خواجہ شمس الدین سیالوی ؒ نے مہر علی شاہ کر دیا۔[2] اس کے بعد آپ کا نام مہر علی شاہ ہی مشہور

۱۔ ذکر حبیب ص ۱۲۹۔

۲۔ ملفوظات طیبہ مرتبہ مولوی فقیر محمد و عبد الحق مطبوعہ لاہور ۱۳۵۱ھ۔ ص ۷۲

ہوا۔ آپ کے والد کا نام سید نذر الدین شاہ ہے۔ اور جدِ اعلیٰ کا نام سید روشن الدین ہے۔ سید روشن الدین، ساڈھورہ (ضلع انبالہ۔ درہند) سے آکر قصبہ گولڑہ (ضلع راولپنڈی) میں آباد ہوئے۔ آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۵ء) کی اولاد میں سے ہیں۔[1] حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے شاہ قیص القادریؒ بغداد سے ہندوستان تشریف لائے۔[2] سید روشن الدین انہی کی اولاد میں سے ہیں۔

تاریخ ولادت و مقام ولادت آپ رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۹ء کو گولڑہ (ضلع راولپنڈی) میں پیدا ہوئے۔ قصبہ گولڑہ، راولپنڈی سے گیارہ میل کے فاصلے پر شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔[3]

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم آپ نے قرآن مجید اور فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد کے ماموں پیر فضل الدین شاہ گیلانی کی

۱۔ مقدمہ تحقیق الحق تالیف سید مہر علی شاہ گولڑوی، مقدمہ از مولوی فیض احمد مطبوعہ راولپنڈی ۱۳۸۱ھ۔ ص ۳۔

۲۔ السید الشریف قیس بن ابی الحیات بن محمود بن محمد داؤد بن علی بن ابی صالح نصر بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ کچھ عرصہ بنگال میں رہے۔ پھر مختلف علاقوں میں تبلیغ دین کرتے ہوئے۔ خضر آباد (ساڈھورہ) تشریف لائے شیخ عالم نصر اللہ نے اپنی صاحبزادی ان کے حبالۂ عقد میں دی۔ اور انہوں نے یہیں سکونت اختیار کر لی انکے مریدین میں سے شیخ عبدالرزاق دہلوی المعروف بہلول مشہور ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں ان کا مفصل حال لکھا ہے۔ ۳/ ذیقعدہ ۹۹۲ھ کو فوت ہوئے مزار مبارک قصبہ ساڈھورہ ضلع انبالہ میں ہے۔ نزہۃ الخواطر جلد ۴۔ تالیف سید عبدالحی ندوی، لاہور ۱۹۶۷ء ص ۲۷۰ و مقدمہ تحقیق الحق ص ۳۔

۳۔ سوانح حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف مرتبہ قاضی عبدالرحیب مطبوعہ سرگودھا ص ۵۔

سرپرستی میں مولوی غلام محی الدین سے گولڑہ شریف میں حاصل کی پھر موضع بھوئی (ضلع اٹک) میں مولانا محمد شفیع سے منطق و فلسفہ کی کتابیں پڑھیں۔ پھر موضع انگہ (ضلع شاہ پور) میں مولانا سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہو کر درسیات کی تکمیل کی۔ انگہ سے چکوال آئے اور وہاں کے ایک مشہور عالم مولانا برہان الدین سے چند کتابیں پڑھیں۔[1]

اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان گئے۔ اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء) کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علم معقول منطق و فلسفہ اور اقلیدس وغیرہ کی آخری درجہ کی کتابیں پڑھیں۔[2]

تحصیل علم حدیث کے لیے سہارنپور پہنچے اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری[3] (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) کی خدمت میں بخاری شریف اور حدیث کی دوسری کتابیں پڑھیں اور اجازت و سند حدیث حاصل کی۔[4]

جستجوئے مرشد

آپ کے والد کے ماموں پیر فضل الدین شاہ سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ تھے۔ پیر مہر علی شاہ نے ابتدائی عمر میں انہی

۱۔ مقدمہ تحقیق الحق تالیف سید مہر علی شاہ گولڑوی مقدمہ از مولوی فیض احمد، مطبوعہ راولپنڈی ۱۳۸۱ھ ص ۵

۲۔ [illegible] ص ۵

۳۔ مولانا احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری برعظیم پاک و ہند کے محدثین کبار میں سے تھے۔ آپ نے دہلی میں مولانا مملوک علی سے تعلیم حاصل کی۔ حدیث شیخ وجیہ الدین سہارنپوری سے پڑھی۔ پھر حرمین شریفین جا کر حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی کی خدمت میں کتب صحاح ستہ کا درس لیا اور اجازت حدیث حاصل کی۔ ہندوستان واپس آکر مسند درس حدیث کو زینت بخشی پہلے دہلی پھر سہارنپور رہ کر تمام عمر اسی شغل میں گزاری۔ برعظیم پاک و ہند کے متعدد علماء و شیوخ نے آپ سے پڑھا۔ بہتر سال کی عمر میں ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء میں فوت ہوئے۔ (مقدمہ انوار الباری شرح صحیح البخاری، مرتبہ سید احمد رضا بجنوری مطبوعہ دہلی ۱۹۷۲ء (حصہ دوم) ص ۲۷۰

۴۔ مقدمہ تحقیق الحق تالیف سید مہر علی شاہ مقدمہ از مولوی فیض احمد۔ ص ۶۔

کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور سلسلۂ قادریہ میں اجازت و خلافت بھی حاصل کی لیکن پیر فضل الدین شاہ نے آپ کے وسعتِ ظرف اور اعلیٰ استعداد کے پیشِ نظر آپ کو حکم دیا تھا کہ دوسرا کامل شیخ ملے تو اس سے بھی اکتساب فیض کرنا اس لیے دورانِ تحصیلِ علم آپ مرشد کامل کی تلاش میں بھی لگے رہتے تھے![1]

بیعت دورانِ تعلیم اور بزمانۂ قیام انگہ (ضلع شاہ پور) آپ کے استاد مولوی سلطان محمود، جو کہ خواجہ شمس الدین سیالوی کے مرید تھے۔ انگہ سے سیال شریف جانے لگے۔ تو آپ بھی ان کے ہمراہ سیال شریف گئے۔ اور خواجہ شمس الدین سیالوی کے اندر مرشدِ کامل کی صفات پاکر، ان کے دستِ مبارک پر سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کی[2]

ریاضت و عبادت بیعت کے بعد آپ تحصیل علم کرتے رہے تکمیلِ علم کے بعد آپ نے ریاضت و عبادت اختیار کی۔ اور مختلف مقامات پر رہ کر یادِ الٰہی میں مصروف رہے[3]

شغلِ تدریس ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۷ء میں آپ نے اپنے مرشد خواجہ شمس الدین سیالوی کے حکم سے گولڑہ شریف میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۷ء سے ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء تک اپنے وطن میں رہ کر سینکڑوں طلبہ کو علم دین پڑھایا۔ علاقہ دھن، گھیبی، پھٹوار، سون، ہزارہ، ہزہلا، پونچھ، کشمیر کے بہت سے علما کو علوم عالیہ کا درس دیا[4]

حصولِ خلافت حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے اپنے وصال ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء سے چند روز قبل آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور خصوصی توجہات سے آپ کو نوازا[5]

۱۔ مقدمہ تحقیق الحق ص ۱۹ ۔ ۲۔ مقدمہ تحقیق ص ۲۰ ۔
۳۔ ایضاً ۔ ۴۔ سوانح قبلہ عالم ص ۹ ۔
۵۔ مقدمہ تحقیق الحق ص ۱۸۱

جذب وسیاحت اپنے مرشد کی وفات پر آپ ایسے بے خود ہوتے کہ درس و تدریس کے سلسلہ کو خیرباد کہہ کر جذب و تحیّر کے عالم میں گھر سے نکل کھڑے ہوتے اور جہاں نوردی اختیار کرلی۔ ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء سے ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء تک آپ اضلاع لاہور، ملتان، مظفرگڑھ، ڈیرہ غازیخان، مالیرکوٹلہ اور ہزارہ کے مختلف مقامات پر رہ کر ریاضاتِ شاقہ میں مشغول رہے آخر میں خواجہ معین الدین حسن چشتی کے مزار مبارک پر اجمیر شریف حاضر ہوتے۔ اور وہاں سے واپس گولڑہ شریف آتے!

مکہ معظمہ میں ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں آپ مکہ معظمہ گئے۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی[۲] (م ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء) کی خدمت میں حاضر ہوتے حاجی صاحب نے آپ کو سلسلہ چشتیہ صابریہ میں خرقہ خلافت عطا فرمایا اور وطن واپس جانے کی تاکید کی۔[۳]

۱۔ سوانح قبلہ عالم گولڑہ شریف مرتبہ قاضی عبدالرقیب مطبوعہ سرگودھا۔ ص ۹۔

۲۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بلند مرتبہ مشائخ میں سے ہیں۔ والد کا نام حافظ محمد امین ہے۔ نسباً فاروقی ہیں۔ ۱۲۳۳ھ میں نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوتے حفظ قرآن مجید کے بعد دہلی کا سفر کیا۔ اور مولانا مملوک علی، مولوی رحمت علی تھانوی[رح] اور مولوی عبدالرحیم نانوتوی سے تعلیم حاصل کی۔ حدیث مولانا محمد قلندر جلال آبادی سے پڑھی۔ تکمیلِ علم کے بعد مولانا نصیر الدین نقشبندی دہلوی کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ مولانا نصیر الدین کی وفات کے بعد میاں جی نور محمد جھنجھانوی[رح] (م ۱۲۵۹ھ) کی خدمت میں حاضر ہوکر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت کی۔ اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۱۲۷۶ھ میں مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ اور وہیں ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں وفات پائی آپ کے خلفا میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی[رح]، مولانا محمد قاسم نانوتوی[رح]، مولانا اشرف علی تھانوی[رح] اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن مشہور ہیں۔ (شمائم امدادیہ تالیف محمد مرتضیٰ خان مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۱۴ھ ص ۵ تا ۳۵۔

(حیاتِ امدادیہ تالیف پروفیسر انوار الحسن مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء۔ ص ۵۱ تا ۱۳۵)

۳۔ سوانح قبلہ عالم گولڑہ شریف مرتبہ قاضی عبدالرقیب مطبوعہ سرگودھا ص ۱۱۔

دورِ رشد و ہدایت آپ نے مکہ معظمہ سے گولڑہ شریف واپس آکر سلسلۂ ارشاد و تلقین و درس و تدریس شروع کیا۔ طالبانِ علم و طالبانِ خدا دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرنے لگے۔ پہلے دور کے برعکس اب کے آپ کا درس اسرار و معارفِ الٰہیہ پر ہوتا تھا۔ آپ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی مصنفات فتوحاتِ مکیہ، فصوص الحکم اور مثنوی مولانا جلال الدین محمد رومی کا درس دیتے تھے جس میں علما اور فضلا شریک ہوتے تھے![1]

حکیم مشرق علامہ محمد اقبال لاہوری (م ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء) نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نظریہ "وحدت الوجود" کی تحقیق و تفہیم کے لیے آپ ہی کی طرف رجوع کیا علامہ مرحوم نے آپ کی خدمت میں نظریہ "وحدت الوجود" کے بارے میں ایک مکتوب میں مندرجہ ذیل الفاظ میں استفسار کیا:

"چند امور دریافت طلب ہیں:

(۱) اول یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے؟ اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

(۲) یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کونسی کتب میں پائی جاتی ہے۔ اور کہاں کہاں؟

(۳) حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ اس مکتوب کے آخر میں یہ بھی تحریر کیا کہ:

"اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے"[2] حضرت پیر سید مہر علی شاہ نے شاہ عبدالرحمٰن کی کتاب "کلمۃ الحق" کا جواب "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" کے نام سے لکھا، شاہ صاحب موصوف نے غلبۂ حال میں اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسئلۂ "وحدت الوجود" پر ایمان رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ جناب پیر صاحب نے مسئلہ وحدت الوجود کا اثبات

۱۔ سوانح حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف تالیف قاضی عبدالرقیب مطبوعہ سرگودھا۔ ص ۴۴۔

۲۔ تاریخ مشائخ چشت تالیف خلیق احمد نظامی مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء ص بحوالہ اقبال نامہ، ص ۲۴۴ تا ۴۴۴

و سوانح قبلہ عالم گولڑہ شریف مرتبہ قاضی عبدالرقیب مطبوعہ سرگودھا ص ۴۴۔

کرتے ہوئے شاہ صاحب کے قول کا رد کیا۔ اور لکھا کہ ہر مسلمان اس مسئلہ کا مکلف نہیں کیونکہ اس کا تعلق صرف ذوق و کشف سے ہے۔ آپ کی اس کتاب کو دیکھ کر آپ کے ہمعصر بزرگ مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) نے فرمایا "کلمۃ الحق" والوں نے اتنے کثیر اور قوی دلائل پیش کئے تھے کہ علماء کے لئے ایمان بچانا مشکل ہو گیا تھا لیکن پیر مہر علی شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں جس طرح قرآن و حدیث، کلام، منطق اور لغت کے اصولوں سے اس کی تردید کی ہے یہ آپ کا ہی حصہ تھا اور فرمایا نام کیا اچھا رکھا ہے "تحقیق الحق"۔ ۱۹۰۱ھ / ۱۹۰۱ء میں مرزا غلام احمد قادیانی[۲] (م ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو آپ اس کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ آپ نے تحریر و تقریر سے اس فتنہ کی سرکوبی کی۔ اور مرزا صاحب کے عقائد باطلہ کے رد میں "شمس الہدایہ" اور "سیف چشتیائی" کے نام سے کتابیں تصنیف کیں جن کا علمی حلقوں میں خاطر خواہ اثر ہوا[۳]

روابط با مشائخ معاصر

برِعظیم پاک و ہند کے مشاہیر مشائخ و علماء میں سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (م ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء)، مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری دیوبندی (۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) اور مولانا

۱۔ سوانح قبلہ عالم گولڑہ شریف مرتبہ قاضی عبد الرحیم ص ۱۵۔

۲۔ مرزا غلام احمد ابن مرزا غلام مرتضیٰ ۱۸۳۹ء میں قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب) کے ایک گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان ابتدا ہی سے حکومت برطانیہ کا وفادار تھا۔ مرزا صاحب نے قادیان میں دینی مکتب میں تعلیم حاصل کی۔ اور ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں کلرک ہو گئے۔ مختاری کا امتحان دیا لیکن اس میں ناکام ہوئے اور ملازمت بھی چھوڑ دی۔ ابتدائے عمر میں چلہ کشی کی جس سے مختلف قسم کے امراض لاحق ہو گئے۔ ۱۸۹۱ء میں "مسیح موعود" ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور پھر ۱۹۰۱ء میں "نبوت" کا دعویٰ کیا۔ علمائے اسلام نے ان کی پرزور تردید کی۔ اور مناظرے کئے۔ اس کے باوجود بہت سے لوگ ان کے پیرو ہو گئے۔ مرزا صاحب ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ اور حکیم نور الدین بھیروی آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

(قادیانیت تالیف سید ابوالحسن علی ندوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۹ء ص ۱۶ تا ۳۰)

۳۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ہفتم فصل اول ص ۸۔

اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) آپ کے کمالات علمیہ کے مداح تھے اور آپ کا ذکرِ خیر بلند الفاظ میں فرماتے تھے[1]۔ اور پیر مہر علی شاہؒ بھی ان حضرات کا ذکر بڑے احترام سے فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی علمی عظمت اور بلند مقامی کے معترف تھے[2]۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگ پیر سید جماعت علی شاہ اوّل سجادہ نشین علی پور شریف (ضلع سیالکوٹ) نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فصوص الحکم تالیف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا درس لیا[3]۔

مشائخ سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں سے حضرت خواجہ محمود صاحب (م ۱۳۴۹ھ / ۱۹۲۹ء) سجادہ نشین تونسہ شریف اور خواجہ ضیاء الدین صاحب (م ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء) سجادہ نشین سیال شریف کے ساتھ آپ کے روابط بہت گہرے تھے۔ ہمیشہ ان حضرات سے خط و کتابت ہوتی رہتی تھی[4]۔ حضرت خواجہ محمود صاحب کے ساتھ آپ کی محبت و خلوص پر مبنی خط و کتابت جو "مکتوبات طیبات" میں چھپ چکی ہے۔ نہایت دلچسپ ہے۔ جس کا ایک نمونہ باب سوم کی فصل دوم میں دیا گیا ہے[5]۔

حضرت خواجہ محمود صاحب کا کوئی مکتوب جناب پیر صاحب کو موصول ہوتا تو بہت خوشی کا اظہار فرماتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک خط موصول ہونے پر مجلس عام میں فرمایا:

"امروز نوازش نامہ صاحبزادہ محمود صاحب آمدہ است، شما مردمان را شاید معلوم نباشد حضرت ایشان نبیرہ غوث زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اند و مزید اکرام	آج صاحبزادہ محمود صاحب کا نوازش نامہ آیا ہے۔ آپ لوگوں کو شاید معلوم نہیں ہے حضرت خواجہ محمود صاحب غوث زماں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے پوتے (پڑپوتے) ہیں ہمیشہ

۱۔ مقدمہ تحقیق الحق ص ۹۔ ۲۔ مہر منیر تالیف مولانا فیض احمد۔

۳۔ مقدمہ تحقیق الحق تالیف سید مہر علی شاہ گولڑوی مقدمہ از مولوی فیض احمد۔

۴۔ مکتوبات طیبات مرتبہ محمد عابد لاہور مطبوعہ لاہور ص ۲۸۱۔

۵۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب سوم فصل دوم سوانح حضرت خواجہ محمود صاحب۔

علی الدوام مشرف می فرمایند، درین نوازش نامہ این شعر نوشتہ اند، بیت:

اکرام و عنایات سے مشرف فرمایا کرتے ہیں۔ اس نوازش نامہ میں آپ نے یہ شعر لکھا ہے۔

پتلی کی طرح آنکھ میں بٹھاؤں تجھ کو
نہ کسی غیر کو دیکھوں، نہ دکھاؤں تجھ کو۔

وہمیشہ برین منوال با اشعار خبر سلامت و عافیت تسلّی خاطر حزین می فرمایند[1]

اور ہمیشہ اسی طرح شعر و اشعار اور اپنی سلامتی و خیریت کی اطلاع سے دلِ غمگین کی تسلّی فرمایا کرتے ہیں

روابط با حکومت وقت آپ اپنے مشائخ سلسلہ کی طرح حکومتِ وقت اور امراسے بے نیاز و مستغنی رہے۔ آپ کے زمانہ میں انگریزی حکومت کا ملک پر تسلّط کامل تھا، لیکن آپ نے اپنے مریدین کو ہدایت دے رکھی تھی۔ کہ حکومت برطانیہ کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھنا اور اس کی فوج اور پولیس کی ملازمت کرنا ناجائز ہے۔[2]

حکومتِ برطانیہ کا نمائندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جاگیر کی پیش کش کی لیکن آپ نے اُسے ٹھکرا دیا۔ ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم شہنشاہ برطانیہ کے ورودِ ہند پر دہلی میں ایک دربارِ عام منعقد ہوا جس میں برِّعظیم پاک و ہند کے مشاہیر امرا اور مشائخ کو مدعو کیا گیا۔ جناب پیر صاحب کی خدمت میں بھی دعوت نامہ بھیجا گیا۔ لیکن آپ نے منظور نہیں کیا، اور شمولیت نہیں کی۔[3]

ایّامِ پیری آپ نے عمر کے آخری دس سال میں کلام کرنا اور سفر کرنا ترک کر دیا تھا تاہم متعلقین اور متوسلین پر شفقت کی غرض سے

۱۔ ملفوظات طیبہ ص ۱۰۰ ۲۔ رسالہ امر معروف ص ۱۸

۳۔ مقدمہ تحقیق الحق ص ۱۶

ان کی خیر و عافیت دریافت فرمالیتے تھے۔

۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء سے آپ پر محویت و استغراق کی حالت طاری ہو گئی غذا بالکل متروک ہو گئی، تاہم کبھی کبھی ہوش میں آجاتے اور کوئی بات فرما دیتے عمر کے آخری چھ سال سکر و استغراق کی حالت میں گزرے!

سفر آخرت آخر ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ متعدد شعرا نے مرثیے اور قطعات تاریخ وفات کہے مولوی فیض احمد کا قطعہ تاریخ وفات حسب ذیل ہے:

جناب پیر صاحب قبلۂ دین	چو از دنیا بہ جنت رفت ناگاہ
اسیر قید غم گردید ہر یک	جہاں تاریک شد چون روئی بدخواہ
بگو: فخر زمانہ، قطب دوران	بتاریخ وصالش از سر آہ! ۱۳۵۶ھ

آپ کو مسجد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

اولاد آپ کے ایک ہی صاحبزادہ ہیں سید غلام محی الدین، جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے ان کا انتقال ۱۹۷۴ء میں ہو گیا۔

خلفاء آپ کے خلفا میں سے مندرجہ ذیل بزرگ مشہور ہیں:۔

(۱) فقیر محمد امیر صاحب سجادہ نشین کوٹ اٹل (ضلع ڈیرہ غازی خان)[۲]

(۲) حضرت حافظ گل فقیر احمد صاحب پشاوری[۳]۔ (۳) خواجہ حسن نظامی دہلوی۔

۱۔ مقدمہ تحقیق الحق تالیف سید مہر علی شاہ مقدمہ از مولوی فیض احمد مطبوعہ راولپنڈی ۱۳۱۱ھ ص ۱۸
وسوانح حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف مرتبہ قاضی عبدالرقیب مطبوعہ سرگودھا۔ ص ۲۱۔

۲۔ پنج گنج عرفان (کلام فارسی و اردو و پنجابی پیر محمد علی شاہ گولڑوی) مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۶۳ء۔ ص ۷۱۔

۳۔ سوانح حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف مرتبہ قاضی عبدالرقیب مطبوعہ سرگودھا۔ ص ۴۶۔

۴۔ تذکرہ علما و مشائخ سرحد تالیف فقیر محمد امیر شاہ قادری مطبوعہ پشاور ۱۳۸۶ھ۔ ص ۲۷۶۔

۴ مولانا مفتی غلام محمد صاحب گھوٹوی سابق شیخ الجامعہ بہاولپور

اخلاق و آداب پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے اخلاق و آداب، خلقِ محمدی کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ بڑے کریم النفس اور غریب پرور تھے مزاج میں استغنا، نفاست اور نظافت تھی۔ اور انہی بزرگوں نے بعض اوصاف کو آپ کا خاص رنگ قرار دیا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) شفقت علی الخلق (۲) حب فی اللہ (۳) استغنی عن ما سوی اللہ[۲]

تصانیف پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی ؒ نے مندرجہ ذیل کتابیں و رسائل تصنیف کیے

(۱) تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، در مسئلہ وحدت الوجود و رد عقیدہ شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی (تاریخ تالیف ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷م)

(۲) شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح در رد عقائد مرزا غلام احمد قادیانی (تاریخ تالیف ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹م)

(۳) سیف چشتیائی در رد عقائد مرزا غلام احمد قادیانی (تاریخ تالیف ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱م)

(۴) اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اہل بہ لغیر اللہ، رسالہ در مسائل فقہ (تاریخ تالیف ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴م)

(۵) فتوحات صمدیہ رسالہ در جواب غیر مقلدین (تاریخ تالیف ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷م)

(۶) مجالہ بر دو سالہ، در وضاحت مسلک خود (تاریخ تالیف ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸م)[۳]

۱۔ انہی مفتی صاحب سے ایک بار علمائے دیوبند کے بارے میں کسی نے پوچھا تو آپ نے جواب فرمایا "واضح ہو کر علمائے مسئول عنہ (علمائے دیوبند) شکر اللہ سعیہم ان کی بیانات میں بر خیر محققین اہل حق ہیں یہ لوگ نیک نیت تھے اور اغراض ان کے حسنہ اور افعال ان کے حسنہ تھے اور چند مسائل کی وجہ سے جو ان کی نسبت زبان درازیاں ہیں ہمیں ان سے خداوند کریم نے محفوظ رکھا ہے اور آئندہ بھی اسکی درگاہ عالی سے ان کے لیے خیر خواہ ہیں (حیات اعلیٰ پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء ص ۳۱)

۲۔ سوانح حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف تالیف قاضی عبدالرحمٰن مطبوعہ سرگودھا ص ۲۷

۳۔ " " " " " " " " " " " ص ۱۰۰، ۱۱۵، ۱۱۹

آپ کا مجموعہ کلام "پنج گنج عرفان" کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں آپ کا عربی، فارسی، اردو، پنجابی کلام جمع کیا گیا ہے۔ (تاریخ طباعت ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲م)

آپکے ملفوظات "ملفوظات طیبہ" کے نام سے فارسی میں مولوی فقیر محمد اور مولوی عبدالحق نے جمع کر کے شائع کیے ان کا اردو ترجمہ مقالات مرضیہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے (تاریخ طباعت فارسی ملفوظات ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲م) آپ کے مکتوبات محمد عبدالحی ابن مولانا غلام محمد گھوٹوی نے "مہر چشتیہ المعروف مکتوبات طیبات" کے نام سے جمع کر کے شائع کئے (مکتوبات ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹م تا ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴م)

آپ کے فتاویٰ کو فتاویٰ مہریہ کے نام سے مولوی فیض احمد نے جمع کر کے شائع کیا۔ (تاریخ طباعت ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲م)

سید مہر علی شاہ گولڑوی بہ حیثیت شاعر

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کی فارسی اور پنجابی غزلیں اور نظمیں نہایت پر تاثیر ہیں۔ آپکے فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے:

غزل (فارسی)

صبا ز طرۂ شبرنگ مہوش طناز	کشود نافۂ مشکین بروقتی اہلِ نیاز
کیم، گدائی درِ مفلسی و کوتاہ دست	کجا این غالیہ عطری و قصہ ہای دراز؟
توئی کہ ذرہ صفت را برآسمان بردی	چگونہ شکر تو گوید کمینہ بندہ نواز؟
غرض اداتی نیاز است ورنہ حاجت نیست	کمالِ حشمت محمود را بہ عجزِ ایاز
رہین ساقی چشمم، کہ جرعہ بچشاند	زجام چہرۂ ترکان و مہوشانِ حجاز
بہ بزم بادہ فروشان بہ نیم جو نہ خرند	متاع زاہدِ طماع چہ حج و صوم و نماز
مراز پیرِ مغان رازہائی سربستہ است	فغان ز واعظ خود بین، کجا است محرم راز
اگرچہ حسن تو ز مہر عزیز مستغنی است	من آن نیم کہ ز ایمان خویش آیم باز!

۱۔ پنج گنج عرفان (کلام سید مہر علی شاہ گولڑوی) مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۶۳ء ص ۳۰

جانشین سید مہر علی شاہ در گولڑہ شریف

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادہ سید غلام محی الدین شاہ آپ کے جانشین ہوئے۔ سید غلام محی الدین شاہ نے قرآن مجید کی تعلیم قاری عبد الرحمٰن جونپوری سے اور عربی کی ابتدائی و اعلیٰ تعلیم مولانا محمد غازی صاحب سے حاصل کی۔ بعد ازاں اپنے والد ماجد کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اور ان سے تصوف کی کتابوں کا درس بھی لیا۔ اور کچھ عرصہ بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا اور والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے سجادہ پر بیٹھے۔

آپ نے گولڑہ شریف میں وسیع لنگر خانہ اور ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ آپ نہایت بلند اخلاق اور وسیع الظرف بزرگ ہیں۔ اور سلسلہ کی اشاعت میں کوشاں ہیں۔ متعدد بار حج ادا کر چکے ہیں۔ اور مدینہ منورہ، بغداد اور قونیہ جا کر روضہ رسول اکرمؐ اور دوسرے بزرگوں کے مزارات سے اخذ فیض کیا ہے!

۱۹۷۴ء میں آپ کی وفات ہو گئی۔ گولڑہ شریف میں دفن ہوئے۔ اس وقت آپ کے جانشین صاحبزادہ سید معین الدین شاہ صاحب ہیں۔

۱۔ مقدمہ تحقیق الحق ص ۱۸۔

باب ششم

گزشتہ دو صدیوں کے سیاسی و معاشرتی حالات

فصل اوّل

گزشتہ دو صدیوں کے سیاسی حالات

تمہید حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی[۱] ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء میں پیدا ہوئے مغربی پاکستان میں گذشتہ دو سو سال سے آپ کا قائم کیا ہوا سلسلۂ رشد و ہدایت جاری ہے۔ اس لیے قبل اس کے کہ آپ کی اور آپ کے جانشینان و خلفا کی دینی، تعلیمی اور ادبی خدمات کا جائزہ لیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء سے ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء تک کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے تاکہ ان بزرگانِ دین کی دینی، تعلیمی اور ادبی خدمات کی اہمیت واضح ہو جائے۔

سیاسی حالات مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء تا ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) کی حکومت بنگال سے بلوچستان تک اور حیدر آباد دکن سے کابل تک برعظیم پاک و ہند کے تقریباً پندرہ لاکھ مربع میل پر مشتمل تھی! لیکن اس کی وفات ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء کے بعد مغل سلطنت کا شیرازہ تیزی سے بکھرنا شروع ہو گیا۔ اور اس کے جانشین کمزور سے کمزور تر ہوتے گئے۔ صوبائی گورنر عملاً آزاد اور خود مختار بن گئے مرکز میں تاج و تخت کے حصول کے لیے رزم آرائیوں اور ملک پر بیرونی حملوں نے بدنظمی اور طوائف الملوکی پیدا کر دی۔ سکھوں، مرہٹوں، جاٹوں اور پھر انگریزوں کی ترک تازیوں نے اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی[۲]۔

۱۔ تاریخ مسلمانانِ پاک و بھارت ص ۱ ۲۔ تاریخ مسلمانانِ پاک و بھارت ص ۲ تا ۱۲۱۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی[۲] اورنگ زیب عالمگیر کے نویں جانشین شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء ـ ۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۶ء) کے عہد میں پیدا ہوئے یہ زمانہ مغل حکومت کے زوال کا زمانہ تھا۔ شاہ عالم ثانی کے بعد شاہ اکبر ثانی (۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۶ء ـ ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء) اور اس کے بعد بہادر شاہ ثانی (۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء تا ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۷ء) برائے نام حکمران رہے۔ آخر الذکر دونوں بادشاہ انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے[۱]

ا۔ برِعظیم پر افغانوں کا حملہ اور پنجاب پر قبضہ

۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ افشار ایرانی کے حملے سے مغربی پاکستان کے شمال مغربی علاقے مغل حکومت کے قبضے سے نکل گئے[۲] ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ افشار کی وفات کے بعد ایک افغان سردار احمد شاہ ابدالی (۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء ـ ۱۱۸۷ھ/ ۱۷۷۳ء) نے افغانی صوبوں کی عنانِ نظم و نسق سنبھالی اس نے برِعظیم پاک و ہند پر متعدد حملے کیے۔ ۱۱۶۶ھ/ ۱۷۵۲ء میں لاہور پر قبضہ کیا، ۱۱۶۹ھ/ ۱۷۵۵ء میں دہلی کو لوٹا، ۱۱۷۵ھ/ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکست دی۔ اور ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء میں دریائے ستلج اور جمنا کے درمیان سکھوں پر زبردست فتح حاصل کی اس کی وفات (۱۱۸۷ھ/ ۱۷۷۳ء) کے وقت افغان حکومت مشرقی ایران، پورے بلوچستان، کشمیر اور پنجاب پر مشتمل تھی[۳]

احمد شاہ ابدالی کے بعد اس کا بیٹا تیمور شاہ (۱۱۸۷ھ/ ۱۷۷۳ء ـ ۱۲۰۸ھ/ ۱۷۹۳ء) حکمران رہا۔ لیکن تیمور شاہ ایک کمزور حکمران تھا۔ اس کے عہد میں افغان حکومت کا زوال شروع ہو گیا اس کے بیٹے زمان شاہ (۱۲۰۸ھ/ ۱۷۹۳ء ـ ۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء) کے عہد حکومت میں قبائلی کشمکش شروع ہو گئی اور پنجاب کا کچھ حصہ سکھوں نے چھین لیا۔

زمان شاہ کے بعد اس کے دو بھائیوں محمود شاہ اور شاہ شجاع اور بارک زئی سردار دوست محمد خان میں تختِ افغانستان کے لیے آپس میں جنگ آزمائی شروع ہو گئی[۴]

۱۔ تاریخ مسلمانان پاک و ہند ص ۳۱۷ ۲۔ تاریخ مسلمانان پاک و ہند ص ۲۲۷

۳۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم (ص ۹۳۶) ۴۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم ص ۱۰۸۰

جن کے نتیجے میں افغان حکومت کمزور سے کمزور تر ہو گئی اور مغربی پاکستان کے علاقوں سکھوں نے قبضہ کر لیا۔

۲۔ **سکھا شاہی** احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے مغربی پاکستان کے اضلاع میں بدنظمی پھیل گئی تھی جن کا سدباب کرنا مرکزی کمزور مغل حکومت کے بس کی بات نہ تھی نتیجتہً مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم اقوام نے بھی سر اٹھایا جن میں مرہٹوں اور سکھوں کی غارت گری نے برعظیم پاک و ہند کی تباہی میں بہت حصہ لیا۔ پنجاب میں سکھوں کے ایک گروہ نے سرہند اور لاہور پر یورش کر کے لوٹ مار شروع کی تو احمد شاہ ابدالی ان کی گوشمالی کے لیے آیا اور ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۲ء میں ستلج کے پار برنالہ کے مقام پر ان کے جتھوں کو گھیر کر ان کا صفایا کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۳ء تا ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء کے عہد حکومت میں سکھوں کی سرداری رنجیت سنگھ کو حاصل ہوئی۔ رنجیت سنگھ نے اپنی تدبیر اور مار دھاڑ سے جنوب میں ستلج تک اور شمال میں کشمیر اور پشاور تک اپنی حکومت کو وسعت دی۔ ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء میں ملتان پر قبضہ کیا[۲] اور افغانستان کی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء میں کشمیر اور ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں پشاور فتح کر لیا[۳]

اسی زمانہ میں رائے بریلی کے ایک دینی خاندان کے فرد سید احمد شہید[۴] (م ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) اور دہلی کے مشہور بزرگ شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے شاہ اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے دہلی، دوآب اور بنگال کے مسلمان مجاہدین کا ایک لشکر جمع کیا اور اس سرزمین کو غیر مسلم طاقتوں (سکھوں اور انگریزوں) کے پنجہ سے آزاد کرانے کی غرض سے سلسلۂ جہاد شروع کر کے قرن اول کے مسلمانوں

۱۔ تاریخ مسلمانان پاک و بھارت ص ۸۱۔ ۲۔ تاریخ مسلمانان پاک و بھارت ص ۱۸۶۔

۳۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ص ۴۴۹۔

۴۔ سید احمد شہید ابن سید محمد عرفان ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء میں رائے بریلی پیدا ہوئے آپ کے خاندان میں علم شریعت و طریقت کئی پشتوں سے چلا آرہا تھا۔ سید احمد شہیدؒ نے جوان ہو کر دہلی کا رخ کیا۔ اور شاہ عبدالقادر ابن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے دینی تعلیم حاصل کی۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے دست مبارک پر بیعت کر کے روحانی منازل طے کیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پہ)

کی یاد تازہ کر دی۔ سید صاحب نے چار سال تک سرحد کے علاقہ میں سکھوں کے ساتھ لڑائیاں جاری رکھیں۔ لیکن ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں آپکی شہادت کے ساتھ ہی اس مذہبی تحریک خاتمہ ہوگیا۔ اور میدان سکھوں کے ہاتھ رہا۔ اٹک پار کے علاقے درۂ خیبر تک رنجیت سنگھ نے فتح کر لئے تھا راجہ رنجیت سنگھ کی موت ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۹ء کے ساتھ ہی سکھا شاہی کا خاتمہ ہوگیا۔ رنجیت سنگھ کے بعد اس کا لڑکا کھڑک سنگھ جانشین ہوا۔ لیکن چند سال بعد انگریز گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی (۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء — ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) نے ۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر قبضہ کر لیا![۱]

۳۔ **انگریز کا تسلط** دسویں صدی ہجری (سولھویں صدی عیسوی) میں یورپی اقوام میں سے پہلے پرتگیز ان کے بعد انگریز، فرانسیسی اور ڈچ وغیرہ قومیں برعظیم پاک و ہند میں بغرض تجارت آئیں، مغل بادشاہوں اور حکام نے ان کو نہ صرف داخلہ کی اجازت دی، بلکہ سکونت اور تجارت کے حقوق بھی عطا کئے، تھوڑے عرصہ میں بہت سے انگریز تاجر برعظیم کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے۔

کچھ عرصہ تک انگریزوں کی دوسری یورپی اقوام سے حریفانہ و رقیبانہ کشمکش جاری رہی، آخر انگریز غالب آئے اور ۱۱۰۲ھ / ۱۶۹۰ء میں انگریز تاجروں کی ایک منظم جماعت ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے وجود میں آئی۔ جس نے سورت اور کلکتہ میں تجارتی کاروبار اجتماعی قوت سے جاری کیا۔ پھر برعظیم پاک و ہند کی طوائف الملوکی کا حال دیکھ کر ان کی نیت فاسد ہونے لگی یہاں تک کہ انہوں نے ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۷ء میں بنگال کے نواب سراج الدولہ پر حملہ کر دیا اور چند سال کے اندر بنگال، بہار، اور اڑیسہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضے میں چلے گئے۔[۳]

۱۔ تاریخ مسلمانان پاک و بھارت ص ۲۴۵ ۲۔ تاریخ مسلمانان پاک و بھارت ص ۲۰۲ تا ۲۰۶

۳۔ " " " " ۲۱۰ (بقیہ حاشیہ ص ۲۷۱) اصلاح کے لیے ملک گیر دورے کئے، اور جہاد کی غرض سے مجاہدین کا ایک لشکر تیار کیا۔ جب آپ نے پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم کا حال سنا تو آپ مجاہدین کے لشکر کے ساتھ سرحد پہنچ گئے۔ اور سکھوں کے ساتھ ان کے کئی معرکے ہوئے۔ جن میں سکھوں کو شکست ہوئی لیکن سکھوں کے ساتھ مجاہدین کا آخری معرکہ بالاکوٹ کے مقام پر ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں ہوا جس میں سید احمد اور شاہ اسماعیل شہید ہو گئے۔ اور جہاد کی یہ خالص اسلامی تحریک ختم ہوگئی (تاریخ مسلمانان پاک و بھارت ص ۲۸۲ تا ۳۱۵

۱۱۸۶ھ/ ۱۷۷۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے وارن ہسٹنگز کو بنگال کا گورنر مقرر کیا اور دو سال بعد برعظیم کے دیگر مقبوضات بھی اُس کی تحویل میں دے دیئے![1]

۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۹ء میں میسور، ۱۲۵۹ھ/ ۱۸۴۳ء میں سندھ اور ۱۲۶۶ھ/ ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔[2] لارڈ کیننگ (۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء ــــ ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء) کے عہد میں ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں برعظیم پاک و ہند کے لوگوں نے آزادیٔ ملک کے لیے وہ جنگ شروع کی جسے انگریز "غدر" کا نام دیتے رہے۔ اس جنگ کے خاتمے پر مغل خاندان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو قید کر کے رنگون بھیجا گیا جہاں وہ چار سال کے بعد ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء میں فوت ہو گیا۔ اس طرح سے ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں مغلوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔[3]

جنگ آزادی کے اختتام پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم ہوگئی اور ملک کا انتظام براہِ راست تاجِ برطانیہ نے سنبھال لیا۔

جنگِ آزادی کے بعد

۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ان کی وجہ سے عام طور پر مسلمانوں پر ایک افسردگی اور شکست خوردگی کی حالت طاری ہوگئی۔ اس دور کے اہم واقعات یہ ہیں:

دارالعلوم دیوبند کا قیام

۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ[4] (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) نے دینی اور اسلامی علوم کی اشاعت وحفاظت

۱۔ تاریخ مسلمانانِ پاک و بھارت ص ۲۱۰ ۔ ۲۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم ص ۲۳۸

۳۔ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳۴۴ ۔ ۴۔ مولانا محمد قاسم بن اسد علی صدیقی نانوتوی ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ مولانا مملوک علی نانوتوی سے پڑھیں۔ علم حدیث حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی سے حاصل کیا۔ اور طریقت میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے استفادہ کیا۔ اور سلسلہ چشتیہ صابریہ میں خلافت حاصل کی۔ ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی جس نے بہت جلد عالمگیر شہرت حاصل کرلی۔ اور بڑے بڑے اکابر اس مدرسہ نے پیدا کئے۔ ۴۹ سال کی عمر میں آپ نے ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء میں وفات پائی۔ آپ کی تصانیف میں سے یہ کتابیں مشہور ہیں: (۱) آب حیات (۲) قبلہ نما (۳) حجۃ الاسلام (۴) تحذیر الناس وغیرہ (مقدمہ انوار الباری شرح صحیح البخاری جلد دوم تالیف سید احمد رضا بجنوری مطبوعہ دہلی ۱۹۴۴ء ص ۲۱۸)

کے لیئے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی جس نے مشائخ تو نسوی کے پہلو بہ پہلو احیاء علوم اسلامیہ کی کوششیں ایک صدی تک جاری رکھیں۔

۲۔ علیگڑھ کالج کا قیام مسلمانوں کی خستہ حالت اور پس ماندگی سے متاثر ہوکر ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں سرسید احمد خان (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء) نے علیگڑھ میں جدید تعلیم کی ایک درس گاہ قائم کی جس نے عالمگیر شہرت حاصل کی یہ درسگاہ پہلے کالج کے درجے پر پہنچی۔ اور ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی بنادی گئی آگے چل کر اسی ادارہ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں (مولانا محمد علی، شوکت علی) نے قومی تحریکات میں نمایاں حصہ لیا۲

تحریکات آزادی اس دور میں ہندوستانی اقوام جن میں ہندو اور مسلمان پیش پیش تھے۔ استخلاص وطن کے لیئے سرگرم عمل رہیں اور آزادئ ملک کے لیئے متعدد تحریکات کا آغاز ہوا مندرجہ ذیل جماعتوں کا کام بہت نمایاں ہے۔

۱۔ انڈین نیشنل کانگرس ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی گئی اس میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں نے بھی حصہ لیا۔ یہ ملک کو آزاد کرانے کی ایک ملک گیر عوامی تحریک تھی جو آزادئ ہند (۱۹۴۷ء) تک جاری رہی اس جماعت کے آخری سربراہ مہاتما گاندھی تھے۳

۲۔ آل انڈیا مسلم لیگ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں مسلمان رہنماؤں نے ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) کے

۱۔ سید احمد خان ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ سید صاحب کی تعلیم و تربیت ننہال میں ہوئی۔ اس خاندان کو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے عقیدت تھی۔ اس لیے آپ نے بھی شاہ صاحب سے فیض حاصل کیا۔ جنگ آزادی کے خونیں گرداب سے متاثر ہوکر مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ۱۸۶۹ء میں یورپ کا سفر کیا۔ اور اہل یورپ کے طرز زندگی اور طرز تعلیم سے بہت متاثر ہوئے۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں علیگڑھ کالج کی بنیاد رکھی۔ آپ مسلمانوں کی فوز و فلاح اسی اس میں سمجھتے تھے۔ کہ مسلمان انگریزی علوم حاصل کریں۔ اور جدید دنیا میں اپنا مقام حاصل کریں۔ آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں سے مندرجہ ذیل مشہور ہیں۔ (۱) تفسیر قرآن مجید (۲) آثار الصنادید (۳) خطبات احمدیہ (۴) تبیین الکلام۔ آپکی وفات ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء میں ہوئی۔ اور علیگڑھ میں دفن ہوئے۔ (تاریخ مسلمانان پاک و بھارت جلد دوم تالیف سید ہاشمی فرید آبادی ص ۴۵۹ تا ۴۹۷)

۲۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ص ۷۴۰۔

۳۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ص ۳۳۹۔

مقام پر جمع ہو کر ایک سیاسی انجمن کی بنیاد رکھی جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ قرار پایا مسلم لیگ نے بھی انڈین نیشنل کانگریس کے پہلو بہ پہلو آزادیٔ وطن کے لیے کام کیا یہی مسلم لیگ تھی جسکے آخری سربراہ قائد اعظم محمد علی جناح تھے جن کی رہنمائی میں برعظیم کے مسلمانوں نے ۱۹۴۷ء میں ایک آزاد سلطنت (پاکستان) حاصل کی!

۳۔ تحریکِ خلافت

۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء میں علی برادران مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے تحریکِ خلافت کا اجرا کیا۔ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن (م ۱۳۳۰ھ / ۱۹۲۰ء) اور دوسرے علما کے فتویٰ سے انگریز کے ساتھ ترکِ موالات اور لاتعاون کی تحریکیں چلیں[۲] تو مشائخ تونسوی میں سے خواجہ شمس الدین سیالوی کے دوسرے جانشین خواجہ ضیاء الدین سیالوی (م ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء) نے ان تحریکات میں بھرپور حصہ لیا "حضرت ثالث (خواجہ ضیاء الدین) کا عہد مبارک پورا کا پورا جنگِ آزادی کی تاریخ کا روشن باب، انگریز اور اس کے تمدن، اس کی تہذیب اور اس کی لائی ہوئی تمام آفات، لادینی والحاد کے لیے سمِ قاتل تھا آپ کا دربار تحریکِ آزادی کا ایک اہم مرکز اور آپ کی ذاتِ گرامی زعماد کارکنانِ خلافت وحریت کے لیے پشت پناہ اور سہارا تھی۔ راہ حریت میں آپ کی مجاہدانہ سرگرمیاں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی تھیں"[۳]

خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے برادر خورد صاحبزادہ محمد عبد اللہ صاحب نے مشائخ چشت کو تحریکِ جہادِ آزادی میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔ اور فارسی زبان میں متعدد نظمیں لکھیں، جن میں سے ایک نظم بصورت مستزاد حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ص ۲۲۰

۲: ترکِ موالات کی تحریک میں کونسلوں، عدالتوں، درسگاہوں، خطابوں اور جاگیروں نیز برطانوی مال کا بائیکاٹ شامل تھا۔ کراچی کے ایک اجتماع میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور مولانا حسین احمد مدنی نے ایک قرارداد منظور کرائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کسی غیر مسلم حکومت کی فوج میں ملازم ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا ہرگز جائز نہیں۔

(تاریخ مسلمانانِ پاک و بھارت جلد دوم تالیف سید ہاشمی فرید آبادی مطبوعہ کراچی ۱۹۵۳ء، ص ۵۴۷ تا ۵۴۹ و انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ص ۳۴۷)

۳۔ روئیداد دارالعلوم ص ۱۴۔

خطاب بہ صوفیاء کرام و سجادہ نشینان

اے طائفۂ گوشہ نشینانِ عبادت ‌ ‌ ‌ در کنجِ ریاضت

در گوش کن این قصۂ پر درد و شکایت ‌ ‌ ‌ از راہِ عنایت

آں گلشنِ اسلام کہ خود فخرِ رسل کاشت ‌ ‌ ‌ محفوظ نگاہداشت

بخشید حسینؓ ابنِ علیؓ نیز طراوت ‌ ‌ ‌ با خونِ شہادت

شد تازہ تنومند ہمان گلشنِ اسلام ‌ ‌ ‌ با احسنِ انجام

سرشار معطر شدہ ہر مرز و ولادت ‌ ‌ ‌ از بوئے ہدایت

اکنون ہمہ شد تلف ہمہ باغ و گلستان ‌ ‌ ‌ صد حسرت و حرمان

غارت شدہ ہم گلشن و گلبن ہمہ غارت ‌ ‌ ‌ صد حیف و ندامت

اعدا ہمہ شیرازۂ اسلام گسستند ‌ ‌ ‌ بنیاد شکستند

تاہم نہ ترا ہیچ شد احساسِ خلافت ‌ ‌ ‌ اے صاحبِ خلوت

حالات مگر خواجۂ اجمیر نہ دیدی ؟ ‌ ‌ ‌ وا از کس نہ شنیدی

در بارۂ اسلام چہ ساں کرد شجاعت ‌ ‌ ‌ در دورِ ضلالت

در ہند ہماں بود کہ اسلام بیاورد ‌ ‌ ‌ ظلمت ز جہاں برد

اسلام رسانید درین دارِ جہالت ‌ ‌ ‌ با لطف و کرامت

ہم غور بہ فرما تو بہ احوالِ شکر گنج ‌ ‌ ‌ اے مردِ سخن سنج

او نیز بسی کرد بہ اسلام حمایت ‌ ‌ ‌ با عقل و درایت

الغرض ہمین شیوۂ شہزادۂ چشت است ‌ ‌ ‌ ایں کار نہ زشت است

طرفہ کہ ترا نیست درین کار محبت ‌ ‌ ‌ بلکیست عداوت

دلقت بہ چہ کار آید و تسبیح و مرقع ‌ ‌ ‌ سجادہ و برقع

گر ہیچ نہ کردی تو بہ اسلام اعانت ‌ ‌ ‌ در وقتِ اہانت

در نرغۂ اعدا شدہ اسلام گرفتار ‌ ‌ ‌ بی یار و مددگار

اسلام بہ تکلیف تو مصروف بہ راحت ‌ ‌ ‌ افسوس نہایت

مظلوم سمر ناکہ شد از ناقہ بے جان | با حال پریشان
گر بخشی در الفقہ ثنا چیست قباحت | اے صاحب طاقت
در ترک موالات نصاریٰ ہمہ تن کوشش | بے غصہ و بے جوش
منظور نمائی ز عبد جملہ حکایت | اے اہل سعادت "[1]

اسی طرح پیر مہر علی شاہ گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء) بھی اپنے حلقۂ مریدین میں انگریزی فوج و پولیس میں بھرتی نہ ہونے اور انگریز سے ترک موالات کی تلقین و تاکید کرتے رہے۔

مجلس احرار اسلام

خواجہ شمس الدین سیالوی کے خلیفہ سید نور الدین بخاری کے پوتے سید عطاء اللہ شاہ بخاری (م ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء) نے جو پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مرید اور اردو اور پنجابی کے بے مثل خطیب تھے، اپنی فصاحت و بلاغت کی توپوں کے دہانے عمر بھر انگریزی استعمار کے قلعوں کی طرف مرکوز رکھے۔ "مجلس احرار اسلام" کے نام سے ایک جماعت بنا کر انہوں نے برعظیم پاک و ہند کے قریہ قریہ اور شہر شہر جلسے اور تقریریں کر کے انگریز کے خلاف عوام الناس میں ایک آگ لگا دی۔ اس سلسلہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجموعی طور پر دس سال جیل میں گزارے[2] اس تحریک میں مولانا محمد اکرم صاحب للہی ابن مولانا فضل حسین للہی نے بھی سرگرم حصہ لیا۔

قیام پاکستان سے قبل حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی (م ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء) نے آزادی کی مختلف تحریکوں جمعیۃ العلماء ہند، مسلم لیگ، مجلس احرار اسلام کے ساتھ تعاون کیا اور ان کی حمایت فرمائی۔[3] اور خواجہ قمر الدین سیالوی نے آل انڈیا مسلم لیگ کا ساتھ دے کر تحریک پاکستان کو تقویت پہنچائی۔[4]

تحریک قیام پاکستان

پاکستان کے لیے پہلی آواز علامہ اقبال (م ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء) نے اس خطبے میں بلند کی تھی جو انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد میں ۱۳۴۹ھ / دسمبر ۱۹۳۰ء میں بحیثیت صدر پیش کیا تھا۔ اس کے بعد مسلم لیگ نے قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں تحریک پاکستان کو ایک عظیم وسعت بہم پہنچائی۔ ۲۳ / مارچ ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے اجلاس

۱۔ رسالہ "امر معروف" ص ۱ — ۲۔ ہفت روزہ چٹان ص ۱۲، ۲۳۔

۳۔ مکتوب نوابزادہ فتح اللہ خان علیزئی سی۔ایس۔پی۔ از ڈیرہ اسماعیل خان بنام راقم السطور بتاریخ ۱۶ / اکتوبر ۱۹۶۸ء

۴۔ روداد دار العلوم ص ۱۰

لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی جس میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اسلامی حکومت کا مطالبہ کیا گیا تھا[1] ادھر کانگرس بھی ملک کی آزادی کے لیے مسلسل لڑتی چلی آرہی تھی۔

بالآخر ۳/مارچ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء کو حکومت برطانیہ نے ہندوستان کو آزاد کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور ۱۴/اگست ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء کو اس اعلان کے مطابق ایک محکوم ہندوستان کی جگہ دو آزاد ملک (پاکستان اور بھارت) وجود پذیر ہوئے۔ قائد اعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے جن کا انتقال ۱۱ ستمبر ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۸ء کو ہوا[2]

فصل دوم

گذشتہ دو صدیوں کے معاشرتی حالات

گذشتہ دو صدیوں کے سیاسی حالات کے بعد ان دو صدیوں کے معاشرتی حالات پیش کیے جاتے ہیں:

بارھویں صدی ہجری (اٹھارھویں صدی عیسوی) برعظیم پاک و ہند میں سیاسی افراتفری کا دور تھا۔ مغل حکومت کی کمزوری کی وجہ سے ایک طرف ملک میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی۔ دوسری طرف بیرونی حملوں نے ملک کی سیاسی تمدنی اور اقتصادی حالت کو بد سے بدتر کر دیا تھا[3] لوگوں کے دلوں پر خوف و ہراس، قنوطیت اور پست ہمتی غالب تھی۔

"مرہٹوں کی بغاوت، سکھوں کی سرکشی، نادر شاہ کا حملہ، دہلی کا قتل عام، احمد شاہ ابدالی کا معرکہ پانی پت، روہیلوں کا دور، ایرانی و تورانی کشمکش، بنگال و بہار میں انگریزوں کا تسلط پھر سارے ہندوستان پر چھا جانا تاریخ کے ہر طالب علم کو معلوم ہے۔ سلاطین و امرا کی نالائقی، علما کی غفلت و مداہنت، عمال حکومت کی نمک حرامی اور اخلاق باختگی نے پورے معاشرے کو عقائد فاسدہ اور

۱۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ص ۳۵۴، ۳۰۰ ۲۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ص ۳۵۷

۳۔ تاریخ مسلمانان پاک و بھارت ص ۱۷۰

اعمالِ شنیعہ کے گرداب میں غرق کر دیا تھا۔"[1]

بارھویں صدی ہجری (اٹھارھویں صدی عیسوی) میں تمدن واخلاق کی جو حالت تھی اس کا اندازہ ملک کے پایۂ تخت (دہلی) کے حالات کے ایک نمونہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک ایرانی نژاد دکنی منصب دار درگاہ قلی خان اسی صدی میں دہلی آیا اور شہر بھر میں ارباب نشاط اور امارد کی گھما گھمی دیکھی وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔

"بروج ہائے روشنی بہ بروجِ آسمانی پیامِ انواری فرستند، و بنگلہ ہائی تجلی آگیں طرحِ وادیٔ ایمن می کنند، معاشران با محبوبانِ خود در ہر گوشہ و کنار دست در بغل، و عیاشان در ہر کوچہ و بازار بجولِ شہواتِ نفسانی در رقص، می خواران بے اندیشۂ محتسب در تلاشِ سیہ مستی، و شہوت طلبان بے واہمہ مزاحمت سرگرم شاہد پرستی، ہجوم امارد نوخطان توبہ شکن زہاد و آہو پسران برہم زنِ بنیادِ صلاح و سداد، تا نگاہ پرواز کند مائل روئی است، و تا چشم وا شود حلقۂ فتراک گیسوئی، سامانِ فواحش بہ مثابۂ کہ یک عالم فساق بہ کام دل می رسند، و اسباب خباثت بہ درجہ کہ یک جہانِ فجار کسب تمتع می نمایند، تا کسے مجالِ خود وا رسد، امردے چشمک می زند، و تا چشم چراغ روشن کند زنکہ پیام می فرستند، کوچہ و بازار از نواب و خوانین پر، و گوشہ و کنار از امیر و فقیر شور انگیز، مطرب و قوال از مگس زیادہ تر، و محتاج و سائل از پشہ افزون تر، قصہ مختصر بہ ایں ترتیب و منبع و شریفِ ایں دیار ہواجس نفسانی ترتیب دہند، و بہ مستلذاتِ جسمانی فائز می شوند۔"[2]

اس صدی کے علما و مشائخ کی حالت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) کے الفاظ میں حسب ذیل تھی "الفوز الکبیر" میں لکھتے ہیں:۔

(۱) علماء: "اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علمائے سوء کہ طالب دنیا باشند و خو گرفتہ بہ تقلیدِ سلف و معرض از نصوصِ کتاب و سنت۔"[3]

اگر (اس وقت مسلمانوں میں) یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو ان علماء سوء کو دیکھو جو دنیا کے طالب ہیں اور اپنے بڑوں کی پیروی میں ایسے اندھے ہو رہے ہیں کہ کتاب و سنت کے نصوص سے اعراض کر بیٹھے

۱۔ مسلم ثقافت ص ۲۰۲

۲۔ تاریخ مسلمانان پاک و بھارت ص ۱۲۵ بحوالہ سفرنامہ درگاہ قلی خان ص ۱۲۔

۳۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۱۰

(ب) مشائخ : اگر خواہی کہ نمونۂ ازیں فریق (گروہ نصاریٰ) ملاحظہ کنی امروز اولادِ مشائخ و اولیا را تماشا کن کہ درحق آباء خود چہ ظنوں دارند و تا کجا کشیدہ بردہ اند" ا

اگر عیسائیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو آج مشایخ اور بزرگوں کی اولاد کو دیکھ لو۔ کہ اپنے آباؤ اجداد کے حق میں کیسے گمان رکھتے ہیں۔ اور کھینچ تان کر ان کے مرتبہ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔

تیرھویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) کے معاشرتی حالات بد سے بدتر ہو گئے مصنف "خاتم سلیمانی" حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے زمانہ، ماحول اور علاقائی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی جس وقت تونسہ میں رہائش پذیر ہوتے (۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء) یہ سکھوں کا پرآشوب زمانہ تھا، جہالت کا زور تھا، علاقہ ایسا تھا جہاں ذرائع آمد و رفت بہت دشوار اور ناقابل گزار تھے۔ مشرق کی طرف ہندوستان کا سب سے بڑا دریا سندھ حائل تھا اور مغرب میں کوہ سلیمان پھیلا ہوا تھا۔ اس واسطے یہاں قدرتی طور پر ایک مصلح کی ضرورت تھی۔ جو اپنے فیوض ظاہری و باطنی سے لوگوں کا تزکیہ کرے، اسلام کا نورانی چہرہ جو ظلمت میں چھپ رہا ہے۔ اسے روشن صورت میں دکھلائے قوم بچہ، ہیتہ، شیرانی، بلوچ اور افغان جیسی متمرد اقوام کو حلقۂ اسلام سے نہ نکلنے دے۔ ان کے آئینہ دل کو کدورتِ ضلالت اور غبارِ جہالت سے پاک کرے۔"۲

تیرھویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں تمام اسلامی ممالک میں (جو حکومت برطانیہ کے زیر اثر تھے) بے چینی اور اندرونی کشمکش انتہا کو پہنچ گئی تھی برعظیم پاک و ہند اس بے چینی و کشمکش کا خاص میدان تھا یہاں مغربی و مشرقی تہذیبوں، جدید و قدیم نظام تعلیم و نظام فکر میں معرکۂ کارزار گرم تھا۔ ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کے دل شکستہ اور ان کے دماغ مفلوج ہو گئے تھے ایک طرف انگریزوں نے نئی تہذیب

ا۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۱۱ ۲۔ خاتم سلیمانی حصہ دوم معروف بہ سیرۃ المحمود ص ۴۔

دثقافت کی توسیع واشاعت کا کام شروع کر دیا تھا، لارڈ میکالے[1] کا اپنا مرتب کردہ تعلیمی نظام ہندوستانیوں کو صرف "کالے انگریز" بنانا چاہتا تھا۔ دوسری طرف ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے عیسائی پادری عیسائیت کی دعوت و تبلیغ میں خاصی سرگرمی دکھا رہے تھے۔

خام صوفیوں اور جاہل دلق پوشوں نے طریقت وولایت کو بازیچہ اطفال بنا رکھا تھا عیار درویش اور چالاک دین فروش اپنے جھوٹے الہامات اور کرامات سے عوام کی ذہنیت کو خراب کر رہے تھے اسی صدی کے آخر میں پنجاب کے ایک گاؤں قادیان (ضلع گورداسپور) میں مرزا غلام احمد قادیانی (م ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) نے نبوت کا دعویٰ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک نئی اُمت پیدا کر دی[2]!

ان حالات میں سابق مغربی پاکستان ذہنی انتشار و بے چینی، ضعیف الاعتقادی اور دینی ناواقفیت کا خاص مرکز بن گیا مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل اور دینی حمیت میں خاصا ضعف آگیا اور ہر طرف مذہبی مناظروں اور مجادلوں کا بازار گرم ہو گیا۔ مشائخ تونسوی کا زمانہ چونکہ چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) تک ممتد ہے اس لیے چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) کے معاشرتی حالات کا خلاصہ بھی پیش کیا جاتا ہے چودھویں صدی ہجری مغربی تہذیب وتمدن اور مغربی علوم وافکار کی انتہائی ترقی کا زمانہ ہے۔ اس صدی میں تمام اسلامی ممالک ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا رہے ہیں جسکو ہم اسلامی افکار واقدار اور مغربی افکار و اقدار کی کشمکش سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

مغربی علوم وافکار کا تصادم اسلامی علوم وافکار سے اس لیے ہے کہ کارگاہ حیات سے قدیم

۱۔ لارڈ میکالے، لارڈ بنٹینگ کے زمانۂ حکومت (۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء — ۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۵ء) میں گورنر جنرل کی کونسل کا ممبر قانون بنا کر ہندوستان بھیجا گیا اسی کی رپورٹ پر کمپنی کی حکومت نے یہ تجویز منظور کی کہ ہمارا تعلیمی مقصد دیسی باشندوں میں یورپ کے علوم کی اشاعت ہونا چاہیے۔ (تاریخ مسلمانانِ پاک و بھارت جلد دوم تالیف سید ہاشمی فرید آبادی مطبوعہ کراچی ۱۹۵۳ء ص ۲۵۰)

۲۔ قادیانیت، ص ۹۲

مذاہب کی کنارہ کشی کے بعد صرف اسلام ہی دینی و اخلاقی دعوت کا علمبردار اور معاشرۂ انسانی کا واحد نگران و محتسب رہ گیا ہے۔ اور دنیا کے ایک بڑے حصے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ مادی اور میکانکی تہذیب کے چیلنج کا رخ بہ نسبت کسی دوسری قوم اور معاشرہ کے زیادہ تر عالم اسلام ہی کی طرف رہا ہے۔ اس تہذیب کے متعلق علامہ اقبال (م ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء) مثنوی "پس چہ باید کرد" میں فرماتے ہیں۔

لیکن از تہذیب لادینی گریز	زاں کہ او با اہل حق دارد ستیز
فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد	لات و عزّیٰ در حرم باز آورد
از فسونش دیدۂ دل نابصیر	روح از بے آبی او تشنہ میر
لذت بے تابی از دل می برد	بلکہ دل زیں پیکر گل می برد" ۱

یہ تہذیب جدید اپنی وسیع شکل میں عقائد و خیالات، فکری نظاموں، سیاسی فلسفوں اور میکانکی اور سائنسی علوم و تجربات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں ناقص اجزا بھی ہیں اور مکمل بھی، مضر بھی اور مفید بھی، صحیح بھی اور غلط بھی، لہٰذا اس دور کے سربراہوں، رہنماؤں اور مفکروں، علماء اور مشائخ کی ذمہ داری ہے اور ان کا امتحان ہے کہ وہ کس طرح اس کشمکش میں اسلام اور اسلامی تہذیب کو دنیا میں غالب کر کے مادہ پرست اور مضطرب دنیا کو سکون و طمانینت کی دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔

۱۔ (مثنوی) پس چہ باید کرد ص ۴۱۔

بابِ ہفتم

خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ اور انکے خلفا کی دینی اور علمی خدمات

فصل اوّل

دینی خدمات

ان سیاسی اور معاشرتی حالات میں جن کا ذکر باب ششم میں کیا جا چکا ہے، دین اسلام کی خدمت کے سلسلے میں خواجہ محمد سلیمان ؒ اور ان کے خلفا نے دو صدیوں تک سابق مغربی پاکستان میں جو کام کیا اس کی تفصیل اس باب میں بیان کی گئی ہے۔

جیسا کہ باب ششم میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ دور برعظیم پاک و ہند کے لیے سخت ابتری کا دور تھا مغل حکومت ختم ہو رہی تھی، سکھا شاہی نے اودھم مچا رکھا تھا، اور آخر میں انگریز آکر مسلط ہو گئے تھے۔

جب کسی قوم کی حکومت و سلطنت جاتی رہتی ہے۔ تو اس قوم کے اخلاق و اطوار بگڑ جاتے ہیں اس کا اجتماعی شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اور پست ہمتی اور یاس و قنوطیت کے عمیق گڑھے میں گر جاتی ہے اس قسم کے حالات میں ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کہ کوئی جلیل القدر شخصیت پیدا ہو، جو اپنے یقین محکم، عزم بلند اور عمل پیہم سے قوم کے مردہ قالب میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دے۔

بارھویں صدی ہجری میں برعظیم پاک و ہند کے مرکز دہلی میں اگرچہ کئی مصلح پیدا ہوتے جن میں سے حضرت شاہ ولی اللہ[1] (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء) مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء) اور مولانا خواجہ فخر الدین[2] (م ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۴ء) بہت مشہور ہیں۔ انہوں نے اور انکے خلفا نے مغل سلطنت کے انحطاط

۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے حالات کے ملاحظہ ہو۔ مقالہ ہذا کا باب دوم فصل دوم ص

۲۔ خواجہ فخر الدین کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ مقالہ ہذا کا باب اول فصل دوم۔ ص

دِ تنزل کے دَور میں کتاب وسُنّت کی شمع کو روشن رکھا۔ اور مسلم معاشرے کی اصلاح و تربیت کرتے رہے، حضرت شاہ وَلی اللہؒ نے نہایت مفید اور اہم کتابیں بھی تصنیف کیں، جو اسرارِ علوم دین، مصالح احکام دین، اصلاح معاشرت، تنظیم معیشت و سیاست غرض دین و دنیا کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی کرنے والی ہیں۔ لیکن ان حضرات کے اثرات زیادہ تر پایۂ تخت دہلی تک محدود رہے اور شاہ ولی اللہؒ کی مجتہدانہ کتابیں ایک عرصہ تک ملک میں عام طور پر شائع نہ ہوسکیں اس لیے برعظیم کے شمال مغربی علاقے میں ان حضرات کی آواز نہ پہنچ سکی۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی

بارہویں صدی ہجری اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں برعظیم کے شمال مغربی علاقے میں ایک عظیم مصلح، حضرت خواجہ محمد سلیمان ۱۱۸۵ / ۱۷۷۰ پیدا ہوئے جو مولانا خواجہ فخرالدین دہلوی کے خلیفہ خواجہ نور محمد مہاروی[1] کے تربیت یافتہ تھے تیرھویں صدی کی ابتدا میں ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ء میں وسط ہند میں رائے بریلی (اودھ) میں سید احمد شہیدؒ پیدا ہوئے جو خاندان ولی اللہی کے تربیت یافتہ تھے۔ اور جنہوں نے مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو جہاد اور تیغ وسنان کے ذریعہ حاصل کرنا چاہا اور لشکر مجاہدین کے ساتھ اسی حصہ شمال مغربی ہند میں ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء تک مصروفِ عمل رہے۔ شہادت کا درجہ تو پایا، لیکن اصل مقصد پورا نہ ہوا۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے گرد وپیش کے حالات کا جائزہ لے کر اپنا دوسرا پروگرام بنایا آپ متقدمین مشائخ چشت کے نقش قدم پر چل کر قوم کی روحانی و اخلاقی اصلاح کرنے میں مصروف ہو گئے آپ کے نزدیک اس وقت سب سے زیادہ اہم کام اسلامی شعائر کو زندہ کرنے کا تھا۔ اس لیے کہ آپ کے نزدیک مسلمانوں کا زوال اسلامی شعائر سے بیگانگی کا نتیجہ تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے :-

"دریں زمان چون مسلمانان متابعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ترک کردہ اند حق تعالیٰ کفار را برایشان مسلط کردہ است"[2]

اس زمانہ میں چونکہ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ترک کر دی ہے اسلیے حق تعالیٰ نے ان پر کافروں کو مسلط کر دیا ہے۔

۱۔ خواجہ نور محمد مہاروی کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ ہذا کا باب اول فصل دوم، ص

۲۔ نافع السالکین ص ۵، ص ۱۰۹۔

چنانچہ آپ سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کش ہوکر توکلاً علی اللہ درس و تدریس اور تبلیغ و ترویج دین میں مصروف رہے۔ اور زندگی کے باسٹھ سال اسی فریضہ کی ادائیگی میں صرف کئے اور اپنے بلند اخلاق اور پاکیزہ زندگی کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے جانشینان اور خلفا کی دینی خدمات

خواجہ محمد سلیمان

تونسویؒ کی وفات ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء کے چند سال بعد ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں نے انگریز کے خلاف جنگِ آزادی کا ہنگامہ برپا کیا جس میں ناکامی ہوئی اور انگریزی حکومت کا ملک پر پورا تسلط ہو گیا۔

ہندوستانی مسلمان اس وقت زخم خوردہ، مضمحل اور شکستہ خاطر تھے، دوسری طرف ان کو نئے فاتح کا رُعب، نئے حالات کی دہشت، ناکامی کی شرم اور مختلف شکوک و شبہات کا سامنا تھا۔ انگریزی حکومت اپنے ساتھ جدید علوم اور جدید تہذیب لائی تھی۔ دوسری طرف عیسائی پادری عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف تھے۔ ان پیچیدہ اور نازک حالات میں دو قسم کی قیادتیں ابھر کر سامنے آئیں۔

(۱) پہلی قیادت دینی قیادت تھی جس کے علمبردار علما و مشائخ تھے۔

(۲) دوسری قیادت کے علمبردار سرسید احمد خاںؒ (م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء) تھے اُنکے حلقہ بگوش جدید مکتبِ خیال کے لوگ تھے جن کا ذکر باب ششم میں کیا جا چکا ہے۔

پہلی قیادت (علما و مشائخ کی قیادت) کی دو شاخیں تھیں:۔

(ا) سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشائخ یعنی خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ، ان کے جانشینان و خلفا جنہوں نے مغربی پاکستان میں دینی خدمات انجام دیں۔

(ب) سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشائخ یعنی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء) کے خلفا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ جنہوں نے ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔

نئے حالات میں علما و مشائخ کی دونوں شاخوں نے اقدام کے بجائے دفاعی پوزیشن اختیار

کی، انہوں نے اس کی فکر کی کہ دینی جذبہ، اسلامی رُوح، اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے جتنے بچے کھچے آثار باقی رہ گئے ہیں۔ ان کو محفوظ کیا جائے۔ اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے لیے قلعہ بندیاں کر لی جائیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا دونوں شاخوں کے بزرگوں نے پاک و ہند میں ایک طرف جگہ جگہ دینی مدارس قائم کئے، جن میں ہزاروں مسلمانوں نے اسلامی علوم کی تحصیل کی اور مسلمانوں میں دین کی محبت، شریعت کا احترام اور استقامت پیدا کی پہلی شاخ کی علمی خدمات کی تفصیل فصل دوم میں پیش کی گئی ہے۔[1] دوسری شاخ کی خدمات کا مختصر ذکر باب ششم میں پیش کیا گیا ہے۔[2] چونکہ ہمارے موضوع کا تعلق پہلی قیادت کی پہلی شاخ یعنی مشائخ تونسوی سے ہے اس لیے ذیل میں ان کی دینی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ردِ عیسائیت برِ عظیم پاک و ہند میں برطانوی عہد اقتدار کے ساتھ ساتھ عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی تھی، اور جگہ جگہ مناظروں کا بازار گرم ہو گیا تھا۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ کے خلیفہ مولانا محمد حیات پنجابی، دہلی سے آپ کی خدمت میں تونسہ شریف حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"بسیار مسلمانان را فرنگیان از دینِ محمدی برگردانیدہ از ایمان خارج کردہ اند کہ ایشاں دینِ مسیحا از جہت صحبت اختیار کردہ اند۔"[3]

بہت سے مسلمانوں کو انگریزوں نے دینِ محمدی سے برگشتہ کر کے بے ایمان کر دیا ہے کیونکہ ان لوگوں نے انگریزوں کی صحبت اختیار کر کے دینِ عیسوی اختیار کر لیا ہے۔

آپ کو یہ سن کر افسوس ہوا اور فرمایا۔

"بہ گرسنگی مردن بہ کہ در صحبتِ بدمذہباں نعیم یافتن کہ در چنیں صحبت زوالِ ایمان باشد۔"[4]

بھوک سے مر جانا اس سے بہتر ہے کہ بدمذہبوں کی صحبت میں رہ کر نعمتیں حاصل کی جائیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی صحبت میں ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

۱۔ رجوع کنید باب ہفتم فصل دوم۔
۲۔ رجوع کنید بہ باب ششم فصل اول ص ۲۷۳
۳۔ نافع السالکین ص ۱۹۔
۴۔ نافع السالکین ، ص ۱۹

آپ کے ورودِ دل نے اثر کیا. اور آپ کے خلیفہ مولانا محمد حیات پنجابی ثم دہلوی[1] کے فیضِ صحبت سے ایک ایسا شخص وجود میں آیا جس نے اپنی تقریر اور تحریر سے عیسائی پادریوں کو لاجواب کر دیا. یہ بزرگ مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء) تھے جنہوں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) کے ہمراہ عیسائی پادریوں کے ساتھ جگہ جگہ مناظرے کیے اور ان کو لاجواب کر دیا۔

۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء میں آگرہ کے مقام پر ایک عظیم الشان مناظرہ ہوا جس میں مولانا رحمت اللہ صاحب نے جرمنی پادری کارل فنڈر کو اس طرح لاجواب کیا. کہ وہ بے چارا ہندوستان چھوڑ کر ترکی چلا گیا[2] جب اس نے ترکی میں بھی مناظرہ بازی شروع کی. تو سلطان ترکی عبدالعزیز خان (۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء — ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء) اور صدر اعظم خیر الدین پاشا کی خواہش اور تحریک پر مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے رد عیسائیت میں دو کتابیں "اظہار الحق" اور "ازالۃ الاوہام" کے نام سے تصنیف کیں، جن کا ترکی، فارسی اور یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوا. یہ کتابیں اس موضوع پر حرف آخر سمجھی گئیں. اور ترکی، مصر اور شام کے علما نے اس موضوع کے طالب علموں اور مناظرین کو انہی کے مطالعہ کا مشورہ دیا[3] ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء میں جب "اظہار الحق" کا انگریزی میں ترجمہ شائع ہوا. تو لندن کے مشہور اخبار "ٹائمز آف لندن" نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اگر لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہے تو دنیا میں عیسائیت کی ترقی بند ہو جائے گی۔[4] مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ

۱۔ مولانا محمد حیات دہلی کے مشہور علما میں سے تھے. آپ کے اجداد پنجاب کے رہنے والے تھے. آپ تحصیلِ علم کے لیے دہلی گئے. اور حصولِ علم کے بعد دہلی ہی میں سید صابرؒ کے زاویہ میں مقیم ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے پھر تونسہ شریف حاضر ہو کر خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے دہلی لوٹ گئے. وہاں پر ایک مسجد میں مقیم ہو کر درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء میں وہ ستر سال سے متجاوز ہو چکے تھے. انکے تلامذہ میں شیخ عبدالرحمٰن مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور شیخ محمد علی چاندپوری مشہور ہیں. (نزہتہ الخواطر ص ۱۵۰)

۲۔ حیاتِ امداد ص ۸۲ و بیس بڑے مسلمان ص ۱۳۰۔ ۳۔ ہندوستانی مسلمان ص ۵۰ و بیس بڑے مسلمان ص ۱۳۱.

۴۔ بیس بڑے مسلمان ص ۱۳۱.

اور بھی متعدد کتابیں عیسائیت کے رد میں تصنیف کیں۔[1]

رد قادیانیت مرزا غلام احمد قادیانی (م ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) نے جب ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں نبوت کا دعویٰ کر کے امت مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کیا۔ اور مناظروں اور مجادلوں کا ایک نیا فتنہ کھڑا کیا[2]۔ تو برعظیم پاک و ہند کے دوسرے علما کے ساتھ ساتھ مشائخ تونسوی نے بھی اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کی پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:۔

"مرزا غلام احمد قادیانی نے اس وقت اپنے عقائد کی ترویج شروع کی اور اکثر علما کو مباحثہ کی دعوت دی، خواجہ (اللہ بخشؒ) صاحب نے اپنی جگہ بیٹھ کر نہایت سختی کے ساتھ ان فتنوں کی تردید کی اور کوشش کی کہ مسلمانوں کا مذہبی احساس اور وجدان گمراہ تحریکوں سے متاثر نہ ہو"[3]

خواجہ ضیاء الدین سیالوی (م ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء) نے مرزا غلام احمد قادیانی کے عقاید کے رد میں ایک کتاب "معیار المسیح"[4] کے نام سے اور مولانا احمد الہٰی (م ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء) نے قادیانیت کی تردید میں پنجابی نظم میں ایک کتاب "صداقت نامہ" کے نام سے لکھ کر شائع کیں[5]۔

خواجہ محمد الدین سیالویؒ (م ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء) کے مرید مولوی کرم الدین دبیر (م ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء) نے مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ متعدد مناظرے کئے، مرزا صاحب نے علما و مشائخ اسلام کے متعلق اپنی کتابوں اور اشتہاروں میں جو نازیبا اور ہتک آمیز جملے استعمال کئے، ان کی بنا پر مولوی کرم الدین صاحب نے مرزا غلام احمد پر ڈسٹرکٹ کورٹ گورداسپور میں مقدمہ دائر کیا۔ جس میں مرزا صاحب کو پانچ سو روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ قید کی سزا ہوئی لیکن اپیل میں بری ہو گئے[6]۔

۱۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں:
(۱) ازالۃ الشکوک (۲) تقلیب المطاعن (۳) معدل اعوجاج المیزان (۴) اعجاز عیسوی۔ (مرأۃ الیقین تالیف سید محمد علی مونگیری مطبوعہ مونگیر ۱۳۲۹ھ۔ ص ۱)
۲۔ قادیانیت ص ۸۹۔
۳۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۷۲۲
۴۔ انوار شمسیہ ص ۲۲۶
۵۔ صداقت نامہ ص
۶۔ آفتاب ہدایت ص ۱۳۔

مولوی کرم الدین صاحب نے مرزا صاحب کی تردید میں ایک کتاب "تازیانۂ عبرت" کے نام سے لکھی۔ اس میں مقدمہ مذکورہ بالا کی پوری تفصیل بھی بیان کر دی ہے![1]

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ کام پیر مہر علی شاہ گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء) نے کیا۔ مرزا غلام احمد کی تردید کے لیے آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) نے آمادہ کیا تھا۔ آپ خود فرماتے تھے:-

"در مکہ معظمہ با حاجی امداد اللہ صاحب ملاقات حاصل گشت و ایشان صاحب کشف صحیح بودہ اند، ہر گاہ روشِ مزاج ما معلوم کردند کہ بسیار آزاد مزاج آدمی است، بہ اصرار تمام و بہ تاکید اکید فرمودند کہ در ہندوستان عنقریب یک فتنہ ظہور کند، شما ضرور در ملک خویش واپس بروید و اگر بالفرض شما در ہند خاموش نشستہ باشید تاہم آں فتنہ ترقی نہ کند و در ملک آرام ظاہر شود پس ما در یقین خویش وقوع کشف حاجی صاحب را بہ فتنۂ قادیانی تعبیر می کنیم"[2]

مکہ معظمہ میں حاجی امداد اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، اور ان کا کشف صحیح ہوا کرتا تھا۔ جب انکو ہمارے مزاج کا علم ہوا کہ یہ بہت آزاد مزاج آدمی ہے، تو بڑے اصرار اور تاکید سے فرمایا کہ عنقریب ہندوستان میں ایک فتنہ ظاہر ہوگا، تم ضرور اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ۔ اگر بالفرض تم ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی وہ فتنہ ترقی نہیں کرے گا اور ملک میں سکون رہے گا۔ لہٰذا ہم اپنے یقین سے حضرت حاجی صاحب کے اس کشف کے وقوع کو فتنۂ قادیانی سے تعبیر کرتے ہیں

چنانچہ آپ نے زبان و قلم دونوں سے اس فتنہ کے استیصال میں حصہ لیا، مرزا صاحب کی تردید میں "سیف چشتیائی" اور "شمس الہدایت" جیسی مدلل کتابیں تصنیف فرمائیں جسکی وجہ سے بہت لوگ اس گمراہ کن تحریک سے بچ گئے۔

جولائی ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں مرزا غلام احمد نے آپ کو تحریری اور تقریری مناظرہ کی دعوت دی۔ آپ نے منظور کیا۔ اور پشاور، ہزارہ، جہلم، گجرات، میانوالی، ملتان اور بہاولپور کے پچاس علما کے ہمراہ لاہور پہنچ کر مرزا صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ مگر مرزا صاحب کو مقابلہ میں آنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اور وہ

۱۔ آفتاب ہدایت ص ۳۶۱۔ ۲۔ ملفوظات طیبات ص ۱۲۶۔

قادیان ہی سے باہر نہیں نکلے آپ کے ہمراہی علماء نے شاہی مسجد لاہور میں کئی روز تک ردِ مرزائیت میں تقریریں کیں[1]

آپ کی انہی خدمات کے پیشِ نظر آپ کے مرید سید عطاء اللہ شاہ بخاری (م ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) فرمایا کرتے تھے:۔

"مرزا غلام احمد کی تردید میں حضرت (پیر مہر علی شاہ) کی خدمات ہم سب کے لیے سرمایۂ فخر ہیں"[2]

اسی طرح خود سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے مرزائیت کی تردید میں بڑا کام کیا۔ آپ نے اپنی بے مثال خطابت اور فصاحت لسانی سے کام لے کر اور برِ عظیم کے مختلف علاقوں میں جا کر انگریزی استعمار کیساتھ ساتھ مرزائیت کی بھی خبر لی۔ اور اس سلسلہ میں قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں۔[3]

فصل دوم

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور انکے خلفا کی علمی خدمات

گزشتہ دو صدیوں میں سیاسی ابتری اور معاشرتی پراگندگی کے حالات میں اسلامی روح اور اسلامی ثقافت کو محفوظ کرنے کا سب سے زیادہ مفید اور مؤثر ذریعہ اسلامی علوم کا احیا اور دینی مدارس کا اجرا تھا چنانچہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے تونسہ شریف میں ایک بڑی درسگاہ قائم کی جس میں سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے علم دین حاصل کر کے جگہ جگہ تبلیغ و اشاعت اسلام کی۔ تونسہ کا غیر معروف اور علم و معرفت سے محروم علاقہ علم و عرفان کا مرکز بن گیا یہاں تک کہ اس نورِ علم و معرفت کی کرنیں سابق مغربی پاکستان سے باہر کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئیں۔

مصنف "خاتم سلیمانی" لکھتے ہیں:۔

۱۔ رسالہ سلسبیل لاہور ص ۳۵۔ ۲۔ بیس بڑے مسلمان ص ۸۶۵

۳۔ بیس بڑے مسلمان ص ۸۶۷۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے حالات کیلئے دیکھیے "بیس بڑے مسلمان" ص ،

"اس نقارہ کی آواز پنجاب، ممالک متحدہ، راجپوتانہ سے گزر کر جزیرہ سراندیپ اور عدن تک پہنچی اور افغانستان، بلوچستان، ترکستان سب اس نقارہ کی آواز سے چونک اٹھے اور ہزاروں طالبانِ حق سینکڑوں کوس طے کر کے تحصیل فیض کے واسطے سنگھڑ پہنچے یہ نام ہی کچھ غیر موزوں تھا مگر ؎

آہن کہ بہ پارس آشنا شد | فی الحال بہ صورتِ طلا شد"[1]

خواجہ محمد سلیمان تونسوی اپنے مریدین اور متعلقین کو حصول علم کی ترغیب دیتے ہوئے اکثر یہ دلچسپ تمثیل بیان فرمایا کرتے۔

" فرمودند کہ وقتِ شام جمیع شیاطین پیش ابلیس می آیند، از ہر یک می پرسد کہ شما امروز چہ کارہا کردید، یکی گوید کہ دزدی کنانیدم، دیگری گوید خمر خورانیدم، و ہر یک از معصیتی کہ بر آں مستعد می کند، بیان کند، چون یکی از انہا گوید کہ طفلی را من از علم خواندن باز داشتم ابلیس خوش شدہ اورا درکنار خود می گیرد کہ تو خوب کار کردہ کہ اورا از علم خواندن محروم ساختی۔"[2]

فرمایا کہ شام کے وقت تمام چھوٹے شیاطین ابلیس کے پاس آتے ہیں اور وہ ہر ایک سے پوچھتا ہے کہ آج تم نے کیا کام کیا ہے۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ میں نے چوری کروائی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں نے شراب پلائی ہے اسی طرح ہر ایک گناہ کا ذکر کرتا ہے جس پر لوگوں کو اکسایا گیا ہوتا ہے۔ جب ان میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے ایک لڑکے کو علم پڑھنے سے باز رکھا ہے۔ تو ابلیس خوش ہو کر اسے بغل میں لے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے بہت اچھا کام کیا جو اسے علم پڑھنے سے محروم کیا۔

بنائے مدارس چنانچہ آپ نے اور آپ کے خلفا نے اپنی خانقاہوں کیساتھ دینی مدارس

۱۔ خاتم سلیمانی ص ۹ ۔

۲۔ نافع السالکین ص ۱۶۔

جاری کئے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ تونسہ شریف

حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ جب کوہ گڑ کوچی سے اُتر کر ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء میں تونسہ شریف آکر مقیم ہوئے اور آپ کو جمعیت نصیب ہوئی اور دور دراز سے علما اور فقرا آپ کی خدمت میں آکر مقیم ہوتے تو آپ نے سب سے پہلا کام اجراء مدارس کا کیا۔ تونسہ شریف میں آپ نے اپنی سرپرستی میں متعدد مدارس قائم کئے جن کی تفصیل مسٹر ایچ ایف فارس ڈسٹرکٹ جج ملتان کے فیصلہ (مقدمہ تونسہ) کے ایک اقتباس سے معلوم ہوتی ہے مسٹر فارس لکھتے ہیں:۔

"انہوں نے (یعنی خواجہ محمد سلیمانؒ) نے اغراض مذہبی کے لیے مدارس جاری کئے اور وہ لوگ جو زیارت کیلئے اور مرید بننے کے لیے آتے تھے۔ ان کو مذہبی تعلیم دیتے تھے۔ اور ان کے لیے سہولیتیں مہیا کرتے تھے۔ یہ تمام کارروائی زیرِ نگرانی شاہ محمد سلیمان صاحبؒ ہوتی تھی امداد کنندگان ان کے خلفا تھے ..... بڑے بڑے خلفا کے نام سے اب تک وہ مکانات جو مسجد کے ارد گرد ہیں، موسوم ہیں گو اصلی مکانات سب شہید ہو چکے ہیں۔ احمد یہ بیان کرتا ہے۔ کہ خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کے مکانات بنانے سے پہلے یہ زمین خالی تھی۔ اور وہاں فقیروں کی جھنگیاں (جھونپڑیاں) تھیں۔ کھڈی بنگلہ، محمد علی شاہ کا بنگلہ اور بہت سے ناموں سے مکانات نامزد ہیں مثلاً مدرسہ مولوی محمد عمر مولوی احمد صاحب کا بنگلہ، مدرسہ مولوی الٰہی بخش یہ تمام صاحب خواجہ سلیمان صاحبؒ کے خلفا تھے پھر ملاحظہ ہو بیان نور محمد کا وہ یہ کہتا ہے۔ کہ میرا دادا یہاں آیا۔ اور پندرہ سال خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ اور پندرہ سال خواجہ اللہ بخش صاحب کی خدمت کرتا رہا۔ اس کو مولوی شیخ احمد کہتے تھے۔ اس کا ایک مدرسہ تھا اس نے مجھے بتایا کہ خواجہ محمد سلیمان صاحب کے زمانہ میں پچاس اُستاد تھے۔ ان کے مکانات تھے خواجہ صاحب کے لنگر سے ان کو کھانا ملتا تھا"[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کھڈی بنگلہ، مولوی احمد کا بنگلہ مدرسہ مولوی الٰہی بخش، مولوی شیخ احمد کا مدرسہ، یہ سب درس و تدریس کے الگ الگ حلقے تھے اور مجموعی طور پر پچاس اُستاد وہاں رہتے تھے۔ طلبہ اور اساتذہ سب کو خواجہ صاحب کے

۱۔ ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی ص ۱۱، ۱۲۔

لنگر سے کھانا ملتا تھا صرف طلبہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار تک تھی![1] تونسہ شریف جیسی بستی میں پچاس اساتذہ کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ تونسہ شریف اس علاقہ کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا۔ اور دُور دُور سے شائقین علم وہاں جمع ہو کر علم دین حاصل کرتے تھے۔ آپ کے دَور کے چند مشہور علما کے اسما گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مولانا احمد تونسوی (۲) مولانا محمد عابد سوکڑی۔

(۳) مولانا محمد حسین پیشاوری (۴) مولانا محمد عمر صاحب۔

(۵) مولانا خدا بخش صابر (۶) مولانا احمد یار پاک پٹنی

(۷) مولانا امام الدین پاک پٹنی (۸) مولانا شیخ احمد۔

(۹) مولوی الٰہی بخش (۱۰) مولوی خدا بخش بغلانی۔[2]

اس مرکز کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہاں تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ طلبہ سے کسی قسم کی فیس نہیں لی جاتی تھی بلکہ کھانے اور کپڑوں کے ساتھ کتابیں بھی مفت مہیا کی جاتی تھیں، مصنف مناقب سلیمانی لکھتے ہیں:۔

"چندیں از علما نامدار و از فضلای ذوی الاقتدار کہ مستفیض از حاشیہ نشینان بساط فیض مناط اند، ارشاد فیض رشاد حضرت خواجہ بہ تعلیم علوم شریفہ و فنون لطیفہ است، پس صدہا طالب علم بہ خاص تونسہ شریف زیر دامن عاطفت حضرت آمدہ و از حوائج خود فارغ البال بودہ تحصیل مطالب ارجمند و اکتساب مآرب بلند می نمایند، زیرا کہ کتب تحصیل از آنحضرت خواجہ عطا شدہ اند و برائی طالب علمان روغن تلخ جہت مطالعہ کتب مقرر است"[3]

ان مدارس کی دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ شخصی ادارے ہونے کے باعث ان کے سرپرست کا کردار ان پر اثر انداز ہوتا تھا۔ چونکہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور آپ کے خلفا کا کردار بلند تھا اور انکے قائم کردہ مدارس کا تعلیمی اخلاقی تہذیبی اور معاشرتی معیار بھی بلند تھا۔ ان مدارس میں صرف اعلیٰ تعلیم ہی

۱۔ سیرت سلیمان ص ۱۵۴۔ ۲۔ ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی ص ۱۱، ۱۲

〃 〃 〃 〃 ۱۶۸ تا ۱۸۴ دخائر سلیمانی ص ۴۴

۳۔ مناقب سلیمانی ص ۴۴

نہیں ہوتی تھی بلکہ اعلیٰ درجہ کی تربیت بھی ہوتی تھی۔ یہی وہ کشش تھی جو اسلامی ممالک کے دور دراز گوشوں سے طالبانِ علم کو کھینچ کر ان مرکزوں میں لے آتی تھی۔ فیض اللہ خان قصوری لکھتے ہیں :۔

"جب حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسہ میں مقیم ہوئے تب تونسہ "تونسہ شریف" کہلانے لگا اور آبادی اس جگہ رفتہ رفتہ بڑھنی شروع ہوئی۔ دور دراز سے لوگ ہجوم در ہجوم حاضر بحضور خواجہ شاہ سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہونے لگے۔ پنجاب، ہندوستان، بلوچستان، کشمیر، قندہار، عرب، فارس، افغانستان جمیع اطراف سے لوگوں کا ورود ہونے لگا۔ عربی، فارسی، حدیث، تفسیر، فقہ، سائنس (قدیم) فلسفہ اور ہندسہ وغیرہ کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر دی جانے لگی۔ مشہور و معروف علما دور دراز سے آکر اس جگہ مقیم ہوتے اور بڑی بھاری درسگاہ تونسہ میں قائم ہو گئی۔ ہر دو تعلیم ظاہری و باطنی دی جاتی تھی۔ حضرت خواجہ شاہ سلیمان صاحب نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر فرمایا کرتے تھے، اور ان کے دربار فیض و وقار میں امیر و فقیر ہر دو کے ساتھ یکساں سلوک برتا جاتا تھا۔ آپ شریعت کے عامل اور احکام محمدی کے پابند تھے۔"[1] حضرت خواجہ محمد سلیمان خود بھی اپنے خلفا اور علما کو تصوف کی کتابوں کا درس دیتے تھے، خواجہ شمس الدین سیالوی فرماتے تھے :

"بست و سہ فضلا کامل در تونسہ شریف تدریس می کردند و بست یا زیادہ سبق نزدیک ہر یک خواندہ می شد و دیگر علماء نامدار از اطراف مشرق و مغرب و جنوب و شمال بیشتر می آمدند، آنگاہ فرمود کتب توحید مثل لوائح و لمعات در بغل داشتہ بحضور حضرت حاضر شدمی، چون نظر مبارک بر من افتادی بہ اشارہ دستِ مبارک نزد خود خواندہ سبق تعلیم نمودے۔"[2]

تئیس کامل فضلا تونسہ شریف میں پڑھایا کرتے تھے اور ہر ایک استاد کے پاس بیس یا اس سے زیادہ اسباق ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے مشہور علما ملک کے ہر چہار اطراف سے آتے اور درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ پھر خواجہ شمس الدین نے فرمایا کہ میں کتب توحید یعنی لوائح (جامی) و لمعات (عراقی) بغل میں لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا، جب مجھ پر نظر مبارک پڑتی، ہاتھ کے اشارہ سے اپنے پاس بلا کر سبق پڑھاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ تونسہ شریف کی خانقاہ، برعظیم پاک و ہند میں گذشتہ دو صدیوں میں صوفیا کی خانقاہوں

۱۔ مقدمہ تونسہ ص ۹   ۲۔ مرآۃ العاشقین ص ۲۸۔

میں ایک امتیازی درجہ رکھتی ہے۔ خانقاہ تونسہ شریف اور اس کی شاخوں میں اُب تک علوم اسلامیہ کی تدریس جاری ہے۔

انگریزوں کے تسلط کے بعد دو یورپین ماہرین تعلیم ڈاکٹر لائیٹنر اور مسٹر ایڈیم نے پنجاب اور بنگال میں تعلیم کا جائزہ لے کر رپورٹیں مرتب کیں، مسٹر ایڈیم کا بیان ہے کہ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں بنگال میں ایک لاکھ مدرسے تھے۔ اور لائیٹنر کا اندازہ پنجاب کے متعلق یہ ہے۔ کہ اُس وقت پنجاب کے اکثر اضلاع میں تعلیمی نظام برطانوی عہد سے بھی زیادہ بہتر تھا۔ یہی وہ خانقاہی مدارس تھے۔ جن کے متعلق انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی تعلیمی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور انگریز جنرل سلیمن نے لکھا ہے:۔ (سالمن[1]) "دنیا میں شاید ایسی قومیں بہت کم ہوں گی جن میں ہندوستانی مسلمانوں سے زیادہ تعلیم کا رواج ہو۔ ہر بیس روپے ماہانہ پانے والا شخص اپنے بیٹوں کو وزیر اعظم کے برابر تعلیم دلاتا ہے۔ ہمارے لڑکے جو علوم یونانی اور لاطینی زبانوں سے سیکھتے ہیں یہاں کے نوجوان وہی کچھ یعنی گرامر، بلاغت اور منطق وغیرہ عربی و فارسی کے ذریعے سے حاصل کرتے ہیں سات سال کے مطالعہ کے بعد مسلمان نوجوان علم کی ان مختلف شاخوں سے قریب قریب اتنا ہی واقف ہو جاتا ہے۔ جتنا کوئی آکسفورڈ کا تعلیم یافتہ نوجوان، یہ بھی اُسی طرح سقراط، ارسطو، بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا کے متعلق بڑی روانی سے گفتگو کر سکتا ہے[2]"

خواجہ اللہ بخش تونسوی کا دور

۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے خواجہ اللہ بخشؒ جانشین ہوئے جو باون سال یعنی اپنی وفات ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء تک مسند نشین رہے، خواجہ اللہ بخشؒ کا دور تونسہ شریف کی خانقاہ کی توسیع و ترقی کا دور ہے۔ آپ کے زمانہ میں لنگر میں بھی وسعت ہوئی اور مدارس اور علما کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ ایک اہم کام آپ نے یہ کیا کہ ضرورت زمانہ کے مطابق آپ نے قدیم کچے مکانات کی جگہ تمام مدارس اور مکانات پختہ بنوا دیے۔

مسٹر ایچ ایف فاربس ڈسٹرکٹ جج ملتان آپ کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"ان میں (خواجہ اللہ بخشؒ میں) انتظام و تعمیر کے کام کی بڑی لیاقت تھی۔ انہوں نے لنگر خانے سرائیں و مکانات وغیرہ وغیرہ بنوائے۔ جبکہ ان کے دادا (خواجہ محمد سلیمان) کے پرانے خلفا کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے

۱۔ مسلم ثقافت ص ۴۷۵ ۲۔ مسلم ثقافت ص ۴۷۵

کچے مکانات کو گرا دیا۔ اور فراخ آستانہ درگاہ و مسجدیں بنوائیں اور ان کے ارد گرد پختہ اینٹوں کے مدرسے اور درویشوں اور مولویوں کی رہائش کے لیے مکانات بنوائے[1]

فیض اللہ خان وکیل قصوری لکھتے ہیں:

"آپ (خواجہ اللہ بخشؒ) ایک قابل، لائق، ذی عقل و فہم، دانائے زمان مشہور و معروف بزرگ ہو گزرے ہیں آپ کی شہرت آپ کے دادا بزرگوار سے بھی بڑھ گئی، آپ نے صنعت، حرفت زراعت و تجارت ہر شے کو ترقی دی، حکمت فلسفہ سائنس ہندسہ وغیرہ میں آپ یکتائے زمان تھے نیز آپ ایک اعلیٰ درجہ کے انجینئر بھی تھے۔ آپ کے زمانہ تجات میں مدارس دینیات کی تعداد دو چند بلکہ سہ چند ہو گئی اور لنگر شریف کو رونق مزید حاصل ہوئی[2]"

آپ کے دور کے مشہور علما کے اسما گرامی یہ ہیں:

(۱) مولانا محمد حسین صاحب پشاوری (۲) مولانا یار محمد متخلص بہ ذوقی مصنف منتخب المناقب۔

(۳) مولانا خدا بخش صاحب نبیرہ مولانا خدا بخش صاحب (۴) مولانا احمد خان بختیار مصنف تنویر القلوب۔

(۵) سید عالم شاہ (۶) حافظ صدیق صاحب[3]

خواجہ اللہ بخشؒ کے ایک مرید حافظ حبیب اللہ تونسوی نے ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں انار کلی لاہور میں ایک مدرسہ "مدرسہ تعلیم القرآن سلیمانی" کے نام سے قائم کیا جس میں سینکڑوں غریب و مسکین طلبہ کی تعلیم و تربیت کی جاتی رہی۔ اس مدرسہ کی سرپرستی اور مالی امداد خواجہ اللہ بخش صاحب اور آپ کے مریدین نوابان خاکوانی ملتان کرتے رہے ہیں حافظ حبیب اللہ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ میاں رحمت اللہ صاحب اس مدرسہ کو چلاتے رہے اور خواجہ محمود صاحب تونسوی اس کے سرپرست رہے[4]۔ یہ مدرسہ آج تک جاری ہے۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مریدین میں مولانا غلام احمد بریان خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے دہلی میں اپنا مطبع "مسلم پریس دہلی" قائم کیا اور جس میں مشاہیر مشائخ چشت کے ملفوظات و حالات کو شائع کیا

۱۔ ترجمہ فیصلہ دیوانی ص ۱۲۔ ۲۔ مقدمہ تونسہ شریف ص ۹

۳۔ خاتم سلیمانی ص ۹ تا ۳۹ و ص ۳۹۔

۴۔ " " " ۸ و ۱۳۵

اس طرح بہت سی ایسی کتابوں کو محفوظ کر دیا جو اگر اس وقت طبع نہ ہوتیں تو ضائع ہو جاتیں!

خواجہ محمود تونسوی اور خواجہ نظام الدین تونسوی کا دور

خواجہ اللہ بخش کی وفات ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادہ حافظ محمد موسیٰ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے پانچ سالہ دورِ سجادہ نشینی میں کام بدستور چلتا رہا ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔

ان کے بعد خواجہ اللہ بخش کے دوسرے صاحبزادہ خواجہ محمود صاحب اور حافظ محمد موسیٰ کے صاحبزادہ خواجہ حامد صاحب نے کام سنبھالا۔ البتہ دینی مدارس کی سرپرستی اور توسیع کے فرائض کی ذمہ داری خواجہ محمود صاحب نے قبول فرمائی۔

خواجہ محمود صاحب نے اپنے دورِ سجادہ نشینی (۱۳۰۹ھ / ۱۹۰۱ — ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء) میں تونسہ شریف کے چھوٹے چھوٹے مدارس کو ضم کر کے ایک بڑا عالیشان مدرسہ قائم کیا جس کا نام مدرسہ محمودیہ ہے۔ خواجہ محمود صاحب نے اپنی ذاتی جائداد میں سے (جو آپ کو نوابان ملتان کے ننہالی ورثہ سے ملی تھی) ساڑھے بارہ مربعہ نہری اور زرخیز زمین واقع موضع مقبول واہ ضلع ملتان مدرسہ محمودیہ کے لیے وقف کر دی۔ آپ نے اس مدرسہ کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی قائم کیا۔ اور ایک نئی عالیشان مسجد تعمیر کروائی۔ اس مدرسہ کے پہلے مہتمم اور صدر مدرس مولانا علی گوہر تھے جن کی زیر نگرانی بہت سے جید علما مدرسہ میں تعلیم دیتے تھے۔ چند مشہور علما کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:-

(۱) مولوی محمد یار خان (۲) مولوی غلام علی خان (۳) مولوی عبدالقادر صاحب۔
(۴) مولوی عبدالرحیم (۵) مولوی صالح محمد (۶) مولوی در محمد۔
(۷) مولانا احمد ملغانی (۸) مولوی اللہ بخش حکیم ۔۳

خواجہ محمود صاحب کی وفات ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء کے بعد اس مدرسہ کے سرپرست آپ کے صاحبزادہ خواجہ نظام الدین صاحب رہے۔ خواجہ نظام الدین نہایت علم دوست اور علم پرور بزرگ تھے۔ اس لیے ان

۱۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۷۲۳ ۲۔ خاتم سلیمانی ص ۱۲۹ و ۱۳۱۔

۳۔ خاتم سلیمانی ص ۱۹۰ تا ۱۹۸۔

کے زمانہ میں مدرسہ نے مزید ترقی کی، آپ کے زمانہ میں صدر مدرس و مہتمم مولانا خان محمد صاحب تلمیذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ مقرر ہوئے۔ مدرسہ کے اخراجات کے لیئے خواجہ محمود صاحب کی وقف کردہ اراضی کے علاوہ خواجہ نظام الدین صاحب کے ماموں زاد بھائیوں نواب نصر اللہ خان علیزئی اور نواب فتح اللہ خان علیزئی نے اڑھائی مربعہ اراضی بنجری اور حضرت خواجہ محمود صاحب کے ماموں زاد بھائی نواب در محمد خان خاکوانی ملتانی نے دو مربعہ اراضی اپنی ذاتی جائدادوں میں سے وقف کی۔[1]

خواجہ نظام الدین صاحب کی وفات ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء کے بعد اس مدرسہ کے سرپرست آپ کے بڑے صاحبزادہ اور موجودہ سجادہ نشین خواجہ فخر الدین صاحب ہیں اور صدر مدرس و مہتمم مولانا خان محمد صاحب ہیں۔

۱۔ **مکھڈ شریف** تونسہ شریف کے علاوہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے نامور خلفاء نے جہاں جہاں بھی خانقاہیں قائم کیں وہاں بڑے پیمانہ پر دینی مدارس بھی قائم کیے مکھڈ ضلع کیمبلپور میں مولانا محمد علی نے خانقاہ کے ساتھ ایک بڑا دینی مدرسہ قائم کیا حضرت مولانا محمد علی خود بڑے متبحر عالم تھے۔ اور دور دراز کے علاقوں کابل، قندھار اور بخارا تک کے طلبہ آپکی خدمت میں تحصیل علم کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ مولانا محمد علیؒ علم معقول یعنی منطق و فلسفہ کی تدریس میں شہرۂ آفاق تھے۔ اس کے ساتھ شعر و سخن کا بھی اعلیٰ مذاق رکھتے تھے اس دور کے جید علما منطق و فلسفہ کے دقیق مسائل کے حل کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مولوی محمد الدین مکھڈی لکھتے ہیں :۔

"جب حضرت مولانا تونسہ شریف تشریف لے جاتے تو علاقہ کے علما حاضر ہوتے اور جو مقامات مشکلہ اثنائے درس میں ان کو پیش آتے وہاں (یعنی کتابوں میں) نشان رکھے ہوتے ہوتے اور حضرت سے حل کراتے۔"[2]

آپ کے علاوہ بہت سے دوسرے علما بھی مدرسہ میں تعلیم دیتے تھے۔ چند مشہور علما کے اسماء گرامی یہ ہیں :۔

(۱) مولانا محمد عابد جی۔ آپ کے جانشین اول (۲) مولانا زین الدین، آپ کے جانشین دوم۔

۱۔ مکتوب نواب فتح اللہ خان علیزئی۔ ۲۔ تذکرۃ الاولیٰ ص ۲۲، ۲۵۔

(۳) قاضی بہاؤالدین صاحب قریشی ۔ (۴) حافظ خیر اللہ صاحب ۔ (۵) مولوی کعب ظہیر اخلاصی[1]

مولانا محمد علی مکھڈی کی وفات ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء کے بعد پہلے خلیفہ محمد عابد جی جانشین ہوئے اور ان کی وفات ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء کے بعد مولانا زین الدینؒ ان کے جانشین ہوئے۔ مولانا زین الدین بھی ایک جید عالم تھے آپ کے دور ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء - ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں مدرسہ کو بہت ترقی ہوئی متعدد علما مکھڈ شریف میں مقیم ہو کر درس و تدریس میں مشغول رہے چند مشہور فضلا کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

(۱) مولانا خورشید احمد لنگڑیالی (۲) مولانا حافظ عبد القدوس ہزاروی

(۳) مولوی عبد اللہ کلیانی (۴) مولوی سلطان محمود نامی۔

(۵) مولوی غلام حسین تنولی (۶) مولوی عبد النبی مصنف تذکرۃ المجوب[2]

مولانا زین الدین کی وفات ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء کے بعد مولانا غلام محی الدین سجادہ نشین ہوئے اور مدرسہ جاری رہا۔ ان کے متعلق مولوی محمد الدین لکھتے ہیں "حضرت مولانا کا مدرسہ حضرت والد بزرگوار (مولانا غلام محی الدین) کی زندگی میں پہلے کی طرح اپنی پوری آب و تاب سے روشن رہا، دور دور سے، افغانستان، بخارا وغیرہ علاقوں سے طالب علم حاضر ہو کر اس چشمہ فیض سے بہرہ ور ہوتے رہے"۔[3]

نیز آپ نے مکھڈ شریف میں ایک وسیع کتب خانہ تعمیر کروایا اور اس میں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ادب و بلاغت، تاریخ اور نظم و نثر کی بہت سی نادر و نایاب کتب دور دور سے منگوا کر جمع کیں[4]، مسجد کو وسیع کروایا اور طلبہ اور مدرسین کی رہائش کے لیے متعدد کمرے تعمیر کروائے۔[5]

مولانا غلام محی الدین کی وفات ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء کے بعد آپ کے صاحبزادگان میں سے مولوی محمد الدین صاحب نے مکھڈ میں اپنے قدیم مدرسے کی سرپرستی جاری رکھی اور مولوی زین الدین صاحب نے ترگھ ضلع میانوالی میں دینی مدرسہ قائم کیا۔

۱۔ تذکرۃ الاولیٰ ص ۱۰۰ تا ۱۱۲

۲۔ تذکرۃ الصدیقین ص ۲تا۲۰ و ۷۹ تا ۸۲۔

۳۔ تذکرۃ الصدیقین ص ۸۹۔

۴۔ راقم السطور نے کتاب ہذا کے منابع کے لیے اس کتب خانہ سے استفادہ کیا ہے۔

۵۔ تذکرۃ الصدیقین ص ۹۱۔

سیال شریف

خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے خلفا میں سے سابق مغربی پاکستان میں سب سے زیادہ اشاعتِ سلسلہ اور اشاعتِ علم خواجہ شمس الدین سیالوی اور آپ کے خلفا نے کی۔

خواجہ شمس الدین سیالوی چھتیس سال کی عمر میں ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں جب خرقۂ خلافت حاصل کر کے سیال شریف میں مقیم ہوتے تو آپ نے اپنی سرپرستی میں ایک دینی مدرسہ بھی قائم کیا جس میں جیّد علما، تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے علاوہ فلسفہ و منطق وغیرہ علم معقول کی بھی تعلیم دیتے تھے ان علما کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

(۱) مولانا حافظ شیخ عبدالجلیل قریشی (۲) مولانا معظم الدین مرولوی۔
(۳) قاضی میاں احمد نوشہروی (۴) سید سعید احمد شاہ مؤلف مرأۃ العاشقین[۱]

خواجہ شمس الدین سیالوی کی وفات ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء کے بعد خواجہ محمد الدین سجادہ نشین ہوتے آپ کے دور میں بھی مدرسہ حسب سابق جاری رہا۔ اور مندرجہ ذیل علما مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے:۔

(۱) مولانا معظم الدین مرولوی (۲) مولانا غلام محمد للہی۔
(۳) مولانا قاضی عبدالباقی کرساوی۔ (۴) مولانا حافظ جمال الدین گھوٹوی۔[۲]

خواجہ محمد الدین کی وفات ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء کے بعد خواجہ ضیاء الدین جانشین ہوتے آپ کے زمانہ میں مدرسہ کو مزید ترقی ہوئی۔ مدرسہ کی ایک پختہ اور وسیع عمارت بنائی گئی، بلند پایہ علما کا تقرر کیا گیا۔ دور دور سے شائقین علم سیال شریف میں آکر تحصیل علم کرنے لگے۔ آپ کے دور کے علما کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ (۱) مولانا معین الدین اجمیری تلمیذ مولانا فضل حق خیرآبادی (۲) مولانا محمد حسین شہید حریت تلمیذ مولانا معین الدین اجمیری۔ (۳) مولانا سلطان محمود ساکن میانوالی۔
(۴) مولانا غلام مرشد (جو بعد میں شاہی مسجد لاہور کے خطیب رہے) (۵) مولانا حفیظ اللہ۔
(۶) مولانا محمد الدین۔[۳]

۱۔ روئیداد دارالعلوم ص ۶ ۲۔ روئیداد دارالعلوم ص ۷۔
۳۔ 〃 〃 〃 ۸۔

خواجہ ضیاء الدین کی وفات ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء کے بعد موجودہ سجادہ نشین خواجہ قمر الدین نے سیال شریف کی دینی درسگاہ کو بہت ترقی دی رجب ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء کو ایک نئی اور وسیع و فراخ عمارتِ مدرسہ و اقامتگاہ کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اور ضرورتِ زمانہ کے مطابق دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی تعلیم کا بھی اس مدرسہ میں انتظام کیا گیا ہے۔ نصاب تعلیم جزوی ترمیم کے ساتھ جامعہ عباسیہ بہاولپور کا مقرر کیا گیا ہے اور جدید علوم کے ساتھ صنعت و زراعت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس درسگاہ کا نام "ضیاء شمس الاسلام" ہے جس کے سرپرست اور مجلس انتظامیہ کے صدر خواجہ قمر الدین صاحب ہیں۔ اور ناظم اعلیٰ ان کے مرید ڈاکٹر شجاع احمد پی ایچ ڈی ہیں۔

اس دار العلوم میں اس وقت پانچ اساتذہ ہیں۔ صدر مدرس مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب ہیں[۱]

للّٰہ شریف مکھڈ شریف اور سیال شریف کے بعد تیسرا علمی حلقہ للّٰہ شریف میں قائم ہوا جو خواجہ محمد سلیمان کے خلیفہ خواجہ فیض بخش نے قائم کیا۔ بارھویں صدی ہجری کے ابتدائی دور تک برعظیم پاک و ہند میں علم حدیث کا عام چرچا نہیں تھا عام طور پر علما فقہ کی تعلیم کو انتہائی دینی تعلیم خیال کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء) اور آپ کے صاحبزادگان نے علم حدیث کی اس ملک میں عام اشاعت کی، پنجاب سے سب سے پہلے تین بزرگوں، خواجہ فیض بخش للّٰہی (م ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) مولانا غلام محی الدین بگوی (م ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء) اور مولانا احمد الدین بگوی (م ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء) نے دہلی جا کر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء) اور شاہ اسحاق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۵۶ء) کی خدمت میں علم حدیث کی تکمیل کی اور ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء میں واپس لوٹ کر پنجاب میں ہزاروں کو علم حدیث کی تعلیم دی۔ خواجہ فیض بخش نے للّٰہ ضلع جہلم میں اور مولانا غلام محی الدین اور مولانا احمد دین نے لاہور اور بھیرہ ضلع سرگودھا میں درس و تدریس کا کام کیا۔[۲]

[مذکورہ بالا تینوں بزرگ ہمعصر و ہموطن تھے للّٰہ اور بگہ میں صرف پانچ میل کا فاصلہ ہے]

خواجہ فیض بخش کے دور میں آپ کے علاوہ مندرجہ ذیل علما بھی آپکے مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔

۱۔ روئیداد دار العلوم ص ۱۴ تا ۲۰ ۲۔ تذکرۂ مشائخ بگویہ ص ۱۰۔ و تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی ص ۳۶۹۔

(۱) مولانا الٰہی بخش کنڈلوی۔ (۲) مولانا شمس الدین کنڈلوی۔

(۳) مولانا امام الدین (۴) سید عالم شاہ (۵) مولانا محمد شریف[1]

خواجہ فیض بخشؒ کی وفات ۱۲۸۷ھ / ۱۸۶۹ء کے بعد آپ کے صاحبزادہ مولانا ناصرالدین سجادہ نشین ہوئے ان کے دور میں مندرجہ ذیل علما للہ شریف میں مصروف تدریس رہے۔

(۱) مولانا محمد افضل تلمیذ خواجہ فیض بخش صاحب و مولانا محمد قاسم نانوتویؒ[2]

(۲) مولانا غلام محمد للہی [کچھ عرصہ کے بعد سیال شریف چلے گئے] (۳) مولانا عبدالعزیز۔

(۴) مولوی فضل کریم ستادھہ (۵) فقیر حافظ پہلوان صاحب[3]

مولانا ناصرالدین کی وفات ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء کے بعد مولانا فضل حسین سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے دور میں مندرجہ ذیل علما نے درس و تدریس کا کام کیا۔

(۱) مولانا حافظ احمد للہی (۲) سید عباس علی شاہ۔

(۳) مولانا غلام فرید (۴) مولانا امام الدین کندوالی (۵) مولانا قاسم نور[4]

مولانا فضل حسینؒ کی وفات ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء کے بعد آپ کے جانشین مولانا حافظ نظام الدین کی سرپرستی میں للہ شریف میں اور آپ کے دوسرے صاحبزادہ مولانا حافظ محمد اکرم کی سرپرستی میں کھیوڑہ ضلع جہلم میں مدرسہ جاری ہے۔ مولانا حافظ محمد اکرم (تلمیذ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ) کے مدرسہ کا نام "مصباح العلوم" ہے۔ جس میں دینی تعلیم دی جاتی ہے۔[4] اور للہ شریف میں صاحبزادہ محمد مسعود صاحب کار تدریس میں مشغول ہیں۔

میرا شریف

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے مرید اور خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے خلیفہ خواجہ احمد میرویؒ نے موضع میرا ضلع کیمبلپور میں اپنی خانقاہ کے ساتھ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس میں مندرجہ ذیل علما تدریس کا کام کرتے رہے:

(۱) میاں جلال الدین۔ (۲) مولوی احمد خان

۱۔ رسالہ "آئینہ" ص ۹۔ ۲۔ رسالہ "آئینہ" ص ۱۷

۳۔ " " " " ۲۰ ۴۔ " " " " ۲۱

(۳) حافظ بدر الدین۔ (۴) مولوی نور حسین۔

(۵) مولوی صالح محمد۔[۱]

خواجہ احمد صاحب کی وفات (۱۳۰۳ھ/ ۱۹۱۱ء) کے بعد مولوی احمد خان سجادہ نشین ہوئے۔ انہوں نے اپنے مدرسے کو مزید ترقی دی۔ اور طلبہ کے لئے متعدد کمرے تعمیر کروائے۔

مولوی احمد خان کی وفات (۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء) کے بعد مولوی عبداللہ صاحب سجادہ نشین کی سرپرستی میں مدرسہ جاری رہا۔ اور اس وقت اس کے صدر مدرس مولوی ریاض الدین ہیں۔[۲]

خواجہ سیالوی کے خلفا کے مدارس

خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے متعدد خلفا نے اپنی اپنی خانقاہوں کے ساتھ دینی مدارس قائم کئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ جلالپور شریف

جلالپور شریف میں سید غلام حیدر علی شاہؒ نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس میں بعض علما علوم دینیہ کی تعلیم دیتے رہے۔ یہ مدرسہ آپکے پوتے سید فضل شاہ کے زمانہ تک قائم رہا۔[۳]

ب۔ گولڑہ شریف

پیر سید مہر علی شاہ حصول خلافت کے بعد جب گولڑہ میں مقیم ہوئے۔ اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو دور دور سے طالبان علم آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اکتساب علم کرنے لگے۔ نہ صرف مبتدی طلبہ بلکہ سابق مغربی پاکستان کے علاقہ دھن، گھیبی، پھٹوار، سون، ہزارہ، سرحد، پونچھ اور کشمیر کے بہت سے علما نے بھی آپ سے علوم عالیہ اور اسرار و معارف کی تعلیم حاصل کی۔[۴] آپ کے علاوہ مندرجہ ذیل علما بھی گولڑہ شریف میں مصروف تدریس رہے۔

(۱) مولانا فقیر محمد پشاوری۔ (۲) مولانا عبدالحق صاحب۔

(۳) مولانا محمد غازی صاحب۔

پیر مہر علی شاہؒ کی وفات ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء کے بعد آپ کے صاحبزادہ اور سجادہ نشین سید غلام محی الدین

۱۔ ذکر ولی ص ۹۹۔ ۲۔ ذکر ولی ص ۹۹

۳۔ ذکر حبیب ص ۲۰۔ ۴۔ سوانح حضرت قبلہ عالم گولڑوی ص ۹۔

شاہ صاحب نے گولڑہ شریف میں ایک مدرسہ "جامعہ غوثیہ" کے نام سے جاری کیا جو آجتک جاری ہے۔ اور جس کے صدر مدرس مولانا فیض احمد صاحب ہیں![1]

پیر مہر علی شاہؒ کے ایک خلیفہ مولوی حافظ گل فقیر احمد صاحب نے پشاور میں ایک بڑا دینی مدرسہ قائم کیا[2] اور آپ کے ایک نامور مرید مولانا غلام محمد گھوٹوی، جامعہ عباسیہ بہاولپور کے صدر مدرس رہ کر عرصہ دراز تک افادہ علوم میں مشغول رہے۔[3]

ج۔ بھیرہ ضلع سرگودھا

خواجہ شمس الدین سیالوی کے ایک خلیفہ پیر امیر شاہ بھیروی (م ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) نے بھیرہ ضلع سرگودھا میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس کو ان کے جانشین پیر محمد شاہ (م ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء) نے ترقی دے کر "دارالعلوم محمدیہ غوثیہ" کا نام دیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ پیر کرم شاہ ازہری نے اس کو اور ترقی دی اور اس دارالعلوم کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔

جدید دور کے تقاضوں کے مطابق دارالعلوم کے نصاب، طریق کار، نظم و ضبط میں تبدیلیاں کی گئیں اس دارالعلوم میں عربی علوم کے ساتھ ساتھ بی اے انگریزی تک، نیز سیاسیات، معاشیات اور فلسفہ جدید پر بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ لائق اساتذہ تدریس کے لیے مقرر ہیں۔ ایک عالیشان جدید طرز کی عمارت تیار کی گئی ہے جس کے ساتھ ایک شاندار لائبریری ہے۔

اس دارالعلوم میں اس وقت دس اساتذہ کام کر رہے ہیں۔ یہاں طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی ان کی تعلیم، قیام، طعام کا انتظام دارالعلوم ہی کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔[4]

د۔ محمدی شریف ضلع جھنگ

خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مرید میاں عبدالرحمٰن صاحب کے پوتے مولانا محمد ذاکر صاحب نے، جو کہ خواجہ ضیاء الدینؒ سیالوی کے مرید و خلیفہ اور مولانا محمد انور شاہ کشمیری محدث دیوبندؒ (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) کے تلمیذ ہیں، محمدی شریف ضلع جھنگ میں ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا پہلا نام "جمعیتہ تعلیم

۱۔ مقدمہ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق ص ۳۰۔
۲۔ تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد ص ۲۷۶۔
۳۔ " " " " ۱۸۔
۴۔ مکتوب پیر کرم شاہ صدر مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ بنام راقم السطور بتاریخ ۲۶ راگست ۱۹۶۹ء۔

الاسلام" تھا۔ پھر اس کا نام " دار العلوم محمدی شریف" رکھا گیا۔ قیام پاکستان ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء کے بعد اس کا نام "جامعہ محمدی" قرار پایا۔ اس جامعہ کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد ذاکر صاحب ہیں۔ "جامعہ محمدی" مندرجہ ذیل شعبہ جات پر مشتمل ہے۔ (۱) دار العلوم (۲) دار الحفاظ (۳) دار الرحمت (یتیم خانہ) (۴) انجمن اصلاح معاشرہ (۵) انٹرمیڈیٹ کالج۔ (۶) ہائی سکول جس کے ساتھ تین پرائمری سکولوں کا الحاق ہے۔ (۷) شعبۂ تصنیف و تالیف (۸) شعبہ نشر و اشاعت (۹) شعبہ تبلیغ و تربیت معلمین (۱۰) مؤتمر تعلیمات اسلامیہ عربیہ پاکستان

اس جامعہ کے مختلف تعلیمی و تربیتی شعبہ جات میں اس وقت تہتر۷۳ اساتذہ و کارکنان مصروف کار ہیں۔ اور سات سو پچاسی طلبہ زیر تعلیم ہیں۔[1]

خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے دوسرے خلفا کے مدارس

مذکورہ بالا مدارس کے علاوہ خواجہ سیالویؒ کے خلفا میں سے مندرجہ ذیل خلفا نے بھی مختلف مقامات پر مدارس عربیہ قائم کئے۔

(۱) مولوی فضل الدین نے چاچڑ ضلع سرگودھا میں۔

(۲) مولوی معظم الدین نے مرولہ ضلع سرگودھا میں

(۳) مولوی عبد العزیز بگوی نے بھیرہ ضلع سرگودھا میں۔

(۴) مولوی غلام قادر بھیروی نے بیگم شاہی مسجد لاہور میں

(۵) مولوی غلام محمد صاحب نے موہڑہ کدلٹی تحصیل چکوال میں

ان کے شاگردوں میں قاضی سلطان محمود قادری، اعوان شریف ضلع گجرات والے مشہور بزرگ ہو گزرے ہیں مولوی غلام محمد صاحب کے بعد مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے بعد قاضی محمد عابد صاحب نے ۱۹۶۵ء تک اس مدرسہ کو جاری رکھا۔

(۶) قاضی عبد الحلیم صاحب نے ڈھاب تحصیل چکوال میں۔

(۷) مولوی کرم الدین دبیر نے بھیں تحصیل چکوال میں (آپ خواجہ محمد الدین سیالوی کے مرید تھے)

۱۔ مکتوب مولانا عبد الحق جامعی ایڈیٹر الجامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ بنام راقم مقالہ ہذا بتاریخ ۹/دسمبر ۱۹۶۹ء۔

(۸) سید سکندر شاہ نے پشاور میں اور

(۹) سید محمد حیات شاہ نے علاقہ تحصیل چکوال میں

دینی مدارس قائم کئے، جن میں عرصہ دراز تک دینی تعلیم دی جاتی رہی اور ہزاروں لوگوں نے ان مدارس میں دینی و اسلامی علوم کی تحصیل کی۔[۱]

ہندوستان کے مدارس

ہندوستان میں خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفاء میں سے مولانا محمد حیات دہلویؒ حافظ سید محمد علی خیر آبادیؒ، حاجی نجم الدین راجستانیؒ اور ان بزرگوں کے متعدد خلفا نے دہلی، اودھ، دکن اور راجپوتانہ کے مختلف مقامات پر دینی مدارس قائم کر کے اشاعت علم کی۔

۱۔ خواجہ سیالوی کے خلفاء کی فہرست کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ ہذا کا باب چہارم شعبہ دوم سیال شریف۔

باب ہشتم

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور آپ کے خلفا کی معاشرتی خدمات

تمہید مشائخ تونسوی کے دور میں برعظیم پاک وہند دینی معاشرتی اور تمدنی لحاظ سے زوال کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ معاشرے کی حالت پست تھی۔ افکار و اعمال، عادات و اطوار، اخلاق و اوضاع سب انحطاط پذیر تھے۔ مشائخ تونسوی نے اسلامی معاشرے کے اجتماعی احوال کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ دین اسلام ایک مکمل فطری مذہب ہے۔ اس میں انسانی دکھوں کا مداوا اور معاشرتی پیچیدگیوں کا حل موجود ہے۔ اگر معاشرہ کو اسلامی سانچوں میں ڈھال لیا جائے اور زندگی کے ہر موڑ پر اسلام سے رہنمائی حاصل کی جائے تو پھر کوئی مسئلہ لاینحل نہیں رہ سکتا۔

چنانچہ ایک طرف تو مشائخ تونسویؒ نے اکتساب علم پر بڑا زور دیا اور خانقاہوں کے ساتھ مدارس قائم کئے۔ دوسری طرف مسلمانوں کو قرآن و سنت پر چلنے کی ہر موقعہ پر تلقین کرتے رہے۔ ان کے نزدیک اس وقت کے حالات میں سلطنت کے واپس لینے سے زیادہ اہم کام اسلامی شعار کے احیاء کا تھا کیونکہ اس کے بغیر اگر حکومت حاصل کر بھی لی جاتی تو اس کا قائم رہنا ناممکن تھا۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سلطنت کا چھن جانا اور کفار کا مسلط ہونا بھی اعمال حسنہ کے ترک کر دینے کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

آپ بار بار فرماتے تھے :-

" چوں مسلمانان اعمال حسنہ را ترک   چونکہ مسلمانوں نے اعمالِ حسنہ کو ترک کر دیا ہے

کردہ اند، حق تعالیٰ برایشاں کافراں را مسلط کردہ است" — اسی لیے حق تعالیٰ نے اُن پر کافروں کو مسلط کر دیا ہے۔

چنانچہ آپ نے اور آپ کے خلفا نے اپنی اصلاحی کوششوں اور اپنے قول وعمل سے قومی زندگی کے دو پہلوؤں کو خاص طور پر متاثر کیا (۱) دینی (۲) معاشرتی

(۱) دینی۔ انہوں نے اسلامی مدارس و مکاتب قائم کر کے دینی خدمات سرانجام دیں جن کی تفصیل باب ششم میں دی گئی ہے۔

(۲) معاشرتی۔ مشائخ تونسوی کی معاشرتی خدمات حسب ذیل ہیں :-

ا۔ جو امرا ورؤسا اُن کے حلقہ بگوش یا معتقد تھے۔ اُن کی رہنمائی کر کے معاصر معاشرے پر اثر انداز ہوئے۔

(ب) جو صوفیا اور علماء معاصر، دین اسلام کے صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے تھے ان کی رہنمائی کر کے معاشرے پر ان کے غلط اثرات کو زائل کیا۔

(ج) عامۃ المسلمین کی اصلاح و تربیت کر کے معاشرتی اقدار کو استحکام بخشا، اور اسلامی روایات کو زندہ کیا۔

چنانچہ اس باب میں مشائخ تونسویؒ اور ان کے خلفاء کی معاشرتی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

فصلِ اوّل

امرا و رؤسائے معاصر کی رہنمائی

مشائخ چشت نے اگرچہ سلاطینِ وقت سے بے تعلق اور سرکار و دربار سے دور رہنے کا اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لیے دائمی اصول بنا دیا تھا۔ جیسا کہ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے :-

"ہر درویشے کہ در اختلاط با ملوک و امرا بکشاید، عاقبت او وخیم گردد۔" [1]

جو درویش سلاطین و امرا سے میل جول رکھتا ہے اس کی عاقبت تباہ ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مشائخ چشت، سلاطین و امراء کی رہنمائی سے کبھی غافل نہیں رہے۔ جب کبھی ان کو ملک و قوم کے بارے میں امراء وقت کو صحیح مشورہ دینے اور اپنا روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا وہ ضرور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے۔ سلاطینِ وقت کا تزک و احتشام اور اُن کی ہیبت و جبروت کو کبھی خاطر میں نہ لاتے اور ہمیشہ بڑی بے باکی سے ان کے سامنے کلمۂ حق کہتے۔

برعظیم پاک و ہند کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمران مشائخ چشت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہت سے مفاسد کا ازالہ، بہت سے منکرات کا سدِ باب اور بہت سے احکامِ شریعت کی ترویج اور عدل گستری اور خلق پروری کا رواج ہوا۔

سلاطین ہند میں سلطان فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء) اپنی حسن سیرت نیک نفسی، رعیت پروری، تبلیغ اسلام اور مدارس کے قیام وغیرہ اوصاف میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیر الدین محمود چراغِ دہلیؒ (م ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) کا خاص ہاتھ تھا اور اس کی فتح مندی اور کامیابی میں ان کی دعاؤں اور توجہات کا بڑا حصہ تھا۔

تاریخ فیروز شاہی کے مصنف شمس سراج عفیف لکھتے ہیں:۔

"چوں سلطان محمد (تغلق) در ٹھٹھہ نقل کرد و سلطان فیروز شاہ در بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیر الدین بر سلطان فیروز شاہ پیغام کردہ کہ بہ ایں خلق عدل و انصاف خواہی کرد، یا برائی ایں مشتی مسکیناں والی دیگر

جب سلطان محمد (تغلق) کا ٹھٹھہ میں انتقال ہو گیا اور سلطان فیروز شاہ تخت شاہی پر بیٹھا حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام بھیجا کہ خدا کی اس مخلوق کے ساتھ تم عدل و انصاف کرو گے یا ایں

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۰۷

از اللہ تبارک و تعالیٰ التماس کردہ آید سُلطان فیروز جواب فرستاد کہ با بندگان خدا تعالیٰ حلم و رفق و اتفاق کنم، چوں خدمت شیخ ایں لفظ شنید، بر سُلطان فیروز جواب فرستادہ: اگر با خلق ایں چنیں خواہی کرد ما ہم برائی تو از اللہ تبارک و تعالیٰ چہل سال ملک خواستہ ایم، عاقبت چناں شد، سُلطان فیروز تا چہل سال ملک راند"[1]

ان غریبوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے کوئی دوسرا حاکم مانگوں، سلطان فیروز نے جواب دیا کہ میں خدا تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ علم و مہربانی اور موافقت کروں گا۔ جب حضرت شیخ نے یہ جواب سُنا تو کہلوا بھیجا کہ اگر مخلوق خُدا کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرو گے تو میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے چالیس سال مانگ لیے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ سُلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی۔

مشائخ تونسویؒ نے بھی اپنے بزرگانِ سلسلہ کے نقش قدم پر چل کر یہی طریقہ اختیار کیا۔ وہ بھی اپنے خلفاء اور مریدین کو اہل دول اور سلاطین و امرائے سے بے تعلق و بے نیاز رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے متعلق مولانا امام الدین لکھتے ہیں:۔

"می فرمودند کہ دُور بودن از صحبتِ دنیاداران سلامتی است، و قرب ایشاں ہلاکتِ جان است و ایں مصرع نیز می فرمودند ؏ "قرب سلطان آتش سوزاں بود"[2]

فرمایا کرتے تھے کہ دنیا داروں کی صحبت سے دُور رہنے میں سلامتی ہے اور ان کے قرب میں ہلاکتِ جان کا خطرہ ہے اور یہ مصرعہ پڑھا کرتے۔ ؏ "قربِ سُلطان آتش سوزاں بود"

دوسری طرف وہ حکمانِ وقت کو نصیحت کرنے اور ان کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

بانیٔ سلسلہ تونسوی حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کی سیرت میں یہ بات بہت نمایاں ہے کہ جب کبھی حق و باطل کا مقابلہ ہوتا، یا ظالم کے مقابلہ میں کوئی مظلوم آپ سے فریاد کرتا یا ناموسِ شریعت رسول کا سوال ہوتا تو آپ کا جذبۂ غیرت و حمیت جوش میں آجاتا۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸

[2] نافع السالکین ص ۱۰۶

مساکین و مظلومین کی ہر ممکن امداد فرماتے۔ مزاج میں انتہا درجہ کی خود داری اور استغنا کے باوجود امراو حکام وقت کو پیغام بھیجنے، خط لکھنے اور ان کے پاس خود جانے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ یہی طرزِ عمل آپ کے خلفا کا بھی تھا۔ اس ضمن میں چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

لعل خان حاکم سنگھڑ حکومت افغانستان کی طرف سے لعل خان بلوچ علاقہ سنگھڑ کا حاکم تھا۔ اس نے ایک شریف بلوچ لڑکی سے جبراً نکاح کر لیا۔ مسلمانانِ سنگھڑ کو یہ بات بہت ناگوار گذری، قاضی سنگھڑ اور لڑکی کے ورثا نے خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ آپ نے لعل خان کو لکھ بھیجا:-

"تو بر مسلمانان ظلم مکن و از خدا بترس"[1]

مگر اس بد بخت نے گستاخانہ جواب لکھ بھیجا، آپ نے پڑھ کر پھینک دیا اور فرمایا: "ملک بہ دستِ درویش است، ہر کرا خواہد بدہد"[2]

خدا کی قدرت اسی روز افغانستان سے چار ہزار آدمیوں کا لشکر پہنچا۔ قلعہ کا محاصرہ کیا اور لعل خان کو گرفتار کر کے لے گئے۔ لعل خان بارہ سال تک پٹھانوں کی قید میں رہا۔ سنگھڑ کی حکومت اسد خان کے حوالے ہوئی[3]

---

[1] - مناقب المحبوبین ص ۲۱۴

[2] ایضاً ص ۲۱۴

اسی قسم کا ایک واقعہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر (م ۷۲۴ھ/۱۳۲۳ء) کا ہے سلطان علاؤ الدین خلجی (۶۹۵ھ/۱۲۹۵م - ۷۱۵ھ/۱۳۱۵م) کے ایک امیر ملک نائب نے شیخ شرف الدین بو علی قلندر کے ایک درویش کو ایذا پہنچائی۔ حضرت نے سلطان علاؤ الدین خلجی کو لکھا:-

"علاؤ الدین شحنۂ دہلی را اعلام آنکہ خواجہ سرائے ..... یکے از درویشاں را رنجانیدہ و عرش الرحمٰن را بلرزہ آورد اگر او را بہ سزا رسانیدی بہتر والا بجائی تو شحنۂ دیگر بدہلی نشانیدہ خواہد شد"

(بزم صوفیہ ص ۲۵۰ بحوالہ مراۃ الکونین ص ۳۳۸)

[3] - مناقب المحبوبین ص ۲۱۴

نواب جمعہ خان والئی ڈیرہ غازیخان

حکومتِ افغانستان کی طرف سے ڈیرہ غازی خان کی حکومت نواب جمعہ خان نورزئی کے سپرد تھی۔ نواب مذکور کے عاملین نے تونسہ شریف کے علماء کو ایذا دی اور بعض علماء سے بلاوجہ جرمانہ وصول کیا۔ ان دنوں خواجہ صاحب مہار شریف گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر صورتِ حال کا علم ہوا تو سیدھے ڈیرہ غازی خان پہنچے، نواب حاضرِ خدمت ہوا۔ اس نے علماء سے وصول کردہ جرمانہ اور قلعدار اور محصلین کو حضرت کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا:۔

"اگر حضور انور ہمیں ہر سہ کساں (یعنی عاملین) را ریش و سر تراشیدہ و بر خر نشاندہ کوچہ بہ کوچہ بگرداند و منادی بدنبال اینہا کنند اختیار است یا اگر دیگر سزائے شرعی بدہند نیز مختار کہ غلام بالکل ازیں امر ناواقف بود۔"[1]

اگر حضور انور ان تینوں اہلکاروں کی داڑھی اور سر منڈوا کر اور گدھے پر سوار کر کے گلی کوچوں میں پھرائیں اور پیچھے پیچھے منادی کروائیں تو حضور کو اختیار ہے۔ یا اگر کوئی اور شرعی سزا دینا چاہیں تو بھی آپ مختار ہیں۔ اس غلام کو اس معاملہ کی کچھ خبر نہ تھی۔

لیکن چونکہ اس معاملہ میں علماء پر بلاوجہ زیادتی کی گئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو بھی تکلیف ہوئی اس لیے جلال باقی تھا۔ ڈیرہ غازی خان سے واپسی پر ایک خادم کی تلوار ہاتھ میں لے کر اسے زور سے ہوا میں گھمایا اور بہ آوازِ بلند "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا اور اس خادم سے فرمایا:۔

"اے پسر کھوکھر! تو می گفتی کہ شمشیر من لائق کلک تراشی است و کند است ایں تیغ تیغ خراسانیان (افغانیان) را تا تحت الثری بریدہ کہ گاہے ایں فرقۂ ظالمان مالکِ

اے کھوکھر بچے! تم تو کہتے تھے کہ میری تلوار قلم تراشی کے لیے ہے اور کند ہے تیری اس تلوار نے تو خراسانیوں کی جڑ کو تحت الثری تک کاٹ دیا ہے ظالموں کا یہ فرقہ کبھی افغانستان کے تختِ حکومت کا مالک

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۲۲۳

سر پر سلطنتِ افغانستان نخواہند شد[۱] نہیں بنے گا۔

خدا کی قدرت سے ایسا ہی ہوا کر افغانستان میں انقلاب رونما ہوا اور قلمدانِ وزارت نورزئی پٹھانوں کے ہاتھ سے نکل کر بارک زئی پٹھانوں کے ہاتھ میں آ گیا۔[۲]

نواب اسد خان

لعل خان کے بعد اس کا بھتیجا نواب اسد خان حکومتِ افغانستان کی طرف سے علاقہ سنگھڑ کا حاکم مقرر ہوا۔ لیکن اس نے بھی عدل و انصاف سے کام نہیں لیا اور لوگ اس کے ظلم و تعدی سے تنگ آ گئے تو خواجہ صاحب نے اُسے بُلا کر فرمایا :-

"اسد خان! در حکومتِ تو مارا فقط ایں قدر فائدہ است کہ بانگِ نماز می شنوم ظلم مکن، و خلقِ خدا را مرنجان، والا نزدیک فوجِ سکھاں را دریں جا می بینم"[۳]

اے اسد خان، تیری حکومت میں ہم کو صرف اتنا فائدہ ہے کہ ہم آذانِ نماز سن لیتے ہیں ظلم نہ کرو اور مخلوقِ خدا کو نہ ستاؤ، باز آؤ ورنہ میں تو یہاں سکھوں کی فوج کو دیکھ رہا ہوں۔

لیکن اسد خان ظلم و تعدی سے باز نہیں آیا، خدا کی قدرت سے تھوڑے دنوں بعد سکھوں نے سنگھڑ پر یورش کی اور جس ٹیلہ کی طرف آپ نے اشارہ کیا تھا وہیں آکر ڈیرہ ڈالا۔[۴]

امیر دوست محمد خان

شاہ شجاع جس وقت انگریزوں اور سکھوں کی مدد لے کر افغانستان کی تسخیر کے لیے جا رہا تھا، انہی دنوں امیر دوست محمد خان بارک زئی نے حضرت خواجہ محمد سلیمان کی خدمت میں اس مضمون کی درخواست لکھ بھیجی :-

"من محض للہ کمر جہاد بر کافراں بستہ ام تا ایں تختۂ اسلام از لوثِ کفر آلودہ نہ گردد،

میں نے صرف اللہ (کی رضا) کے لیے کافروں سے جہاد کرنے پر کمر ہمت باندھی ہے تاکہ تختِ اسلام کفر کی گندگی سے آلودہ نہ ہو،

---

[۱] مناقب المحبوبین ص ۲۲۴ [۲] مناقب المحبوبین ص ۲۲۴

[۳] ایضاً ۲۲۶

[۴] سیرت سلیمان ص ۱۴۰

دعا و توجہ فرمایند کہ حق تعالیٰ امر نصرت و فتح بر کافراں دہد"[1]	دعا اور توجہ فرمائیں کہ حق تعالیٰ مجھے کافروں پر فتحیابی نصیب فرمائیں۔

آپ نے منشی محمد واصل سے فرمایا کہ دوست محمد خان کی درخواست کے جواب میں یہ شعر لکھ دو۔

"ہر آنکہ استعانت بہ درویش برد   اگر بر فریدوں زد، او پیش برد"[2]

نتیجہ:۔ چنانچہ چند سالوں کے بعد ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں افغانستان[3] کی حکومت امیر دوست محمد خاں کے قبضے میں آگئی اور درّانی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

والیانِ بہاولپور

نواب بہادل خاں عباسی ثانی[4] (۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء – ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء) خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کا مرید تھا، خواجہ نور محمد ؒ کی وفات ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء کے بعد اُس نے ان کے صاحبزادگان کی جاگیر ضبط کرلی۔ قاضی محمد عاقل صاحب اور حافظ محمد جمال صاحب ملتانی نے خواجہ محمد سلیمان ؒ کو واگذاری جاگیر کے لیے نواب مذکور کے پاس بھیجنا چاہا تو آپ نے فرمایا۔

"ما مردِ کوہستانی ایم۔ طریق لجاجت از یوم اول نہ آموختہ ایم"	ہم پہاڑی آدمی ہیں لجاجت تو ہم نے کبھی سیکھی نہیں۔

چنانچہ آپ احمد پور تشریف لے گئے اور نواب نے صاحبزادوں کی جاگیر واگزار کردی۔[5]

---

[1]، [2] مناقب المحبوبین ص ۲۱۲

[4] نواب بہاول خان عباسی ثانی کا نام جعفر خان تھا۔ فتح خان کا لڑکا اور نواب بہاول خاں اول (م ۱۱۶۳ھ) کا بھتیجا تھا۔ بہاول خان ثانی ۱۱۶۶ھ میں پیدا ہوا اور امیر محمد مبارک خان والیٔ بہاولپور کی وفات ۱۱۸۶ھ کے بعد مسند نشین ہوا۔ سینتیس سال کی حکومت کے بعد رجب ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں فوت ہوگیا۔
(صبح صادق تاریخ نواباں بہاولپور) ص ۸۸

[5] مناقب المحبوبین ص ۱۹۷

اسی قسم کا دوسرا واقعہ نواب صادق محمد خان ثانی [۱] (۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹-۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء) کا ہے اس نے ایک دفعہ خواجہ مہارویؒ کے متعلقین سے کچھ جرمانہ وصول کیا۔ خواجہ محمد سلیمانؒ کو علم ہُوا تو آپ ناراض ہُوئے اور نواب مذکور سے خط و کتابت بند کر دی۔

نواب صادق محمد خان کو پریشانی ہُوئی اور عذرِ تقصیر کے لیے سید غلام شاہ اور صاحبزادہ نور احمد مہاروی کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ صاحبزادہ نور احمد صاحب نے آپ کی خدمت میں بہاولپور تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا:۔ صاحبزادہ صاحب! آپ کو اس کام کے لیے یہاں آنا مناسب نہ تھا۔ آپ کی خاطر تو میں نواب سے ناراض ہُوا تھا۔ اب آپ ہی تشریف لائے ہیں۔ صاحبزادہ نے عرض کیا:" قبلہ! کیا کریں مجبور اور لاچار ہو کر آئے ہیں۔ ہماری گزران اس کے ملک میں ہے"۔ خواجہ صاحب نے فرمایا:۔

" نی نی گزرانِ خان صاحب در ملکِ شما است، گزرانِ شما در ملکِ اُو نیست از خداوند علیم لحاظ نمی دارید کہ دست بردوشِ چنان قطب الاقطاب (خواجہ نور محمد مہاروی) میدارید و ہنوز بر دروازۂ اہلِ دنیا التجا می کنید"

نہیں نہیں خان صاحب کی گزران تمہارے ملک میں ہے۔ تمہاری گزران اس کے ملک میں نہیں ہے۔ خداوندِ علیم کا بھی لحاظ نہیں کہ تم نے ایسے قطب الاقطاب (خواجہ نور محمد مہارویؒ) کا دامن پکڑا ہے پھر بھی اہلِ دنیا کے دروازہ پر التجا کرتے ہو۔

لیکن صاحبزادہ نے اصرار کیا۔ مجبوراً آپ تشریف لے گئے۔ نواب صاحب نے معذرت چاہی [۲]

---

[۱] نواب عبداللہ خان ملقب بہ نواب صادق خان ثانی، نواب بہاول خان ثانی کا لڑکا تھا۔ ۱۱۹۵ھ میں پیدا ہوا۔ اور ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں بہاول خان ثانی کی وفات پر مسند نشین ہوا۔ سترہ سال کی حکومت کے بعد ۹ رمضان المبارک ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء کو وفات پائی۔

(صبح صادق تاریخ نواباں بہاولپور) ص ۹۴۔

[۲] مناقب المحبوبین ص ۱۹۹

امراء و روسا کی نیاز مندی و عقیدت کے باوجود حضرت خواجہ تونسوی نے کسی نواب یا رئیس سے کوئی جاگیر قبول نہیں کی۔

ایک دفعہ ڈیرہ غازی خان کے نواب عبدالجبار خان نے درویشوں کے خرچ کے لیے جاگیر پیش کی آپ نے جواب میں فرمایا:-

"ما ایں جاگیر نگیریم کہ خلافِ سنّتِ پیران و شیخان ما ہر گز نہ خواہیم نمود کہ ایشاں قبول نہ کردہ اند، بعضی مردمان عرض کہ برائی صاحبزادہ گل محمد جاگیر بگیرید، فرمود: گل محمد را نیز حاجتِ جاگیر نیست[۱]"

ہم یہ جاگیر نہیں لیتے کیونکہ ہمارے بزرگوں اور مشائخ کے طریقہ کے خلاف ہے۔ ہم ہرگز نہیں لیں گے۔ کیونکہ انہوں نے بھی کبھی جاگیریں قبول نہیں کیں۔ بعض لوگوں نے عرض کیا کہ صاحبزادہ گل محمد کے لیے جاگیر لے لیں۔ فرمایا گل محمد کو بھی جاگیر کی ضرورت نہیں۔

یہی وہ استغنائے قلب اور جذبۂ حق گوئی تھا جس نے ان بوریہ نشینوں کو ایسا جلال اور ایسی روحانی قوت و عظمت بخش دی تھی جس کے سامنے شاہانِ وقت کی بھی کوئی حقیقت نہ تھی۔ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے متعلق گل محمد خان لکھتے ہیں:-

"نواب بہاول خان ثالث[۲] (۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء - ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء) بمقام بہار شریف خواجہ اللہ بخش کی زیارت سے مشرف ہوئے مگر جتنی دیر وہاں بیٹھے رہے آنکھیں نیچی تھیں اور یہ تاب نہ تھی کہ گردن اٹھا کر کلام کر سکیں۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ بڑے بڑے امیر اور متمرد اشخاص جب اس سلطانِ وقت کے روبرو آتے تھے تو ان کا حال ایسا ہوتا تھا جیسے روباہ شیر کے سامنے[۳]۔"

---

[۱] نافع السالکین تالیف امام الدین ص ۱۶۱

[۲] نواب رحیم یار خان ملقب بہ نواب بہاول خان ثالث عباسی ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۱ھ میں اپنے والد نواب صادق محمد خان ثانی کی وفات پر مسند نشین ہوئے۔ یہ حضرت خواجہ محمد سلیمان کے مرید تھے۔ نوابی کی دستار خواجہ صاحب ہی نے ان کے سر پر باندھی تھی۔ ان کو خواجہ صاحب سے ایسا قلبی تعلق تھا کہ ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں جب خواجہ صاحب کی وفات ہوئی اور ان کو اطلاع ہوئی تو نہایت تاسف سے کہا "قد قامت لی القیامہ" یعنی میرے لیے قیامت قائم ہوگئی۔ آخر اسی صدمہ سے ستاون سال کی عمر میں ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں انتقال کیا۔ (صبح صادق یعنی تاریخ نوابانِ بہاولپور ص ۹۹)

[۳] خاتم سلیمانی جلد دوم المعروف سیرۃ المحمود۔ ص ۵۰

نواب بہاول خان ثالث مذکور، خواجہ اللہ بخشؒ کے اس قدر گرویدہ تھے کہ ایک دفعہ اپنی ریاست میں آپ کو دعوت دے کر بلایا اور آپ کو فٹن (گھوڑوں کی گاڑی) میں سوار کر کے خود بہ نفسِ نفیس اُس فٹن کو کچھ فاصلہ تک بجائے اسپ تازی کے کھینچا۔[1]

خان نظام الدین خان، نواب آف ممدوٹ، پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اشتیاق آمیز درخواستیں بھیجتا رہا۔ لیکن اجازت نہیں ملی۔ آخر اجازت ملنے پر حاضر خدمت ہوا۔ اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور ایک عمدہ نسل کی گھوڑی نذر کی۔[2]

فصل دوم

صُوفیا اور عُلما کی رہنمائی

اسلامی معاشرے میں ہمیشہ سے صوفیا اور علما کو ریڑھ کی ہڈی کا مقام حاصل رہا ہے۔ جب کسی قوم کے رہبر ہی گمراہ ہو جاتے ہیں تو اس قوم کی گمراہی اور پستی کی کوئی انتہا نہیں رہتی پھر جب پورے کا پورا معاشرہ انحطاط و زوال کا شکار ہو جاتا ہے تو اعلیٰ انسانی اخلاق و اقدار، کسی صحت مند معاشرے کی جان ہوتی ہیں، ختم ہو جاتی ہیں اور پوری قوم نفس پروری، خواہش پرستی اور عیاشی میں مبتلا ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ جلدی تباہی کے گڑھے میں جا گرتی ہے۔

مشائخ تونسوی نے زوال پذیر معاشرہ کو زندہ رکھنے کی پوری کوشش کی اور مرض کی صحیح تشخیص کر کے علاج کی طرف توجہ کی، یعنی معاشرہ پر سب سے زیادہ اثر انداز عناصر کی اصلاح و تربیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول رکھی۔

صوفیائے خام اور زاہدانِ ریاکار کی اصلاح | گزشتہ دو صدیوں میں برعظیم پاک و ہند میں

---

[1] مقدمہ تونسہ شریف ص ۱۰   [2] خاتم سلیمانی ص ۷۷

ایک بڑا گروہ صوفیائے خام اور زاہدانِ ریاکار کا پیدا ہوگیا تھا۔ جو عوام الناس کو دامِ تزویر میں پھنسا کر ان کی خوش اعتقادی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا۔ عوام الناس کا اعتقاد اعمال و وظائف اور تعویذ گنڈوں پر حد سے زیادہ تھا جس نے بے عملی اور کاہلی کی صورت پیدا کر دی تھی مشائخ تونسوی نے اس گمراہی کو محسوس کیا اور اس کی اصلاح کی۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے فرمایا:۔

"سالک را باید کہ در عملیات تضیعِ اوقات نہ کند کہ ایں رہزن و مانعِ راہِ فقر اند نیز فرمودند سالک را باید کہ در بند اظہار کرامت و اجرائی سلسلہ از خود نہ باشد بلکہ در عشق و محبت مولیٰ چناں مستغرق باشد کہ گاہی بہ جز یادش ہیچ چیز در دلِ آں راہ نیابد... نیز فرمودند سالک را باید کہ لافِ عرفان نہ زند زیرا کہ ہر عارف باشد از دعویٰ مبرا باشد"[۱]

سالک کو چاہیئے کہ عملیات میں اپنا وقت ضائع نہ کرے کیونکہ یہ چیزیں درویشی کے راستہ کی رکاوٹیں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ سالک کو چاہیئے کہ کرامتوں کے ظاہر کرنے اور اپنا سلسلہ جاری کرنے کے پیچھے نہ پڑے۔ بلکہ حق تعالیٰ کے عشق و محبت میں ایسا محو رہے کہ سوائے اس کی یاد کے کوئی اور چیز اس کے دل میں راہ نہ پائے۔ نیز فرمایا کہ سالک کو چاہیئے کہ معرفت الٰہی کا دعویٰ نہ کرے کیونکہ جو عارف ہوتا ہے وہ دعویٰ ہی نہیں کیا کرتا۔

صوفیائے خام کو بدعات و خرافات کو ترک کر کے کتاب و سنت کے مطابق ریاضت و عبادت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"سالک را باید کہ اِنَّ لَیْسَ لِلْاِنْسَانَ اِلَّا مَا سَعٰی اور وَاِنَّا لَا نُضِیعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَملاً (ہر آئینہ ما ضائع نہ کنیم مزد کسی کہ نیکو کردہ است کار را)[۲] نصب العین

سالک کو چاہیئے کہ "ان لیس للانسان الا ماسعیٰ (انسان کے لیے کچھ نہیں مگر جس کے لیے اس نے کوشش کی) اور "وانا لا نضیع اجر من احسن عملاً" (جس نے نیک عمل کیے ہم اس کا اجر ضائع کرنے والے نہیں) کو

۱۔ نافع السالکین ص ۸۴ ۲۔ تفسیر فتح الرحمٰن ص ۷۵۴

داشتہ سعی بلیغ وجد و جہد تمام در طاعت و ریاضت موجب او امر و نواہی شرع انور بکار برد تا از وعید من کان فی هٰذِهٖ اعمیٰ فہو فی الآخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا (ہر کہ باشد در دنیا کور وی در آخرت نیز کور است و خطا کنندہ تر است راہ را)[۱] نجات یافتہ بہ معرفتِ ایزدی سرفراز شود، بعدہٗ فرمودند ؎

پیش نظر رکھ کر شریعت مطہرہ کے اوامر و نواہی کے مطابق وریاضت میں پوری پوری کوشش کرے، تاکہ اس وعید "من کان فی هٰذِهٖ اعمیٰ فہو فی الآخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا (جو کوئی دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور راستے سے بھٹکنے والا ہے) سے نجات پاکر معرفت الٰہی کے حصول سے سرفراز ہو۔ اس کے بعد فرمایا ؎

بشکند دستی کہ خم در گردنِ یاری نشد
کور بہ چشمی کہ لذتِ گیر دیداری نشد

کارِ من آخر شد و آخر زمن کاری نشد
مشتِ خاکِ من غبارِ کوچۂ یاری نشد

ہر بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقی جا گرفت
غنچۂ باغِ دلِ ما زیبِ دستاری نشد[۲]

اسی طرح خواجہ شمس الدین سیالوی نے فرمایا :

"سالک را باید کہ در عملیات اوقات خود را ضائع نہ کند کہ مانعِ وصولِ حق اند"[۳]

سالک کو چاہیئے کہ اپنے اوقات کو عملیات میں ضائع نہ کرے کیونکہ یہ حق تعالیٰ تک پہنچنے میں رکاوٹ ہیں۔

نیز فرمودند "اکثر مردمان درین زمان بے زہد و ریاضت خود را بہ پارسائی مشہور کنند و پیشِ مردمانِ دعوئ محبت خدا و رسول علیہ السلام می کنند و نمی دانند کہ دولتِ دارین در اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است چنانچہ خدا تعالیٰ امر فرمودہ است۔

اس زمانہ میں بہت سے لوگ بغیر زہد اور ریاضت کے اپنے کو پارسا ظاہر کرتے ہیں اور لوگوں کے سامنے خدا اور رسول علیہ السلام کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ دین و دنیا کی دولت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہی سے حاصل ہوتی ہے

---

[۱] تفسیر فتح الرحمٰن ص ۳۴۳
[۲] مرأۃ العاشقین ص ۱۴۸
[۳] نافع السالکین ص ۵۸

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"[1] (ای محمدؐ بگو اگر دوست می دارید خدا را پس پیروئ من کنید تا دوست دارد شما را خدا)[2]

جیساکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اے رسولؐ! کہہ دیجئے کہ اگر خداوند تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ خدا بھی تم کو دوست رکھے۔

بہت سے جاہل صوفی عبادت و ریاضت کو حصولِ دنیا اور حصولِ جاہ کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔ مشائخ تونسوی نے اس سے بھی اجتناب کی سختی سے تلقین کی۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے فرمایا:

"ما ہیچ گاہ عمل و چلہ نشینی بہ غرض تسخیر وغیرہ ہرگز نہ کردہ ایم، شما مردمان را زعم خلاف واقعہ است۔ درپئ عمل و اعمال (عملیات و تعویذات بودن کار و بر حلق نہادن است وآخر فائدہ را امید ہم کم۔ کلام الٰہی را خاص بہ غرض رضائی الٰہی و بہ غرض ثواب باید خواند"[3]

ہم نے تسخیر وغیرہ کے لیے کبھی کوئی عمل اور چلہ نشینی نہیں کی۔ تم لوگوں کا (ہمارے بارے میں) گمان (خلاف واقعہ ہے۔ عملیات و تعویذات وغیرہ کے پیچھے پڑنا اپنے گلے پر چھری رکھنا ہے (اس میں فائدہ کی امید کم ہے۔ کلام الٰہی کو صرف رضائے الٰہی اور ثواب حاصل کرنے کے لیے پڑھنا چاہیئے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے "توکل علی اللہ" کا معنی یہ سمجھ لیا تھا کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہا جائے۔ اور بغیر محنت و مشقت کے لوگوں کے دست نگر رہ کر زندگی کے دن گزارے جائیں۔ مشائخ تونسوی نے اس غلط اندیشی کی بھی اصلاح فرمائی۔

سید غلام حیدر علیشاہ جلالپوری نے توکل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"توکل شریعت یہ ہے کہ کام کرے اور اس کا ثمرہ حق تعالیٰ کے سپرد کرے۔ کام پہ بھروسہ نہ کرے"[4]

---

[1] مرأۃ العاشقین ص ۱۹۵
[2] تفسیر فتح الرحمٰن ص ۱۲۲
[3] ملفوظات طیبہ ص ۱۲۲
[4] ذکر حبیب ص ۳۱۰

پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے فرمایا:

"صورتِ حال زمانہ برائی کسانیکہ از تعلقات چارہ ندارند چنیں گواہی می دہد کہ معاشں و معاملہ را بوجہ بین بین بسر برند، در بُردباری چنیں بُز دل و زبون نہ باشند کہ مگساں ہم لیسند، بلکہ نامرد و کم ہمت را نصیب از فتح و نصرت کم می آید۔"[1]

جن لوگوں کا تعلقات کے بغیر چارہ نہیں زمانہ کے حال کے مطابق یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معاملات و معاشرت میں اعتدال کا راستہ اختیار کریں، تحمل و بردباری میں ایسے عاجز و بزدل نہ بن جائیں کہ مکھیاں چاٹنے لگیں، بلکہ بے ہمت اور نامرد کو فتح و نصرت کم ہی نصیب ہوا کرتی ہے۔

علماء کی تربیت و اصلاح

اسلامی معاشرہ میں چونکہ علماء کا اثر و نفوذ ہر زمانہ میں تمام طبقوں سے زیادہ رہا ہے اس لیے مشائخ تونسوی نے علما کی تربیت بڑی دلسوزی سے کی، مشائخ تونسوی کی خانقاہوں کے دینی مدارس میں جتنے علما تھے سب عالم با عمل تھے، جن کی سیرت و اخلاق کا نہایت دلکش اثر ان کے تلامذہ اور عام مسلمانوں پر پڑتا تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ مشائخ تونسوی، جو ان مدارس کے سرپرست ہوتے تھے، برابر علماء کی اصلاح کرتے رہتے تھے۔

بانیٔ سلسلہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے متعلق مولوی صالح محمد لکھتے ہیں:

" آپ (خواجہ محمد سلیمان) کی سرپرستی میں جو سب سے زیادہ مشکور اور جو بات سب سے زیادہ ممتاز نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے جتنے عالم پیدا کیے وہ عملی زندگی کا اعلیٰ نمونہ اور روحانیت کا مجسمہ تھے۔"[2]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" سلیمانی کمالات کی امتیازی خصوصیت یہی تھی کہ عامۃ الناس اور فقرا کی نسبت علماء کا گروہ آپ کی روحانیت کا زیادہ معتقد تھا۔ بڑے بڑے متبحر عالم دربارِ سلیمانی میں زانوئے ادب تہ کرتے اور جمالِ جہاں آرا کی نورانی شمع پر پروانہ وار گرتے تھے۔ دربارِ سلیمانی علمائے ظاہر کا مامن تھا۔

---

[1] ملفوظاتِ طیبہ ص ۱۳۲ [2] سیرتِ سلیمان ص ۱۵۷

سینکڑوں کی تعداد میں علماء آکر آستانہ نشین ہو گئے، جن کا کام دن بھر سرچشمہ علوم بہانا اور فارغ اوقات یارات کو اس شمع شبستان عرفان سے نور کا اقتباس کرنا تھا۔[۱]

خواجہ صاحب کا معمول تھا کہ علماء و طلبہ میں سے جو زیادہ ذہین ہوتے، ان کو منتخب کر کے تونسہ شریف سے باہر دور دراز مقامات پر مشاہیر علماء کی خدمت میں بھیجتے تاکہ وہاں سے تحصیل علم کر کے معاشرہ کو مستفید کریں۔[۲]

اس کے ساتھ علماء کی اصلاح پر بڑی توجہ دیتے تھے، آپ کا خیال تھا کہ علماء کی گمراہی ساری قوم کی گمراہی کے مترادف ہے۔ فرماتے تھے

"فساد العالم فساد العالم کہ نہ در جنت تنہا میروند و نہ در دوزخ بلکہ ہر دو طرف با جماعت کثیر روانہ می شوند۔"[۳]

علماء کا بگاڑ دنیا کا بگاڑ ہے، کیونکہ (علماء) نہ تو جنت میں اکیلے جائیں گے نہ دوزخ میں اکیلے، بلکہ جسطرف بھی جائیں گے ایک بڑے گروہ کو ساتھ لے کر جائیں گے۔

اور علماء کو بار بار تاکید فرماتے:

"مقصود از علم، عمل و ہدایت و محبت باری تعالیٰ حاصل کردن است۔"[۴]

علم کا مقصود، عمل کرنا اور ہدایت پانا اور حق تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا ہے۔

کبھی شیخ سعدی کے یہ شعر پڑھ کر عمل کی ترغیب دیتے

علم چنداں کہ بیشتر خوانی ۔۔۔ چوں عمل در تو نیست، نادانی

نہ محقق بود، نہ دانشمند ۔۔۔ چارپائی بر و کتابی چند[۵]

ترجمہ: تو جس قدر بھی علم پڑھ لے، اگر اس پر عمل نہیں ہے تو گویا تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ بغیر عمل کے نہ تو محقق ہے نہ دانشمند، بلکہ ایک ایسے جانور کی مانند ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔

---

۱ سیرت سلیمان ص ۱۵۶ ۔۔۔ ۲ سیرت سلیمان ص ۱۵۵

۳ نافع السالکین ص ۲۰ ۔۔۔ ۴ نافع السالکین ص ۱۲۲

۵ نافع السالکین ص ۸۵

یہی طریقہ آپ کے خلفاء کا بھی تھا، وہ بھی ہمیشہ علماء کی اصلاح و تربیت کرتے رہے خواجہ شمس الدین سیالوی (م ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء) علما کو مخاطب کر کے فرماتے تھے:

"دو رکعت عالم باعمل از عبادتِ تمام مخلوقات بے علم بہتر است"[1]

عالم باعمل کی دو رکعت نماز، بے علم مخلوق کی ساری عبادت سے بہتر ہے۔

خلوصِ نیت کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے:

"علم جہت رضائی رحمان باید خواند نہ برائی رضائی شیطان، زیرا کہ علم بدون خلوص نیت فعل شیطانی است"[2]

علم حق تعالیٰ کی رضا کے لیے پڑھنا چاہیئے نہ کہ شیطان کی رضا کے لیے، کیونکہ نیت صحیح اور اخلاص کے بغیر علم پڑھنا شیطانی کام ہے۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی (م ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۷ء) علما اور مبلغین کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے تھے:

"علماء و واعظان را باید کہ کلام و تقریر ایشان موجبِ تنفر دیگراں نباشد"[3]

عالموں اور واعظوں کو چاہیئے کہ ایسا طرز اختیار کریں کہ ان کا کلام اور تقریر دوسروں کی نفرت کا باعث نہ بنے۔

علما کو عشق الٰہی کی ترغیب

خواجہ تونسوی اور آپ کے خلفاء کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ بات رہی کہ ان کے حلقہ کے علما زاہدانِ خشک اور قشری مولوی ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ عشق حقیقی کی نعمت سے بہرہ یاب ہو کر روحانی منازل طے کریں، یہی وجہ ہے کہ مشائخ تونسوی کے ملفوظات میں علما کی مجالس میں عشق الٰہی کی فضیلت پر طویل تقاریر ملتی ہیں۔ نمونتہً چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

خواجہ محمد سلیمان کی ایک مجلس کا حال لکھتے ہوئے مولوی یار محمد "منتخب المناقب" میں

---

[1] مراۃ العاشقین ص ۴۰

[2] مراۃ العاشقین ص ۴۱

[3] ملفوظات طیبہ ص ۱۳۴

لکھتے ہیں :۔

"مولوی نور جہانیاں بہاولپوری از سبب تذکرہ عشق بر زبان آورد کہ عشق چہ چیز است ؟ از زبانِ حقائق بیان حضرت فخر الاولیا قدس سرہ العزیز برآمد کہ عشق آتش است ، در جائی کہ جلوہ کند غیر معشوق را بسوزد وایں کلام بخواند ، العشق نارٌ یحرق ماسوی المحبوب مگر خبر ایں آں کسی راست کہ بہ او نصیب شود نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدہ (آتش خدائی افروختہ شدہ کہ غالب شود بر دلہا[1]) ہوشیار چہ داند کہ درین پردہ چہ راز است ۔ بیت ؎

مجلس میں "عشق" کے تذکرہ کی وجہ سے مولوی نور جہانیاں بہاولپوری نے پوچھا کہ حضرت عشق کیا چیز ہے ؟ حضرت فخر الاولیا خواجہ محمد سلیمانؒ نے زبان حقائق بیان سے فرمایا کہ عشق ایک ایسی آگ ہے کہ یہ جس جگہ ظاہر ہوتی ہے معشوق کے بغیر ہر چیز کو جلا دیتی ہے اور فرمایا "العشق نارٌ یحرق ماسوی المحبوب" مگر اس کی خبر اُسی کو ہوتی ہے جس کو یہ (عشق) حاصل ہوتا ہے ۔ "نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدہ (خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ، جو دلوں پر غالب آجاتی ہے) ہوشیار کیا جانے کہ اس میں کیا راز ہے ؎

آسودہ دلا حالِ دلِ زار چہ دانی ؟ | خونخواریٔ عشاقِ جگر خوار چہ دانی ؟
ہرگز نہ خلیدہ بہ کفِ پائی تو خاری | آزردگیٔ سینۂ افگار چہ دانی ؟

فرمودند ، مولویا ! ؎

عشق آتش است سوزاند دل و جان را | بل چہ جائی دل و جان ہم روح و روان را[2] "

ایک اور مجلس کا حال لکھتے ہوئے مولف مذکور لکھتے ہیں :

"فرمودند حکیمی فرمود ، کہ روا نیست نزدیک ہیچ دلی و نہ در ترکیب و نہ در قیاس و نہ در فہم و نہ در حس و نہ در ممکن و نہ در واجب کہ یکی را دوست دارد و محبوب او را میل سوئی

فرمایا کہ ایک حکیم کا قول ہے کہ کوئی دل ایسا نہیں جو اس بات کو محسوس نہ کرتا ہو اور نہ ترکیب طبائع قیاس و فہم اور حس کی رو سے یہ ممکن ہے کہ کوئی کسی کو دوست رکھے اور اس کے محبوب کا

---

[1] تفسیر فتح الرحمٰن ص ۹۶۱   [2] منتخب المناقب قلمی برگ ۹۸ ب

او نباشد، لیکن سالک کہ بہ عشق الٰہی و بہ محبت
او تعالیٰ و شوق جمال کمال ایزدی جان خود
را صرف کند، و حق تعالیٰ او را واصل خود
نہ گرداند القلب مع القلب یتشاہد و
این سخن موافق سخنی است کہ از حضرت
سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ سوال کردند
کہ از قلق و اضطرابِ محب محبوب را چہ
روشن شود، فرمودند کہ این ہم ازاں است
کہ او می کشد ع

میلان اس کی طرف نہ ہو۔ لیکن ایک سالک
جو عشق الٰہی اور محبتِ خداوند تعالیٰ اور
اس کے جمال با کمال کے شوق میں اپنی جان
کو صرف کرتا ہے، کیسے ممکن ہے کہ اُسے
حق تعالیٰ کا وصال نصیب نہ ہو "القلب
مع القلب یتشاہد" اور یہ بات اس قول
کے مطابق ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلطان
المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے پوچھا گیا
کہ محب کے قلق و اضطراب کا محبوب پر کیا
اثر ہوتا ہے، فرمایا کہ یہ قلق و اضطراب محبوبؔ
ہی کے جذب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ع

ای بے خبرِ من روم او می کشد قلاب را

بیت:-
عاشقاں ہر چند مشتاق جمالِ دلبر اند — دلبراں بر عاشقاں از عاشقاں عاشق تر اند
عشق می نازد بہ حسن و حسن می نازد بہ عشق — آری آری این دو معنی عاشقِ یک دیگر اند[1]"

ایک روز آپ نے عشق الٰہی پر گفتگو کرتے ہوئے مجلس مبارک میں یہ اشعار پڑھے —

ای عشق تو بی نشاں جمالی داری — در اصلِ وجود خود کمالی داری
ہر لحظہ مثالی و خیالی داری — اے عشق دریغا چہ خیالی داری[2]

آپ کے خلفا بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

چنانچہ خواجہ فیض بخش الٰہیؒ (م ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء) فرمایا کرتے تھے:۔

"مارا نہ مرید و ورد خواں می باید — نہ زاہد و حافظ قرآں می باید
صاحب درد و سوختہ جاں می باید — آتش زدہ بہ خانماں می باید[3]"

---

[1] منتخب المناقب برگ ۱۰۳ — [2] منتخب المناقب برگ ۱۰۴ ب
[3] رسالہ آئینہ للہ شریف نمبر ص

خواجہ شمس الدین سیالوی (م ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء) علماء کو عشق الٰہی کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے تھے۔

"چوں در وجودِ صوفی عشق غلبہ کند ہمہ منازل سلوک طی شوند و بہ ہیچ چیز تعلقِ دل نماند بلکہ حُبِ مشیخت از دل او نیز بیرون رود، آنگاہ ایں بیت بر زبان مبارک راندہ

جب صوفی کے وجود میں عشق الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے تمام منازل سلوک طے ہو جاتی ہیں اور کسی چیز سے دل کا تعلق نہیں رہتا بزرگی کی خواہش بھی دل سے نکل جاتی ہے اس موقعہ پر یہ شعر پڑھا ۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد"[1]

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا۔

"الحق کہ عشق را از مذہب پایگاہ بلند است و ایمان بے عشق نیز در معرض خطر می باشد"[2]

حقیقت یہ ہے کہ عشق کا درجہ مذہب سے بلند ہے اور عشقِ الٰہی کے بغیر ایمان بھی خطرے میں ہوتا ہے۔

فصل سوم

عامۃ المسلمین کی رہنمائی

تمہید مشائخ تونسوی کی تمام اصلاحی کوششیں اس نقطہ پر مرکوز تھیں کہ مسلمان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر اپنے اخلاق و عادات کو درست کریں۔ معاشرہ کی اصلاح، ان کے نزدیک تمام مصائب و مشکلات کا حل تھا خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے زمانہ میں سکھوں نے سابق مغربی پاکستان میں دھاندلی مچا رکھی

---

[1] مراۃ العاشقین ص ۲۰۴ [2] ملفوظات طیبہ ص ۱۰۱

تھی، جب آپ کو سکھوں کی چیرہ دستیوں کی خبر ملتی تو فرماتے ۔

چو خواہد کہ ویران کند عالمی — نہد ملک در پنجۂ ظالمی
بقومی کہ نیکی پسندند، خدای — دہد خسرو عادل نیک رای [1]

اور بڑے درد اور سوز سے لوگوں کو اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے کیونکہ آپ کے نزدیک تمام انفرادی اور اجتماعی پریشانیوں کا باعث ہی احکام الٰہی سے روگردانی تھا۔ چنانچہ فرمایا:۔

"ہر بلاو مصیبت کہ بر مردمان منزل شود از جہت صدور اعمال ناشائستہ باشد چنانچہ در حدیث شریف وارد است اعمالکم عمالکم یعنی کردار ہائی شما حاکمان شما اند اگر اعمال شما نیک باشند پس حاکم شما اہل اسلام و عادل باشند و اگر بالعکس باشد پس حاکم شما نیز کافر و جابر باشند" [2]

لوگوں پر جو آفت و مصیبت نازل ہوتی ہے وہ ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے نازل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے اعمالکم عمالکم، تمہارے اعمال ہی تمہارے حاکم ہیں اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تمہارے حاکم بھی اہل اسلام اور عادل ہونگے اور اگر اعمال بُرے ہوں گے تو تم پر حکمرانی بھی کافر اور ظالم لوگ کریں گے ۔

جب انگریزوں نے ۶۶ ۱۲ھ/۹ ۱۸۴ء) میں لاہور پر قبضہ کیا اور آپ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا:

"کار مسلمانان در ناشائستگی از حد گزشتہ کہ ایشاں در ملک غلبہ کردہ اند۔

ہم مسلمانوں کے اعمال بُرائی کی حد سے بڑھ گئے ہیں اسی لیے انگریز ہمارے ملک پر غالب آگئے ہیں۔

پھر یہ شعر پڑھا ؎

چشم عبرت برکشا و قدرت قادر ببین — شامت اعمال ما ایں صورت نادر گرفت" [3]

اتباع شریعت کی تلقین

مشائخ تونسوی کے نزدیک تمام اعلیٰ انسانی اوصاف کا سرچشمہ شریعت مصطفوی تھا چنانچہ خواجہ محمد سلیمان

---

[1] نافع السالکین ص ۵
[2] نافع السالکین ص ۵
[3] نافع السالکین ص ۵

فرماتے تھے :-

"خوب خصائل و حمیدہ افعال بغیر متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہ شود"[1]

اچھے اوصاف اور پسندیدہ افعال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔

اور متابعت رسول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے :-

"متابعت عبارت از دو چیز است آنچہ خدا و رسول خدا اوامر کردہ اند بباید کرد و ازانچہ منع فرمودہ اند نہ باید کرد"[2]

متابعتِ رسولؐ دو چیزوں کا نام ہے ایک تو یہ کہ جس بات کا خدا اور رسولؐ نے حکم دیا ہے اس کی تعمیل کی جائے اور جس بات سے منع کیا گیا ہے اس کو ترک کر دیا جائے۔

خواجہ شمس الدین سیالوی فرماتے تھے :-

"باید کہ از فرمانبرداری خدا و رسول علیہ السلام غافل نباشد و بحکم اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کمر ہمت بہ بندند تا سعادت دارین بیابند"[3]

ترجمہ : خدا اور رسول علیہ السلام کی فرمانبرداری سے غفلت نہیں چاہیے ۔ اور "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" کے حکم کے مطابق کوشش کرنی چاہیے تاکہ دین و دنیا کی سعادتیں حاصل ہوں۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی جس شخص سے بیعت لیتے تھے اسے پابندئ شریعت کی تلقین کرتے تھے، مؤلف "ملفوظات طیبہ" لکھتے ہیں :-

"شخصی برائی بیعت حاضر شد او رابیعت نمودہ بعد از تلقین وظائف فرمودند کہ بر شریعت مستقیم باشی ...... و در ہر مسئلہ شرعیہ استفسار نمودہ عمل آری"[4]

ایک شخص بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوا اس کو بیعت فرما کر اوراد و وظائف بتلائے اور فرمایا کہ شریعت پر قائم رہنا ..... اور شریعت کا ہر مسئلہ علماء سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا۔

---

[1] نافع السالکین ص ۹۷ [2] نافع السالکین ص ۹۷

[3] مراۃ العاشقین ص ۱۹۵ [4] ملفوظات طیبہ ص ۵۶

اسی طرح تمام مشائخ تونسوی اپنے حلقۂ مریدین میں سب سے زیادہ تر پابندیٔ شریعت پر دیتے تھے۔

حق تعالیٰ پر اعتماد اور یقین محکم کی تعلیم

انسان کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ مایوسی اور پریشانی کی حالت میں معبود حقیقی کو چھوڑ کر کمزور مخلوق کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ جس سے اس کی مایوسیوں اور پریشانیوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ مشائخ تونسویؒ نے قوم کے زوال اور مایوسی کے دور میں حق تعالیٰ پر توکل کر کے دنیا کے سامنے خود اپنا عمل کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور اپنے مریدین و متعلقین کو بھی اس کی تعلیم دی۔ خواجہ محمد سلیمان مجلس میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

"گر ہمہ عالم بہم آیند تنگ — بہ نہ شود پائی یکی مورِ لنگ
جملہ جہاں عاجز یک پائے مور — وائی کہ بر قادرِ عالم چہ زور
خیز و اماں در امر انیست خیز — سوئی فقیہانِ خدائی گریز"[1]

اور فرماتے تھے :

"باید کہ رجا از حق تعالیٰ باشد و الْیَأْسُ عَنِ الْخَلْقِ" باشد"[1]

امید تو حق تعالیٰ سے رکھنی چاہیے اور مخلوق سے ناامید رہنا چاہیے۔

نیز فرمایا کرتے ؛

"توقع و تکیہ بغیرِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ خوار و زبون سازد، سالک را باید کہ سوائی جنابِ حق عز و جل تکیہ گاہِ خود نہ بیند و نپسندد"[2]

خداوند تعالیٰ کے بغیر کسی دوسرے پر تکیہ اور بھروسہ رکھنا انسان کو ذلیل و عاجز کرتا ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ سوائے حق تعالیٰ کے اور کسی پر تکیہ و توکل نہ کرے

آں کہ شیر انند روباہ کی شوند؟ — احتیاج خود بہ پیش کی برند

و نیز فرمودند کہ ہمہ اشیا از عرش تا فرش — نیز فرمایا کہ سب اشیا، فرش سے لے کر

---

[1] نافع السالکین ص ۱۲۳
[2] ایضاً ص ۲۰

تابع حکم الٰہی است ؎ — عرش تک حکمِ الٰہی کے تابع ہیں ؎

پرستارِ امرش ہمہ چیز و کس — بنی آدم و مرغ و مور و مگس[1]

خواجہ شمس الدین سیالوی، توکل کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے تھے :

"فرمود اکثر مردمان برائی تسخیر عبادت کنند و از آدمیان حاجات خود طلب کنند، نمی دانند کہ ایشان ہم بدرگاہ قاضی الحاجات محتاج اند۔"[2]

فرمایا کہ اکثر لوگ، دوسروں کو مسخر کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں اور لوگوں سے اپنی حاجتوں کا سوال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ خود بھی اُسی قاضی الحاجات کی درگاہ کے محتاج ہیں۔

عام سماجی برائیوں کی اصلاح

قوموں کے زوال و انحطاط کے زمانہ میں سینکڑوں سماجی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی اصلاح کے بغیر کسی قوم کا دوبارہ زندہ ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے مشائخ تونسوی نے اپنے اپنے حلقہ کے عوام الناس کی تمام اخلاقی کمزوریوں کی بڑی حکمت سے اصلاح کی۔

نافع السالکین ملفوظات خواجہ محمد سلیمان تونسوی، مراۃ العاشقین ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی، "ملفوظات طیبہ" ملفوظات پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور ذکر حبیب (ملفوظات سید حیدر علی شاہ) جلالپوری میں جگہ جگہ بری صحبت، غیبت و عیب جوئی، بے جا غرور و تفاخر، شراب خواری، نفس پرستی، رشوت ستانی وغیرہ سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اعلیٰ اخلاق و اوصاف، نیکی اور ایمانداری کا سبق دیا گیا ہے۔ ان تمام اصلاحی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

۱- پابندی شریعت کی تلقین

مشائخ تونسوی کے نزدیک چونکہ شریعت کی پابندی ہی تمام خرابیوں کی اصلاح کے لیے کافی تھی اس لیے اولین تعلیم پابندی شریعت کی دی جاتی تھی۔ خواجہ محمد سلیمانؒ بار بار فرماتے :-

---

[1] نافع السالکین ص ۱۲۳ — [2] مراۃ العاشقین ص ۸۴

"ہر کہ خواہد مقبول و محبوبِ حق سبحانہٗ تعالیٰ گردد باید کہ در متابعت شریعت ظاہراً و باطناً کوشش نماید"[1]

جو کوئی خداوند تعالیٰ کا مقبول و محبوب بننا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ ظاہر و باطن سے شریعت کی پیروی میں کوشش کرے۔

اور فرماتے کہ انسانیت کا کمال بغیر متابعت شریعت کے حاصل ہونا ناممکن ہے، ارشاد ہوتا ہے :۔

"حصولِ کمالِ انسانی بغیر متابعتِ شریعت ظاہری و باطنی از قبیل محالات است"[2]

شریعت کی ظاہری و باطنی پابندی کے بغیر انسانی کمال کا حاصل ہونا محالات میں سے ہے۔

۲۔ بُری صحبت سے بچو

بری صحبت کے اثرات اظہر من الشمس ہیں، صحبتِ بد سے اجتناب کے بغیر تمام اصلاحی کوششیں بیکار ہوتی ہیں اور اچھی صحبت سے آدمی تمام اچھائیوں کو جذب کر لیتا ہے، ارشاد ہوتا ہے ؎

" صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند"[3]

اس ضمن میں آپ نہایت سبق آموز حکایتیں اور قصے بیان فرماتے، ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ ایک شخص قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کا مرید تھا اور بہت پرہیز گار اور خدا ترس آدمی تھا اتفاق سے کچھ عرصہ کے بعد وہ پہاڑی اقوام میں چلا گیا جو رہزنی کیا کرتی تھیں۔ اُن کے صحبت کے اثر سے وہ بھی رہزنی کرنے لگا۔[4]

ایک دفعہ ارشاد فرمایا :۔

" در عوارف شریف شیخ شیوخ العالم شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ آوردہ کہ مار لیست نظری او چناں تاثیر دارد ہر چیزی کہ رسد بالفعل سوختہ گردد، ہرگاہ او سبحانہٗ تعالیٰ در نظرِ حیوان ایں چنیں اثر داشتہ

عوارف المعارف مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ میں آیا ہے کہ ایک سانپ اس قسم کا ہوتا ہے جس کی نظر میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ جس چیز پر اس کی نظر پڑتی ہے فوراً جل جاتی ہے جب

۱؎ نافع السالکین ص ۴۵ ۲؎ نافع السالکین ص ۴۹
۳؎ ایضاً ص ۷ ۴؎ ایضاً ص ۷

پس در نظرِ انسانِ کامل کہ اشرفِ موجودات است، چہ گونہ نباشد[1]"

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایک حیوان کی نظر میں ایسی تاثیر رکھی ہے، تو ایک انسانِ کامل جو کہ اشرفِ موجودات ہے، کی نظر میں، کیا کچھ تاثیر نہ ہوگی۔

خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے فرمایا:۔

" سالک را باید کہ صحبت صالحین حاصل نماید و از صحبتِ بد پرہیز کند و از صحبت جاہل نہایت احتراز کند کہ زہر قاتل است چنانچہ مولانا رومی فرمود"

سالک کو چاہیئے کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے اور بُری صحبت سے پرہیز کرے۔ اور جاہل کی صحبت سے بہت زیادہ پرہیز کرے کہ وہ تو زہر قاتل ہے جیسا کہ مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے ۔

دوستیِ جاہلِ شیرین سخن
کم شنو کان ہست چون سمِ کہن[2]"

۳۔ غرور و تفاخر سے بچو

کسی کو حقارت سے نہ دیکھو، عجز و انکساری سے رہو اور اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھو نہ ہی کسی سے حسد کرو۔

خواجہ تونسوی نے فرمایا:۔

"ہر کہ خود را از ہمہ کس کم داند او مقبول و محبوب حق تعالیٰ باشد"

جو کوئی اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے وہی حق تعالیٰ کا مقبول و محبوب ہے۔

نیز فرمودند۔

گلِ توحید نہ روید بہ زمینے کہ درو
خارِ شرک و حسد و ریا و کین است[3]"

خواجہ شمس الدین سیالوی نے فرمایا:۔

" تکبر موجب غضبِ خدا تعالیٰ و مضر

تکبر اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب اور ایمان

---

[1] نافع السالکین ص ۵۲ [2] مراۃ العاشقین ص ۱۵۲

[3] ایضاً ص ۲۹، ۱۱۰

"ایمان است و باز دارندہ از عرفان و ذلیل کنندۂ بندگان است[1]"

کے لیے مضر ہے۔ اور حصولِ معرفت الٰہی میں رکاوٹ اور متکبر لوگوں کو ذلیل کرنے والی چیز ہے۔

۴۔ مخلوقِ خدا کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آؤ، اور آپس میں اتفاق و محبت سے رہو۔

خواجہ محمد سلیمان نے فرمایا:۔

"سالک را باید کہ ہمہ خلق را چہ شریف و چہ خسیس بہ شفقت و رحمت ناظر باشد تا حق تعالیٰ بروی رحمت کند[2]"

سالک کو چاہیئے کہ تمام مخلوق کیا ادنیٰ کیا اعلیٰ، کو شفقت و مہربانی کی نظر سے دیکھے تاکہ حق تعالیٰ اس پر رحمت کی نظر فرمائیں۔

سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری نے فرمایا:۔

"مسلمانوں کی ہزیمت کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مخالفت رکھتے ہیں دوسری قومیں باہم متفق ہوتی ہیں۔ اتفاق ایک ایسی چیز ہے جو طرفِ ثانی (مخالف) کو ہزیمت دیتی ہے[3]۔"

پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے ارشاد فرمایا:۔

"باہم اخلاص ورزیدن و الفت و محبت داشتن وصفی است اعلیٰ ترین از جملہ اوصافِ اہل اسلام[4]"

ایک دوسرے سے اخلاص برتنا اور محبت و الفت سے پیش آنا، اہلِ اسلام کے اعلیٰ ترین اوصاف میں سے ہے۔

۵۔ غیبت اور عیب جوئی سے بچو۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے فرمایا:۔

"سالک را باید کہ بہ سبب عیب بینیٔ

سالک کو چاہیئے کہ اپنے عیبوں پر نظر رکھنے

---

[1] مراۃ العاشقین ص ۱۲۲ — [2] نافع السالکین ص ۲۲

[3] ذکر حبیب ص ۳۴۴ — [4] ملفوظاتِ طیبہ ص ۱۰۲

خویش از عیب خلق چشم بہ بندد کہ عین سعادت و رضامندی حق سبحانہٗ درین مندرج است[۱]"

کے سبب مخلوق کے عیب دیکھنے سے اپنی آنکھ بند رکھے کیونکہ یہی عین سعادت ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی بھی اسی میں ہے۔

نیز فرمودند :-

"غیبت از سرقت بداست، زیراکہ در سرقت سارق چیزی دزدی می خورد و در غیبت ہیچ سود نیست بلکہ اعمال غیبت کنندہ خاکستر شود[۲]"

غیبت کرنا چوری سے بھی بدتر گناہ ہے کیونکہ چوری کرکے چور کچھ کھا پی لیتا ہے لیکن غیبت کرنے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ غیبت کرنیوالے کے تمام نیک اعمال بھسم ہو جاتے ہیں

پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے فرمایا:-

"دریں زمانہ عادتِ مردم خام مزاج چنیں جاری شدہ است کہ نقشبندیاں می گویند چشتیاں ہیچ نیستند و چشتیان می گویند کہ نقشبندیاں ہیچ نیستند، ہم چنیں قادریاں وغیرہ درپئی یکدیگر اند، مشائخ متقدمین ازیں منہج ناپسندیدہ بسیار دور و بعید گزشتہ اند، و در دلہائی ہم چنیں خیالاتِ فاسدہ ہرگز راہ نیافتہ..... ہمچنیں مقلدینِ مذاہب اربعہ اگر بر یک دیگر حملہ کنند، و بگویند کہ حنفی ہیچ نیستند و یا مالکی نہ فہمیدہ اند، و از یک دیگری تفارق کلی ورزند، پس بر ایں صورت تقلیدِ مذاہب ہم حجاب است[۳]"

اس زمانہ میں خام طبیعت لوگوں کی عادت بن گئی ہے کہ نقشبندیوں کے متوسلین کہتے ہیں کہ چشتی کوئی چیز نہیں اور چشتیوں کے مریدین کہتے ہیں کہ نقشبندی کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح خاندانِ قادریہ کے متوسلین ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں۔ پہلے بزرگ اس قسم کی خام کاری سے علیحدہ اور دور تھے۔ اور ان کے دلوں میں اس قسم کے خیالات ہرگز نہیں تھے۔ اسی طرح اگر اہلسنت والجماعت کے چاروں مذہبوں کے مقلدین ایک دوسرے پر طعن تشنیع کرنے لگیں اور یوں کہیں کہ حنفی کوئی چیز نہیں یا مالکی کچھ نہیں سمجھتے اور ایک دوسرے

---

[۱] نافع السالکین ص ۴۳

[۲] نافع السالکین ص ۸۴

[۳] ملفوظات طیبہ ص ۱۳۸

سے تخالف اختیار کرلیں، تو اس صورت میں خود تقلیدِ مذہب ہی حجاب بن کر رہ جاتا ہے۔

۶۔ حرام خوری اور رشوت ستانی سے پرہیز کرو۔

حرام خوری کی مذمت میں خواجہ محمد سلیمان نے فرمایا:۔

"ہر کہ حرام خورد، رزق او تنگ شود و عاجز باشد چنانچہ دزدان ہمیشہ خوار باشند"[1]

جو کوئی حرام کھاتا ہے اُس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور عاجز و ذلیل ہو جاتا ہے چنانچہ چور ہمیشہ ذلیل و خوار رہتے ہیں۔

اور آپ نے رشوت خور حاکموں اور قاضیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"در زمانِ سابقہ قاضی صاحب نسبت می بودند، حالا رشوت خوارند"[2]

پہلے زمانہ کے قاضی صاحب نسبت ہوا کرتے تھے، اس دور کے قاضی رشوت خور ہیں

نیز فرمودند "ہر اہل کار دریں زمان کہ می آید از سابق بدتر باشد"[3]

اس زمانہ میں جو نیا اہل کارِ حکومت آتا ہے اپہلوں سے بدتر ہوتا ہے۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے فرمایا:۔

" دنیا فی نفس الامر زبون نیست بلکہ بحکم حدیث مزرعۂ آخرت است اما تصرفات او مختلف اند، اگر آن راموافق خواہشِ نفسانی صرف کند مار گردد، واگر موافق فرمانِ خدا و رسول او خرچ کند سعادتِ دارین یابد"[4]

دنیا فی نفسہ بُری چیز نہیں ہے بلکہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، آخرت کی کھیتی ہے لیکن اس کے مواقع خرچ مختلف ہیں۔ اگر اسے خواہش نفسانی کے مطابق خرچ کیا جائے تو گویا سانپ ہے اور اگر خدا اور رسول ؐ کے حکم کے مطابق خرچ کیا جائے تو دین و دنیا کی سعادت حاصل ہو۔

---

[1] نافع السالکین ص ۱۰۴ [2] نافع السالکین ص ۱۰۴

[3] نافع السالکین ص ۹۱ [4] مراۃ العاشقین ص ۱۵۶

۷- احتکار اور ذخیرہ اندوزی سے بچنے کی تلقین

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے فرمایا :-

" اگر کسی سوداگری دانہ گندم کند برین نیت کہ غلہ بہ قیمت گران خواہم فروخت این امر در شریعت ممنوع است بلکہ ہر کہ این نیت کند عاقبت الامر خوار بہ میرد[1] "

اگر کوئی آدمی غلہ گندم کی سوداگری اس نیت سے کرے کہ قلت کے وقت زیادہ قیمت پر بیچوں گا تو یہ کام شریعت میں منع ہے۔ بلکہ جو اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے آخر کار ذلیل ہو کر مرتا ہے۔

خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے فرمایا :-

" در سلک مایان عمل نان دادن بر جملہ اعمال مقدم داشتہ اند، پس درویش را باید کہ حسب المقدور درین باب سعی بلیغ نماید[2] "

ہمارے بزرگوں کے مسلک میں لوگوں کو کھانا کھلانے کے عمل کو دوسرے اعمال سے مقدم رکھا گیا ہے۔ پس درویش کو چاہیئے کہ حسب توفیق اس بارے میں پوری کوشش کرے۔

۸- والدین کے ساتھ نیک سلوک

اخلاقی اور سماجی کمزوریوں میں سے ایک بڑی کمزوری والدین اور اولاد کے تعلقات کی خرابی تھی۔ مشائخ تونسوی نے اس کی بھی اصلاح کی۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے فرمایا :-

" خدمت و فرمانبرداری والدین از دل و جان باید کرد کہ در حدیث آمدہ است کہ والدین مثل کعبۃ اللہ اند[3] "

والدین کی خدمت دل و جان سے کرنی چاہیئے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ والدین بیت اللہ کی طرح (محترم) ہیں۔

---

[1] نافع السالکین ص ۱۵۸ [2] مراۃ العاشقین ص ۱۰۶

[3] ایضاً ص ۱۵۲

۹۔ فسق و فجور سے اجتناب کی تلقین

خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے فرمایا :۔

"عشق در زیدن با کودکان و زنان بلائیست، ازیں دور باید بود[۱]" — مردوں اور عورتوں سے عشق بازی کرنا ایک بڑی آفت ہے اس سے دُور رہنا چاہیئے۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے فرمایا :۔

"زنان دامہائے شیطان اند ہر کہ گمراہ شد، بدام زنان گرفتار شد[۲]" — عورتیں شیطان کا جال ہیں، گمراہ آدمی ہی عورتوں کے جال میں پھنستا ہے۔

۱۰۔ عمل صالح، نیک سیرتی اختیار کرنے کی تلقین

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے فرمایا :۔

"سالک را باید کہ در سیرت کوشد نہ در صورت، یعنی در ازالۂ اخلاق ذمیمہ نہ در عبادت ظاہری، کہ حصول مقصد یقین بدونِ آن میسر نیست[۳]" — سالک کو چاہیئے کہ سیرت کو سنوارنے کی کوشش کرنے نہ کہ صورت کو، یعنی ظاہری عبادت کی بہ نسبت اخلاقِ ذمیمہ کو دور کرنے کی زیادہ کوشش کرے، کیونکہ یقینِ کامل کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں۔

سید غلام حیدر علیشاہ جلالپوری نے فرمایا :۔

" سالک کو چاہیئے کہ اوصافِ باطن کے حصول میں کوشش کرے، ظاہر کچھ بھی ہو، درویشی لباسِ ظاہری پر موقوف نہیں ہے ۔

حاجت بہ کلاہِ برکی داشتنت نیست — درویش صفت باش و کلاہ تتری دار[۴]"

---

[۱] نافع السالکین ص ۱۵۶ — [۲] مراۃ العاشقین ص ۱۲۸

[۳] ایضاً ص ۱۵۸ — [۴] ذکر حبیب ص ۳۱۲

۱۱۔ الحاد و اباحت سے اجتناب[1]

پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے فرمایا :۔

"درین تزدیکی مردمان طوری عجیب اختیار کردہ اند، معجزات و کرامات را انکار می کنند، و حدودِ شرع را پروانہ دارند و ایں مذہبِ غیر مہذّب خود را گاہ بہ آزادی و گاہ بہ روشنیٔ جدید و گاہ بہ قانونِ قدرت موسوم می کنند، در حقیقت ایں روشِ نازیبا انکارِ قدرت و ظلمتِ شب یلدائی اوہام است کہ بر قلوب ساتر شدہ است۔ تعلیمِ الٰہی ما فوقِ عقل بشری است...... در حصول ادنیٰ فنون ہم حاجیٔ استاد خالی است پس در فنِ خدا دانی و حق شناسی بہ طریقۂ اولیٰ ضرورت آں معلمین است کہ نفوس قدسیہ ایشاں را حاجتِ دلائل نظریہ نیست و پیش مشاہدہ و یقین ایشاں دلائل مخالفین ہیچ و پوچ ہمچوں تارہائی عنکبوت اند"[1]

اس دور میں لوگوں نے عجیب طور طریقے اختیار کر لیے ہیں معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیا کا انکار کرتے ہیں اور شرعی حدود کی پرواہ نہیں کرتے اور اپنے اس ناشائستہ مذہب کا نام کبھی "آزادی" اور کبھی "نئی روشنی" اور کبھی قانون فطرت رکھتے ہیں۔ در حقیقت یہ ناپسندیدہ طریقہ، انکارِ قدرتِ الٰہیہ ہے اور ظن و تخمین کی اندھیری رات کی سیاہی ہے جو دلوں پر چھا گئی ہے۔ شریعتِ الٰہی کی تعلیم عقل سے بالا چیز ہے۔ ادنیٰ فنون کے سیکھنے کے لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ فنِ خدا دانی اور خدا شناسی کے لیے بدرجۂ اولیٰ ایسے استادوں اور رہبروں کی ضرورت ہے کہ جن کے پاک نفوس کو ایمان و یقین کے لیے نظری دلائل کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جن کا مشاہدہِ حق و یقین اس درجہ کا ہو کہ جس کے سامنے مخالفین کے دلائل تارِ عنکبوت کی طرح ہیچ اور کمزور ہوں۔

---

[1] ملفوظات طیبہ ص ۱۳۶

باب نہم

مشائخ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ کی علمی و ادبی خدمات

اصل فارسی مقالہ کے باب نہم میں مشائخ تونسوی اور ان کے خلفاؤ مریدین کی خدمات "دربارۂ ادبیاتِ زبان فارسی" کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں زبان فارسی کی مختصر تاریخ اور عہد بعہد اور درجہ بدرجہ زبان کی ترقی کا حال بیان کیا گیا ہے اور ہر دور کے مشہور مصنفین اور ان کی اہم مصنفات کی تفصیل دی گئی ہے۔

فصل اوّل میں سلاطینِ غزنی، غوری اور سلاطین دہلی کے سیاسی حالات کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کی برصغیر (ہند و پاکستان) میں آمد آمد کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور اس دور کی اہم تصانیف کی فہرست دی گئی ہے۔

فصل دوم میں شاہنشاہانِ مغول تیموریہ کی تاریخ اور زبانِ فارسی کے عروج کا حال بیان کیا گیا ہے اور اس دور کے مشہور مصنفین اور ان کی تصانیف کی فہرست دی گئی ہے۔

فصل سوم میں شاہنشاہانِ مغول تیموریہ کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ زبانِ فارسی کے زوال کا حال بیان کیا گیا ہے اور انگریزوں کے اثر و نفوذ در برصغیر کا مختصر حال بیان کیا گیا ہے نیز اس دور کی اہم تصانیف کی فہرست دی گئی ہے۔

فصل چہارم۔ زبانِ فارسی کے زوال کے ساتھ ساتھ زبانِ اردو کے رواج اور اس کے عہد بعہد ارتقا کا حال بیان کیا گیا ہے۔ نیز اس دور میں اردو زبان میں جو اہم مذہبی کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی مختصر فہرست دی گئی ہے۔

فصل پنجم میں مشائخ تونسوی اور ان کے خلفا اور مریدین کی فارسی اور اردو تصانیف کی

فہرست دی گئی ہے۔

یہ باب نہم کے مندرجات کا خلاصہ ہے۔ چونکہ اس باب کا تعلق خالص ادبیات سے ہے جس سے عامۃ المسلمین کو کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے اس لیے اس کتاب میں باب نہم کی تفصیل حذف کردی گئی ہے۔ مشائخ تونسویؒ اور ان کے خلفا کی تصانیف کا ذکر ان مشائخ کے احوال کے ساتھ ساتھ کردیا گیا ہے۔ اس لیے اس باب کے حذف کر دینے سے بھی کتاب میں کسی اہم جز کی کمی نہیں ہوئی ہے

باب دہم

مشائخ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ کی اہم تصانیف کا تحقیقی مطالعہ

اس باب میں مشائخ تونسوی اور ان کے خلفا اور مریدین کی تصانیف میں سے چند اہم تصانیف کا تنقیدی مطالعہ (CRITICAL STUDY) کیا گیا ہے۔

جن کتابوں کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے ان کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

آثار منثور

(ا) تذکرہ

۱۔ راحت العاشقین (قلمی) تالیف محمد (مرید خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ)

۲۔ مناقب سلیمانی (مطبوعہ) تالیف غلام محمد خان (مرید خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ)

(ب) ملفوظات

۱۔ نافع السالکین (مطبوعہ) مرتبہ امام الدین پاک پتنی (خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ)

۲۔ منتخب المناقب (قلمی) مرتبہ یار محمد ذوقی بن تاج محمد (مرید خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ)

۳۔ مرآۃ العاشقین (مطبوعہ) مرتبہ سید محمد سعید (خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالویؒ)

۴۔ ملفوظات طیبہ (مطبوعہ) مرتبہ مولوی فقیر محمد پشاوری و مولوی عبدالحق سسرالوی (مریدین سید مہر علی شاہ گولڑوی)

اثر منظوم

دیوان (مطبوعہ) اثر خدا بخش صابر (مرید خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ)

چونکہ ان کتابوں کا تنقیدی مطالعہ ادبی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔ جس سے عام خواندگان کرام کو دلچسپی نہیں ہو سکتی ہے اس لیے ان کتابوں پر تبصرہ کا حصہ اس کتاب میں سے حذف کر دیا گیا ہے۔

البتہ اثرِ منظوم یعنی دیوان خدا بخش صابر کا تنقیدی مطالعہ چونکہ اہل ذوق کی دلچسپی کی چیز ہے اس لیے اس باب میں آئندہ سطور میں دیوان خدا بخش صابر کا مطالعہ کیا گیا ہے اور نمونہ کی چند غزلیں بھی دی گئی ہیں۔ لیکن ادبی مطالعہ کا حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔

اثر منظوم

دیوان مولانا خدا بخش صابر مرید خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ

مولانا خدا بخش صابر اور ان کے دیوان کے بارے میں سب سے پہلے مولوی صالح محمد کی تالیف "سیرت سلیمان" میں حسب ذیل تحریر ہماری نظر سے گزری۔

" آپ (خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ) کے دربار کے بیشتر عالم ایسے تھے، جو شعر کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے، اور بعض خود لکھتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب پشاوری، تاریخ نویسی اور بدیہہ گوئی میں مشہور تھے۔ مولانا خدا بخش صابر" نصاب ضروری" کے مؤلف اور صاحب دیوان بزرگ تھے۔ واقعات کربلا کو نظم کیا۔ "روضۃ الصابرین" کے نام سے ان کی مثنوی بے بدل ہے[1]"

اس عبارت سے ہمارے علم میں یہ بات آئی کہ مولانا خدا بخش صابر، صاحبِ دیوان بزرگ تھے۔ کچھ عرصہ تک ہم اس دیوان کی تلاش میں رہے لیکن مشائخ سلسلہ چشتیہ تونسویہ کی خانقاہوں کے کتب خانوں میں سے کہیں بھی اس کا پتہ نہ چلا۔

علاوہ ازیں پاکستان کے دوسرے بڑے کتب خانوں اور قلمی مخطوطات کے ذخائر میں

---

[1] سیرت سلیمان ص ۱۷۹

بھی اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ تا اینکہ ۱۹۶۶ء میں لاہور کے ایک کتب خانہ سے راقم السطور کو ایک کتاب بعنوانِ ذیل دستیاب ہوئی :-

"ارمغانِ صابرؒ"

دیوان مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ کلیری

یہ کتاب حسب ذیل مندرجات پر مشتمل ہے۔

۱۔ "انتساب بہ صاحبِ دیوان۔ مخدوم پاک، آفتاب چشتیاں، واقفِ رازِ خفی و جلی، جگر گوشۂ بتول و علیؓ، کاشف سرِ فنا و بقا، چشت نگر کے شہنشاہ، حضرت سید علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ"

۲۔ اظہارِ تشکر۔ از جانب ناشرین ارمغانِ صابر بہ سید عبدالحمید الگیلانی، جنہوں نے دیوان صابرؒ کا قدیم مطبوعہ نسخہ ناشرین کو مہیا کیا۔ اور بہ جناب احسان قریشی صاحب ایم اے پی۔ ای۔ ایس پرنسپل گورنمنٹ کمرشل کالج سیالکوٹ، جنہوں نے ناشرین کو چیدہ چیدہ غزلیاتِ صابرؒ ارسال کیں۔

۳۔ دیباچہ بقلم احسان قریشی صاحب موصوف۔ جس میں ناشرین کے لیے اظہار مسرت و خوشنودی کیا گیا ہے۔ جنہوں نے دیوان صابرؒ کا ایک نسخہ تلاش کر کے اسے شائع کیا۔

دیوانِ صابر۔ پہلی دفعہ ۱۸۸۸ء میں دہلی میں چھپا تھا اور بالکل نایاب تھا۔

۴۔ شجرۂ صابری۔ یعنی حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابرؒ کا شجرۂ نسب۔

۵۔ حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابرؒ کے مختصر سوانح حیات، بقلم احسان قریشی صاحب موصوف۔

۶۔ غزلیات۔ اس مجموعہ میں کل غزلیات دو سو اکتالیس ہیں۔ البتہ غزل نمبر ۲۱، کے صفحہ نمبر ۲۳۴ کے چار اشعار دوبارہ صفحہ نمبر ۲۵۹ پر درج کیے گئے ہیں۔

شاعر تمام غزلیات کے مقطع میں (سوائے غزل نمبر ۱۲، ۱۰۲) اپنا تخلص صابرؒ لایا ہے لیکن غزل نمبر ۲۴ کے مقطع میں تخلص احمد آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی دوسرے

شاعر کی غزل ہے۔

قبل اس کے کہ ہم اس کتاب "ارمغان صابر" کے تاریخی حقائق (جن کا اس دیوان میں ذکر ہے) کا تجزیہ کریں۔ ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ کا مختصر حال بیان کریں اور اس کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور ان کے نبیرہ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے زمانہ کے اُن تاریخی حقائق کا بیان کریں جن کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔ اس کے بعد انہی ٹھوس تاریخی حقائق سے یہ ثابت کردیں کہ یہ دیوان، حضرت علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ کا دیوان نہیں ہے بلکہ یہ مولانا خدا بخش صابر مرید خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا دیوان ہے۔

خواجہ علاء الدین علی احمد صابر

خواجہ علاء الدین علی احمد صابر، حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر (متوفی ۶۶۲ھ/۱۲۶۵م) کے دوسرے خلیفہ اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بانی ہیں۔ حضرت گنج شکرؒ کے پہلے خلیفہ سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے اثرات اُن کی زندگی ہی میں سارے ہندوستان میں پھیل گئے تھے اور انہوں نے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ کے ہر طبقہ کو متاثر کیا، اور حکومت سے لے کر عوام تک کو اپنے حلقۂ ارادت و عقیدت میں لیا۔ لیکن شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ نے سکر و استغراق کی وجہ سے زاویۂ خمول میں اپنی عمر بسر کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حالات سے معاصر تذکرے اور تاریخیں خالی ہیں بعد کے لوگوں نے کچھ تو قیاسات سے اور کچھ اِدھر اُدھر کی روایات سے ان کے تذکرے مرتب کیے ہیں جو کہ سارے کے سارے غیر مستند ہیں۔

آپ کے معاصر حضرت امیر خورد سید محمد بن مبارک کرمانیؒ نے سیر الاولیاء میں آپ کے ذکر میں صرف چند سطور لکھی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

بندہ از خدمتِ والد خود رحمۃ اللہ علیہ سماع دارد کہ درویشے بود بزرگ صاحب نعمت کہ اورا علی صابر گفتند، در درویشی	بندہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ ایک عالی مرتبہ درویش تھے جن کو شیخ علی صابر کہتے تھے، درویشی میں

قدمے ثابت و نفسے گیرا داشت و ساکن	راسخ اور صاحب نسبت و تاثیر قصبہ
قصبہ دیگر ہی بودی و پیوند بخدمت شیخ	دیگر ہی کے رہنے والے تھے۔ حضرت
شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہٗ	شیخ فرید الدینؒ سے نسبتِ خویشی
العزیز داشت۔ اورا از حضرت شیخ	رکھتے تھے اور آپ نے اُن کو اجازت
شیوخ العالم اجازتِ بیعت بود[1]	بیعت دے رکھی تھی۔

شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری کی وفات ۶۹۸ھ/ ۱۲۹۸ء میں ہوئی[2]

اب ہم اسی کتاب " ارمغانِ صابر " میں سے چند دلائل پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہوگا کہ یہ دیوان، دیوانِ خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر نہیں ہے، بلکہ یہ دیوان، دیوانِ خدا بخش صابر مرید خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ ہے۔ ہمارے دلائل حسبِ ذیل ہیں :-

۱۔ اولاً۔ اس دیوان میں ان بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر (المتوفی ۶۹۸ھ/ ۱۲۹۸ء) کی وفات کے بعد اور حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے تولد (متولد ۱۱۸۴ھ/ ۱۷۷۰ء) سے قبل اس دنیائے آب و گل میں موجود رہے مثلاً

(۱) خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی سلطان المشائخ (المتوفی ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵م)

شاعر نے ایک غزل حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی مدح میں کہی ہے جس میں حضرت سلطان المشائخ کے لیے نہایت تعظیم و اکرام ظاہر کیا ہے۔ غزل نمبر ۶۲ صفحہ ۷۶ کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

نشین در بزم سلطانِ مشائخ	کہ ذاتِ اوست ایمانِ مشائخ
ظہورِ گنج شکر در رُخِ اوست	ازین وجہ است سلطانِ مشائخ
نظام الدین، نظام الدین بگویید	کہ یادِ اوست سامانِ مشائخ
تو نامش را درونِ دل نگہدار	کہ نامِ اوست درمانِ مشائخ
زمن بشنو، نظام الدین چشتی	کہ ہست اندر جہان جانِ مشائخ

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۸۵ [2] سیر الاقطاب ص ۱۸۴

بخاکِ کوئ او بسر بر نہادم　　　که کوئی اوست بستانِ مشائخ

غزل نمبر ۲۲۶، صفحہ ۲۴۳ کا یہ شعر ملاحظہ ہو :-

زامدادِ نظام الدین چشتی　　　بہشتی ام بہشتی ام بہشتی

شاعر نے کس طرح اپنا سرِ ارادت کوئے نظام الدین چشتی میں خم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ غزل خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابرؒ کی نہیں ہے۔

(۲) شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (متوفی ۷۵۷ھ/۱۳۵۶م)

شاعر غزل نمبر ۲۱۰ (صفحہ ۲۲۷) میں کہتا ہے ؎

اگر خواہی کہ گردی در جہانِ عشق شمعِ دین　　　بیا ای دیدۂ دل، رو بدرگاہ نصیر الدین

نیز غزل نمبر ۲۲۸ (صفحہ ۲۴۵) میں کہتا ہے ؎

بجز ذاتِ نصیر الدین محمود　　　ندیدم در جہان سامانِ دہلی

اس دوسرے شعر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کے مزار پر حاضر ہوا ہے اور زیارتِ مزار کی مناسبت سے یہ شعر کہا ہے۔

(ب) دوم، اس دیوان میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور ان کے اعقاب کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) غزل نمبر ۴۷ صفحہ ۶۱ کا یہ شعر ملاحظہ ہو :-

از کمالاتِ احمد و محمود　　　ذاتِ پاکِ تو چوں سلیمان است

اس شعر میں خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے نام کے علاوہ احمد اور محمود پسرانِ خواجہ اللہ بخش تونسوی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور کلمات "ذاتِ پاک" سے خواجہ اللہ بخش نبیرہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۲) غزل نمبر ۱۴۸، صفحہ ۱۶۴

من دگر گفت گو نمی دانم　　　از ازل عاشقِ سلیمانم

از ازل تا ابد ز روئی یقین　　　جز درِ پیرِ خود نمی دانم

(۳) غزل نمبر ۱۶۲ - صفحہ ۱۷۸

درین دیار مرا نیست باکسی کاری | کہ من ز روزِ ازل عاشقِ سلیمانم

(۴) غزل نمبر ۲۱۸ - صفحہ ۲۳۵

سر بہ درت نہادم چوں بندگانِ عاجز | گیری زلُطف دستم ای قطبِ دین سلیمان

(۵) غزل نمبر ۲۲۸، صفحہ ۲۴۵

رسیدم بر درِ برہانِ دھلی | سلیمانِ منت ایمان دھلی

ان سب اشعار میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا نام لایا گیا ہے۔

(ج) سوم، اس دیوان میں خواجہ اللہ بخش تونسوی نبیرہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا ذکر کیا گیا ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ احمد اور محمود دونوں خواجہ اللہ بخشؒ کے صاحبزادوں کے نام ہیں، اس مناسبت سے شاعر خواجہ اللہ بخشؒ کو ابو احمد کہتا ہے اور بعض اشعار میں خواجہ اللہ بخشؒ کے لیے کلمہ "خوندکار" لاتا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔ اشعار حسب ذیل:۔

۱۔ غزل نمبر ۳۴، صفحہ ۴۸

شاہدِ ما شیخ ابو احمد است | زانکہ بالحق واقفِ اسرار ماست

قبلۂ جان و دِل و ایمانِ ما | در دو جہان حضرت خوندکار ماست

۲۔ غزل نمبر ۵۷۔ صفحہ ۷۱

مظہرِ سرّ خدا حضرت خوندکار ماست | مطلعِ نورِ خدا حضرتِ خوندکار ماست

اس غزل کے تمام اشعار میں ردیف و قافیہ میں کلمہ "خوندکار ماست" استعمال کیا گیا ہے

جیسا کہ باب سوم کی فصل اوّل میں بیان کیا گیا ہے کہ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۵ء میں دہلی کا سفر کیا تھا، اور بزرگانِ سلسلہ چشت کے مزارات کی زیارت کی تھی۔ اس سفر میں شاعر نے بھی خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کی رفاقت میں بزرگانِ سلسلہ چشت کے مزارات کی زیارت کی تھی۔ چونکہ خواجہ اللہ بخشؒ براستہ اجمیر دہلی گئے تھے۔ اور شاعر بھی آپ کے ہمراہ تھا اس لیے شاعر نے حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ کے مزار پر حاضر ہو کر ایک غزل کہی۔ ملاحظہ ہو

غزل نمبر ۲۱۶، ص ۲۳۳ :-

اوفتادم بصد ہزار اُمّید　　بردرت بے نوا معین الدینؒ

اور دہلی پہنچنے پر ایک پوری غزل کہی جس میں بزرگانِ سلسلۂ چشت کا ذکر کیا گیا ہے۔
ملاحظہ ہو غزل نمبر ۲۲۸۔ ص ۲۴۵ :-

رسیدم بر درِ برہانِ دہلی　　سلیمانِ منتِ ایمانِ دہلی
جمالِ حضرتِ سلطان دیدم　　شدم از صدقِ دل قربانِ دہلی
ندارم ہیچ غم از لطفِ یزدان　　مددگارم شدہ سلطانِ دہلی
کنم بر سر ہمہ اعدائی خود را　　ظفر با ماست در میدانِ دہلی
ز نورِ روضۂ قطب منوّر　　بہشت آمد بچشم شانِ دہلی
بجز ذات نصیر الدین محمود　　ندیدم در جہان سامانِ دہلی
ز بہر حفظ وصونِ من ز آفت　　رسیدند از کرم مردانِ دہلی
حسودان مرا در ہر دو عالم　　بسوزد غیرتِ پیرانِ دہلی
شدم آرایشِ گلزارِ جنّت　　چو آمد در نظر بستانِ دہلی
جہان و اہلِ آن دیدم، ندیدم　　بعالم، ہمسرِ مستانِ دہلی
نیم من طالبِ زہد ریائی　　نیم ہم مشربِ رندانِ دہلی

اس غزل میں بزرگانِ سلسلۂ چشت کے ذکر کے علاوہ، شاعر، خواجہ ابو احمد اللہ بخش تونسویؒ کے بارے میں کہتا ہے :-

بہ بزمِ شیخ ابو احمد بصد ذوق　　نشینم مست در ایوانِ دہلی
بود این شیخ ممدوح و مکرّم　　چو بسم اللہ بر قرآنِ دہلی
چو او کس نیست چوں در دہر امروز　　ندارد طاقتِ ہجرانِ دہلی
ہزاران شکرِ ایزد کن چو صابر　　کہ آمد در کفت دامانِ دہلی

شاعر نے ایک پوری غزل دہلی کی تعریف میں کہی ہے۔ ملاحظہ ہو غزل نمبر ۲۳۸، ص ۲۵۵

یارب بنما جمالِ دہلی　　یارب بنما کمالِ دہلی

ہستم ز شام تا دمِ صبح	در آرزوئ وصالِ دہلی
بہتر بود از درختِ طوبیٰ	اندر نظرم نہالِ دہلی
از سر تا پا شوم فدائش	ہر کس کہ کند مقالِ دہلی
غم نیست مرا ز شرِّ دشمن	در دم سوزد جلالِ دہلی
دیدم ہمہ جا نیافتم من	در ہر دو جہان مثالِ دہلی
لذت بخشد چو آبِ حیوان	صابر بدلم زلالِ دہلی

(د) شاعر نے بعض غزلوں میں خواجہ اللہ بخش تونسوی کے صاحبزادہ خواجہ محمود صاحب تونسوی (متوفی ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء) کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ملاحظہ ہو غزل نمبر ۳۴-ص ۴۸ :-

خواجۂ محمود ز لطف و کرم	قوّتِ بخشِ دلِ بیمار ماست

غزل نمبر ۴۷-ص ۶۱ :-

از کمالاتِ احمد و محمود	ذاتِ پاکِ تو چون سلیمان است

غزل نمبر ۱۹۹-ص ۲۱۶ :-

من از کمال محمود دارم امید ہای	دستم بگیر از لطف ای حضرت سلیمانؒ

غزل نمبر ۱۴۴، ص ۱۶۰ :-

من و ذوقِ کمالِ سرِّ محمود	بجز نورِ سلیمانی ندارم

علاوہ بہت سی عارفانہ غزلوں کے جن میں شاعر نے خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کی تعریف کی ہے۔ شاعر نے مندرجہ ذیل مشائخ کی بھی بعض غزلوں میں مدح کہی ہے :-

۱- شیخ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ

۲- شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ

۳- شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

(ہ) چونکہ شاعر نے اپنی عمر کا بیشتر حصّہ تونسہ شریف میں بسر کیا - اور اس علاقہ میں بارش

بہت کم ہوتی ہے۔ اس لیے شاعر نے اپنے کلام میں بارگاہ خداوندی میں بارش برسنے کی استدعا کی ہے۔ اور چار غزلیں اس موضوع پر اس دیوان میں موجود ہیں۔ ان چاروں غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

۱- غزل نمبر ۸۰، ص ۹۴

ز روز اوّل از حکم خداوند — جہان را ز ابر و باراں ہست پیوند
بیا ای ابر از حکم الٰہی — کہ تا گردد جہان زین لطف خورسند
جہاں شد برہم از خشکی بصد درد — جدا افتادہ اند، از جوش فرزند
ہمیں گوید بہ پیشت صابر از عجز — تو راہِ ابر و باران را مکن بند

غزل نمبر ۸۱، ص ۹۵

تو از راہِ کرم رہ باران بہ خلقہای مبند — بہ ذاتِ پاکِ تو من می دہم ترا سوگند
یکی تو از کرم کارسازِ بندہ نواز — ببار ابر شادی، بذوقِ برق بخند

غزل نمبر ۱۳۴، ص ۱۵۰

رحیمی و کریمی، ای خالقِ پاک — فرست از لطف بارانی ز افلاک
مشو بر بندہ ہائے خویش قاہر — بغفاریِ تو گشتند بی باک

غزل نمبر ۱۶۴، ص ۱۸۰

خداوندا بدین چشمی کہ دارم — بجای ابرِ تر، تا کی ببارم؟
فرست از لطف ابر رحمتِ خاص — بدہ باران کہ من امید وارم

(و) شاعر نے اپنی تین غزلوں میں اپنی "پیری" کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو

غزل نمبر ۲۰۹، ص ۲۲۶ :-

صابر قدِ تو کہ چوں "الف" بود — از یادِ فراق گشتہ چوں "نون"

غزل نمبر ۲۱۱، ص ۲۲۸ :-

قد ہا چو "الف" زیادِ عشقت — صابر بنگر کہ گشتہ چون "نون"

غزل نمبر ۲۲۶، ص ۲۴۳ :-

ز امداد نظام الدین چشتی	بہشتی ام، بہشتی ام بہشتی
اگر لطفِ تو کشتی بان نباشد	بساحل کی رسد این کہنہ کشتی

مندرجہ بالا اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنی عمر حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور اُن کی وفات کے بعد حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کی خدمت میں گزاری ہے اور عالم ضعیفی میں پہنچ کر فوت ہوا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھنے سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ ارمغانِ صابر کے نام سے جو مجموعہ شائع ہوا ہے اور جسے دیوانِ حضرت علاءالدین علی احمد صابرؒ بتایا گیا ہے یہ دیوان در اصل دیوانِ خدا بخش صابر مرید خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ ہے۔

منتخب کلام | آخر میں دیوانِ خدا بخش صابر میں سے چند منتخب غزلیں بطورِ نمونۂ کلام پیشِ خدمت ہیں:-

۱- غزل نمبر ۱۰۰، ص ۱۱۶

بیا ای رونقِ گلزارِ اسرار	مرا با خویشتن یکدم نگہدار
بصد ذوق و طرب گردِ تو گردم	وفادارم، وفادارم، وفادار
من از روزِ ازل دردِ غمت را	خریدارم، خریدارم، خریدار
رسم در بزمِ وصلِ تو نگارا!	سبکسارم، سبکسارم، سبکسار
بجای آب از چشم و دلِ خود	شرر بارم، شرر بارم، شرر بار
من از حالِ دلِ شوریدۂ خود!!	خبردارم، خبردارم، خبردار
بگویت از صدف ہای دو دیدہ	گہر بارم، گہر بارم، گہر بار
ببخش از لطف وصلِ خویش یارب	گنہگارم، گنہگارم، گنہگار
نہ نالم از غم و اندوہِ غربت	درین کارم، درین کارم، درین کار

رَسَم روزی بسودای محبت ہوادارم، ہوادارم، ہوادار
چو صابرؔ بر درت از روزِ اوّل گرفتارم، گرفتارم، گرفتار

۳- غزل نمبر ۱۷۱، ص ۱۸۶

من از دردِ عشقِ تو بیدار بودم ز شب تا سحرگاه غمخوار بودم
ز سودای عشقت بصد رقص و مستی ز آہِ دلِ خود شرر بار بودم
شدم ناگہان مست از ہستیِ عشق خود از ہستیِ خویش بیزار بودم
بدستِ من امروز آمد غمِ عشق من از روزِ اوّل خریدار بودم
چہ شد گر دو سہ روز دُورم بظاہر بباطن من اندر دلِ یار بودم
چہ شد گر بغفلت مرا بردہ از راہ من از نفسِ بدکیش ہشیار بودم
نہ عابد، نہ زاہد، نہ صادق، نہ کاذب بکارِ دلِ خویش مختار بودم
گہی آئینہ، گاہ حُسن و گہی رُوی گہی جامہ و گاہ دستار بودم
نہ مومن، نہ کافر، نہ مُلحد نہ ترسا چو صابرؔ درین رہ سبکسار بودم

۴- غزل نمبر ۱۷۲ ص ۱۸۷

ما در طلبِ وصل تو از خویش جدائیم گہ خاک، گہی باد، گہی آتش و مائیم
گر طالبِ مائی بحقیقت ز سرِ صدق بنگر، اگرت ہست نظر، در ہمہ جائیم
ما سترِ خدائیم ز انوارِ حقیقت در عینِ فنا مظہرِ سلطان بقائیم
داریم ہمہ جلوۂ انوارِ جمالش گرد و ہمہ تن نور بہر دل کہ در آئیم
در عالمِ خاکیم اگرچہ، بحقیقت ما سترِ خدائیم، ازین خاک ورائیم
ما بادہ کشانیم بخلوت گہِ عرفان زاہد تو بیا، تا درِ تحقیق کشائیم
با این ہمہ مستی کہ ز سودای تو داریم شاہ دو جہانیم، بکوئی تو گدائیم
گاہی بدرِ میکدہ، گاہی بدرِ مُغ گاہی بسوی بتکدہ سالارِ ہدائیم
ما از سر و پا چون ہمہ نوریم بہ تحقیق صابرؔ نتوان دید کہ خورشید بقائیم

۵- غزل نمبر ۱۷۶ ، ص ۱۹۲

نه مومن ، نه کافر ، نه من بت پرستم | بکانِ حقیقت یکی گوہرستم
نه خاکم ، نه بادم ، نه آبم ، نه آتش | نه زنّارِ بندم ، نه من بت پرستم
منه دست بر سینهٔ من که سوزد | ز تابِ جلالِ تو چون اخگرستم
بآن زلفِ کافر گرفتار گشتم | ازین کفر و اسلام یکدم برستم
زمن سر مپیچان تو از بی نیازی | که من هم ترا بندهٔ کمترستم
مکن فکر در ذاتِ باری ، نیابی | ز فکرِ دلِ هر کسی برترستم
چگونه تواند ز من جان بردکس | بحسنِ جمالِ تو من زیورستم
اگر آبِ حیوان ، وگر آبِ کوثر | بمن هر چه دادی بران صابرستم

۶- غزل نمبر ۱۸۲ ، ص ۱۹۹

بپای دلِ خود بسویت دویدم | رسیدم ، رسیدم ، رسیدم ، رسیدم
زجامِ لبت بادهٔ مستی افزا | کشیدم ، کشیدم ، کشیدم ، کشیدم
من از کفر و اسلام از دولتِ عشق | رهیدم ، رهیدم ، رهیدم ، رهیدم
بعشقِ تو از روزِ اول چو مستان | مریدم ، مریدم ، مریدم ، مریدم
بهر دم ز تیرِ غمت تا بمحشر | شهیدم ، شهیدم ، شهیدم ، شهیدم
بجز ذاتِ تو دیگر از دیده و دل | ندیدم ، ندیدم ، ندیدم ، ندیدم
ز درد فراقِ تو پیراهنِ جان | دریدم ، دریدم ، دریدم ، دریدم
بهای غمت جان و دل داده از ذوق | خریدم ، خریدم ، خریدم ، خریدم
چو صابر ز مستی غفلت ز هستی | فریدم ، فریدم ، فریدم ، فریدم

۷- غزل نمبر ۱۹۰ - ص - ۲۰۷ - شاعر نے اس غزل میں مولانا جلال الدین محمد بلخی معروف بمولوی رومی (متوفی ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) کا تتبع کیا ہے۔

درکوی تو چون مستان می افتم و می خیزم | از ذوقِ جمالِ تو از دیده گہر ریزم
دیوانه صفت گردم تا حشر من از مستی | با زلفِ تو ای ہمدم یکدم چو در آویزم

صد لیلیٰ و صد مجنوں بینم ز سرِ سودا — گر خاکِ وجودِ خود در کوئی تو می بیزم
سوزد دو جہاں دردم از آہِ شرر ریزم — از دیدنِ روی تو یکدم چو پیر پیرم
تا جلوهٔ روی تو اندر دلِ من جا کرد — گردِ دلِ خود گردم، صد شور برانگیزم
از من نبود پنہاں اسرارِ دلِ ہر کس — سرِّ دلِ ہر کس را بیند نظرِ تیزم
ای زاہدِ بی معنی! از من تو بہر جاں را — جبریل رود از خود از عقبۂ چو بستیزم
من عاشقِ سرمستم، از ہستیٔ تو ہستم — در خلوتِ وصلِ تو با خویش بیامیزم
من صابرِ غمگینم، افتاده بدرگاہت — دریاب که از عشقت چون شمس به تبریزم

۸ - غزل نمبر ۱۰۳ - ص - ۱۱۹ - اس غزل میں شاعر نے شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری (متوفی ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء) کا تتبع کیا ہے:

سر حلقۂ عارفانِ کامل — در دینِ محمدؐ است عطار
او گفت درین زمین غزل را[1] — از خواندنِ او شدم چو گلزار
من ہم بہماں نوا کشیدم! — این نغمۂ تازه لطف بردار
از لطف بخواں ز روی معنی — در شعرِ من است جملہ اسرار
باشد که بود قبولِ دلہا — این خامۂ من که شد شرر بار
اسرارِ نہاں ز دل نہاں کن — منصور مشو، زباں نگہدار
رحمی بکنید، تا توانید — بر حالِ دلِ شکستہ و زار
زنہار مزن ز سرِّ حق دم — رقصاں گردی تو بر سرِ دار
صد شکر که حق ز لطف و احساں — بنواخت مرا ز لطفِ بسیار
صابر تو مناز، روزِ محشر — شرمنده شوی ز روی کردار

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ نے اپنے کلام میں "شاہین" کی بہت تعریف کی ہے۔ اور

---

[1] شیخ فریدالدین عطار کی اس غزل کی طرف اشارہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:
در عشقِ تو گم شدم بہ یک بار — سرگشتہ ہمی شدم فلک وار
(دیوانِ عطار)

نوجوانانِ اسلام کو نصیحت کی ہے کہ وہ اوصاف شاہین سے متصف ہوں، اور کرگس کی عادات سے پرہیز کریں۔ صابر نے بھی اپنے کلام میں شاہین کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو غزل نمبر ۲۳۵، صفحہ ۲۵۲ :-

بجز یادِ خدا شاہین نباشی
عزابی، ہاں، عزابی، ہاں عزابی

اسی شعر پر ہم اس باب کو ختم کرتے ہیں ۔

خاتمہ

عارفینِ حق کی یہ داستان، جس کے لکھنے میں ہم نے ایک طویل مدت صرف کی، حق تعالیٰ کی امداد اور مہربانی سے اختتام کو پہنچی۔ جو کچھ ہم نے اس کتاب میں لکھا ہے۔ حرفِ آخر نہیں ہے۔ یہ صرف راہروِ منزل کے لیے ایک نشانِ راہ ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ کہ ان نشانات کو سامنے رکھ کر ایک طالبِ صادق منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

اس داستان کی ترتیب کے لیے اور اس کے لیے ضروری مواد جمع کرنے کے لیے جن دشوار گزار گھاٹیوں سے ہمیں گزرنا پڑا ہے۔ اس کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ صرف پڑھنے والے ہی کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس داستان کے خاتمے پر ہم اپنا دردِ دل شاعرِ شہیر پاکستان علامہ اقبال کی زبان سے اس طرح بیان کر سکتے ہیں ؎

دوستان خرّم کہ بر منزل رسید آوارہ
من پریشان جادہ ہای علم و "عرفان" کردہ طی

ہم نے مصرعہ دوم میں بجائے "دانش" کے کلمہ "عرفان" لکھ دیا ہے۔ کیونکہ ہماری داستان عرفان و تصوّف کی داستان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "علم و عرفان" کا یہ راستہ کوئی آسان راستہ نہیں ہے کیونکہ اس مقالہ کی ترتیب و تدوین کے لیے جو ضروری مواد حاصل کیا گیا، وہ بڑی جد و جہد سے

دستیاب ہُوا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی خصوصی مہربانی اور مشائخ سلسلہ چشتیہ کی دعائیں ہمارے شاملِ حال نہ ہوتیں تو ہم اپنی منزل کو نہ پا سکتے۔

اور ہم نہیں جانتے کہ اس طویل سفر کے اختتام پر کس طرح بارگاہِ خداوندی میں اظہارِ تشکر کریں۔ کیونکہ اُسی ارحم الرّحمین کی مدد سے ہر مشکل آسان ہوتی ہے، وہی کمزوروں اور عاجزوں کو قوت دینے والا ہے اور وہی اپنے فضل سے سالک کو منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔

پس منزل مقصود کو پالینے کے بعد ہم اُسی ذاتِ خداوندی کے دامنِ لطف و کرم کی پناہ لیتے ہیں۔ اور اُسی سے دینِ اسلام اور تصوّفِ اسلام کی خدمت کے لیے امداد و توفیق مانگتے ہیں۔ اور بزبانِ حال کہتے ہیں:-

ما کارِ خویش را بخداوند کارساز
بسپردہ ایم، تا کرم او چہا کند

فہرست منابع

(ل) قلمی بزبان فارسی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	نام کاتب	تاریخ کتابت	کتابخانہ
۱	تذکرۃ المحبوب	عبد النبی	•	۱۳۰۶ھ	مکھڈ شریف
۲	تنویر القلوب فی لطائف المحبوب	احمد خاں بختیار	احمد خاں بختیار	•	تونسہ شریف
۳	ذخیرۃ العاشقین	شیخ فرید بھکری	•	•	کتب خانہ حسام الدین راشدی کراچی
۴	راحت العاشقین	محمد	غلام محمد	۱۳۱۰ھ	مکھڈ شریف
۵	رسالہ در مسائل فقہ	عبد الغفار	یار محمد	۱۲۹۶ھ	تونسہ شریف
۶	شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری و سہم او در نثر متصوفانہ	دکتر مطیع الامام صدر شعبہ فارسی دانشگاہ کراچی	دکتر مطیع الامام	۱۹۶۵ء	کتابخانہ دکتر مطیع الامام
۷	فقرات	خواجہ عبید اللہ احرارؒ	•	۱۲۹۱ھ	تونسہ شریف
۸	قصر عارفان	مولوی احمد علی	احمد علی	۱۲۹۱ھ	دانشگاہ پنجاب لاہور
۹	منتخب المناقب	یار محمد ذوقی	یار محمد ذوقی	۱۲۹۶ھ	تونسہ شریف
۱۰	مرأۃ الاسرار	عبد الرحمن چشتی	•	•	تونسہ شریف
۱۱	مثنوی مولانا جلال الدین محمد رومی	مولانا جلال الدین محمد رومی	خواجہ فیض بخش تلی	۱۲۴۰ھ	کتابخانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی راولپنڈی
۱۲	مونس الارواح	جہاں آرا بیگم	دکتر غلام سرور	۱۹۴۶ء	کتابخانہ دکتر غلام سرور
۱۳	نافع السالکین	مولانا امام الدین	•	۱۲۸۲ھ	تونسہ شریف
۱۴	نافع الراسخین	محمد زعفران	•	۱۲۹۲ھ	گڑھی افغاناں
۱۵	نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص	مولانا عبد الرحمن جامی	مولانا محمد حسین پشاوری ثم تونسوی	۱۲۶۲ھ	کتب خانہ گنج بخش راولپنڈی
۱۶	یادداشت ہای دکتر غلام سرور دربارہ متصوفین و مورخین	دکتر غلام سرور	دکتر غلام سرور	۱۹۵۴ء	کتب خانہ دکتر غلام سرور

(ب) قلمی بزبان اُردو

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	نام کاتب	تاریخ کتابت	کتابخانہ
۱۷	تذکرہ مشائخ چشتیہ للّٰہیہ	محمد حسین للّٰہی	محمد حسین للّٰہی	۱۹۵۲ء	للہ شریف

(ج) مطبوعہ بزبان فارسی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۱۸	آثار الصنادید	سید احمد خاں	دہلی	•
۱۹	آداب الطالبین	خواجہ محمد بن حسن محمد گجراتی	لکھنؤ	•
۲۰	آئین اکبری	ابوالفضل	دہلی	۱۲۷۲ھ
۲۱	اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ	دہلی	۱۳۳۲ھ
۲۲	ارشاد الطالبین	شیخ جلال الدین تھانیسری ؒ	لکھنؤ	•
۲۳	ارشاد الطالبین	قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ	لاہور	•
۲۴	ارمغان صابر (دیوان مولانا خدا بخش صابر)	مولانا خدا بخش صابر	لاہور	۱۹۶۴ء
۲۵	اسلام و تصوف	(ر۔ ا۔ نکلسن) ترجمہ فارسی از محمد حسین نہاوندی	تہران	۱۳۴۱ش
۲۶	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ	دہلی	۱۲۸۳ھ
۲۷	افضل الفوائد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاؒ)	امیر خسرو دہلوی	دہلی	۱۳۰۵ھ
۲۸	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ	ملتان	•
۲۹	انوار العارفین	محمد حسین مراد آبادی	بریلی	۱۲۹۰ھ
۳۰	انیس الارواح (ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی ؒ)	خواجہ معین الدین حسن چشتی ؒ	بدایوں	•
۳۱	پنج گنج عرفان	سید مہر علی شاہ گولڑوی ؒ	راولپنڈی	۱۹۶۳ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۳۲	تاریخ زبان فارسی	دکتر غلام سرور	کراچی	۱۹۶۲ء
۳۲	تاریخ فرشتہ	محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ	لکھنؤ	۱۲۸۱ھ
۳۳	تاریخ ایران (ظہور اسلام تا حملۂ مغول)	عباس اقبال	تہران	•
۳۴	تاریخ فیروز شاہی	ضیاء الدین برنی	کلکتہ	۱۸۶۲ء
۳۵	تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف	کلکتہ	۱۸۹۰ء
۳۶	تاریخ معصومی	میر محمد معصوم بھکری	بمبئی	۱۹۳۸ء
۳۷	تذکرۃ الاولیاء	شیخ فریدالدین عطارؒ	بمبئی، لکھنؤ	۱۳۲۵ھ ۱۳۲۳ھ
۳۸	تحقیق الحق	سید مہر علی شاہ گولڑوی	راولپنڈی	۱۳۸۱ھ
۳۹	تحفۃ الکرام (جلد سوم)	میر علی شیر قانع	حیدرآباد	۱۹۷۱ء
۴۰	تفسیر عزیزی	شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	دہلی	•
۴۱	تکملہ سیر الاولیاء	گل محمد احمد پوری	دہلی	۱۳۱۲ھ
۴۲	جدول تطبیق سالہای مسیحی و ہجری ولزلی ہیگ در مجلہ فرہنگ ایران زمین	ترجمہ فارسی از آقای منوچہری	تہران	•
۴۳	جغرافیائی تاریخی سرزمین ہای شرقی (ج۔ لسترنج)	ترجمہ فارسی از محمود عرفان	تہران	۱۹۵۹ء
۴۴	جوامع الکلم	سید محمد اکبر حسینی	حیدرآباد دکن	•
۴۵	چچ نامہ	علی بن حامد کوفی	حیدرآباد	۱۹۳۹ء
۴۶	خاتمہ مرآۃ احمدی	مرزا محمد حسن	کلکتہ	۱۹۳۰ء
۴۷	خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	لکھنؤ	۱۸۷۳ء
۴۸	دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ معین الدین چشتیؒ)	خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ	لکھنؤ	•
۴۹	دیوان عطار (بتصحیح سعید نفیسی)	شیخ فریدالدین عطار	تہران	۱۳۳۹ش

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۵۰	دیوان شمس تبریز	مولانا جلال الدین محمد رومیؒ	تہران	۱۳۴۱ش
۵۱	دیوان امیر خسرو دہلویؒ	امیر خسرو دہلویؒ	تہران	۱۳۴۳ – ۱۳۴۴ش
۵۲	سبک شناسی (جلد سوم)	ملک الشعراء بہار	تہران	۱۳۲۶ش
۵۳	سرور المحزون	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	لاہور	
۵۴	سیر الاولیا	سید محمد بن مبارک کرمانیؒ	دہلی	۱۳۰۲ھ
۵۵	سیر الاقطاب	شیخ اللہ دیا	لکھنؤ	۱۳۳۱ھ
۵۶	سیوف الابرار مع حسام الاسلام	مولانا غلام قادر بھیرویؒ و مولانا محمد حسین تونسویؒ	لاہور	۱۳۰۱ھ
۵۷	ضیاء القلوب	حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	دہلی	۱۹۲۷ء
۵۸	طبقاتِ اکبری	خواجہ نظام الدین احمد	کلکتہ	۱۹۳۵ء
۵۹	طبقاتِ ناصری	قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی	کلکتہ	۱۸۶۴ء
۶۰	طبقاتِ سلاطین اسلام (استانلی۔لین۔پول)	ترجمہ فارسی عباس اقبال	تہران	۱۳۱۲ش
۶۱	غزلیات فارسی	مولانا محمد علی مکھڈی	ملتان	۱۹۱۳ء
۶۲	فتح الرحمٰن (ترجمہ فارسی قرآن مجید)	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	بمبئی	۱۳۲۰ھ
۶۳	فخر الطالبین	سید نور الدین حسینی	دہلی	۱۳۱۵ھ
۶۴	فخر ضربی فی فقر فخری	عبد اللہ شاہ دہلویؒ	دہلی	۱۳۱۵ھ
۶۵	فرہنگ امیر کبیر	محمد علی خلیلی و علی اصغر شمیم	تہران	۱۳۲۴ش
۶۶	فوائد السالکین (ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ)	شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ	لکھنؤ	
۶۷	فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاءؒ)	امیر حسن علا سجزیؒ	لکھنؤ	۱۳۳۶ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۶۸	فوز الکبیر فی اصول التفسیر	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	دہلی	۱۹۲۶ء
۶۹	قصائد نغزی پیشاوری مطبوعہ در سیرت سلیمان	محمد نغزی پیشاوری	لاہور	۱۹۳۵ء
۷۰	کشف المحجوب	شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویریؒ بتصحیح والنتین ژوکوفسکی و محمد عباسی	تہران	۱۳۳۶ش
۷۱	کلمات الشعراء	محمد افضل سرخوش	لاہور	۱۹۴۲ء
۷۲	کلمات طیبات	ابوالخیر محمد بن احمد مراد آبادی	دہلی	۱۸۹۱ء
۷۳	کلیات عراقی (بتصحیح سعید نفیسی)	شیخ فخرالدین ابراہیم ہمدانی، عراقی	تہران	۱۳۳۸ش
۷۴	لوائح	مولانا عبدالرحمن جامی	لکھنؤ	•
۷۵	مآثر الکرام	غلام علی آزاد بلگرامی	آگرہ	۱۹۱۰ء
۷۶	مآثر الامرا	صمصام الدولہ شاہنواز خاں	•	•
۷۷	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	دہلی	۱۲۸۱ھ
۷۸	مصفیٰ شرح موطا امام مالکؒ	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	دہلی	•
۷۹	مثنوی معنوی (بتصحیح محمد رمضانی)	مولانا جلال الدین محمد رومی	تہران	۱۳۱۹ش
۸۰	مثنوی پس چہ باید کرد ای اقوام شرق	علامہ محمد اقبال لاہوری	لاہور	۱۹۴۵ء
۸۱	مرأۃ العاشقین	سید محمد سعید	لاہور	۱۳۰۳ھ
۸۲	مرأۃ الاسرار	عبدالرحمن چشتیؒ	لکھنؤ	•
۸۳	مرقع کلیمی	شاہ کلیم اللہ دہلویؒ	لکھنؤ	•
۸۴	مکتوبات کلیمی (مکتوبات شاہ کلیم اللہ)	مرتبہ محمد قاسم علی	دہلی	۱۳۱۵ھ
۸۵	مکتوبات طیبات (سید مہر علی شاہ گولڑوی)	مرتبہ عبدالحی	لاہور	•
۸۶	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (بتصحیح و شرح مولانا نور احمد)	مرتبین خواجہ یار محمد و خواجہ عبدالحیؒ	لاہور	۱۹۶۷ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۸۷	مکتوبات سعد اللہ خان علامی	بتصحیح ڈاکٹر ناظر حسن زیدی	لاہور	۱۹۶۸ء
۸۸	مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری	شیخ زین بدر عربی	لاہور	۔
۸۹	مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری	حسین بلخی	لکھنؤ	۱۲۸۷ھ
۹۰	مکتوبات قطب ربانی (شاہ امام علی مکانوی)	محمد فضل مقیم	لاہور	۱۳۵۹ھ
۹۱	مکتوب مدنی	شاہ ولی اللہ دہلوی	دہلی	۔
۹۲	مکاشفات عینیہ	حضرت مجدد الف ثانی	کراچی	۔
۹۳	مناقب المحبوبین	حاجی نجم الدین	لاہور	۱۳۱۲ھ
۹۴	مناقب سلیمانی	غلام محمد خان	دہلی	۱۲۸۸ھ
۹۵	مناقب حافظیہ	غلام محمد یا دی علی خان	کانپور	۱۳۰۵ھ
۹۶	مناقب فخریہ	نظام الملک	دہلی	۔
۹۷	ملفوظات طیبہ (ملفوظات سید مہر علی شاہ)	مرتبین فقیر محمد و عبد الحق	لاہور	۱۳۵۱ھ
۹۸	نافع السالکین	امام الدین	لاہور	۱۲۸۵ھ
۹۹	نثر فارسی معاصر (شاہکار ہای)	سعید نفیسی	تہران	۱۳۳۰ش
۱۰۰	نفحات الانس	عبد الرحمن جامی	لکھنؤ	۱۳۳۲ھ
۱۰۱	نقش تازہ	دکتر غلام سرور	کراچی	۱۹۶۶ء

(د) مطبوعہ بزبان عربی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۱۰۲	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری	کراچی	۱۹۶۱ء
۱۰۳	الاکمال فی اسماء الرجال	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	کراچی	۔
۱۰۴	احیاء علوم الدین	امام ابو حامد محمد غزالی	لکھنؤ	۱۲۹۰ھ
۱۰۵	اسد الغابہ	ابن اثیر جزری	تہران	۱۳۷۷ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۱۰۶	تفہیمات الٰہیہ جلد دوم	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	دہلی	
۱۰۷	تذکرۃ الحفاظ	امام ذہبی	حیدرآباد دکن	۱۹۵۶ء
۱۰۸	تلبیس ابلیس	ابن جوزیؒ	دہلی	۱۳۱۳ھ
۱۰۹	تاج العروس شرح قاموس	مصطفیٰ زبیدی البلگرامیؒ	قاہرہ	۔
۱۱۰	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ	دہلی	۔
۱۱۱	تلک عشرۃ کاملہ	شاہ کلیم اللہ دہلویؒ	دہلی	۱۹۶۷ء
۱۱۲	جامع الصحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	قاہرہ	۱۳۰۴ھ
۱۱۳	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	کراچی	۱۹۶۳ء
۱۱۴	حیات الصحابہ	مولانا محمد یوسف دہلویؒ	دہلی	۔
۱۱۵	رسالۃ القشیریہ	امام عبدالکریم قشیریؒ	مصر	۔
۱۱۶	روح المعانی (تفسیر قرآن مجید)	علامہ سید محمود آلوسی بغدادی	لاہور	۱۹۷۰ء
۱۱۷	سواء السبیل	شاہ کلیم اللہ دہلویؒ	دہلی	۱۹۶۷ء
۱۱۸	شمائل ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	دہلی	۔
۱۱۹	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	دہلی	۔
۱۲۰	فتوح البلدان	علامہ بلاذری	مصر	۔
۱۲۱	الکامل فی التاریخ	علامہ ابن اثیر	حیدرآباد دکن مصر	۱۹۲۷ء ۱۳۰۱ھ
۱۲۲	کتاب الانساب	عبدالکریم السمعانی	بغداد لندن	۱۹۷۰ء ۱۹۱۲ء
۱۲۳	کتاب اللمع	ابونصر سراج طوسی	مصر	۱۳۲۶ھ
۱۲۴	کتاب الاُم	امام محمد بن ادریس شافعی	مصر	۔
۱۲۵	مشکوٰۃ المصابیح	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب تبریزی	دہلی	۱۲۸۳ھ
۱۲۶	مؤطا امام مالک	حضرت امام مالکؒ	کراچی	۱۹۶۲ء
۱۲۷	الموضوعات الکبیر	علامہ علی بن سلطان محمد الہروی معروف بملا علی قاریؒ	کراچی	-

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۱۲۸	المنقذ من الضلال	امام ابو حامد محمد غزالیؒ	قاہرہ	۱۳۴۰ھ
۱۲۹	مدارج السالکین	علامہ ابن قیم	مصر	۱۳۰۳ھ
۱۳۰	نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع (جلد اول تا ہشتم)	سید عبد الحی ندوی	حیدر آباد دکن	۱۹۵۹ء
(ہ)	مطبوعہ بزبان اردو			
۱۳۱	آفتاب ہدایت	کرم الدین دبیر	لاہور	۱۹۵۰ء
۱۳۲	ارمغان پاک (مقدمہ بزبان اردو)	شیخ محمد اکرام	کراچی	۱۹۵۳ء
۱۳۳	اردوی معلیٰ	مرزا غالب	آگرہ	۱۹۱۲ء
۱۳۴	امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف	مولانا عبید اللہ سندھیؒ	دہلی	۱۳۵۹ھ
۱۳۵	انسائیکلو پیڈیا یا تاریخ عالم (ولیم ایل لینگر)	ترجمہ اردو غلام رسول مہر	لاہور	۱۹۶۱ء
۱۳۶	انوار الباری شرح صحیح البخاری (بزبان اردو)	شرح از علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مرتبہ سید رضا احمد بجنوری	دہلی	۱۳۸۰ تا ۱۳۹۰ھ
۱۳۷	انوار شمسیہ	امیر بخش	لاہور	۱۳۳۵ھ
۱۳۸	بال جبریل	علامہ محمد اقبال لاہوری	لاہور	۱۳۳۵ھ
۱۳۹	بزم صوفیہ	صباح الدین عبد الرحمٰن	اعظم گڑھ	۱۳۶۹ھ
۱۴۰	بزم تیموریہ	صباح الدین عبد الرحمٰن	اعظم گڑھ	۱۳۶۷ھ
۱۴۱	بیس بڑے مسلمان	مرتبہ عبد الرشید ارشد	لاہور لاہور (تیسرا ایڈیشن)	۱۹۶۹ء ۱۹۷۵ء
۱۴۲	برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ترجمہ اردو از ہلال احمد زبیری	ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی	کراچی	۱۹۶۷ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۱۴۳	پاکستان میں فارسی ادب	ڈاکٹر ظہور الدین احمد	لاہور	-
۱۴۴	پنجاب میں اردو	حافظ محمود خان شیرانی	لاہور	۱۹۴۹ء
۱۴۵	تاریخ مشائخ چشت	خلیق احمد نظامی	دہلی	۱۹۵۳ء
۱۴۶	تاریخ دعوت و عزیمت (جلد اول)	سید ابوالحسن علی ندوی	اعظم گڑھ	۱۹۵۵ء
۱۴۷	تاریخ دعوت و عزیمت (جلد سوم)	سید ابوالحسن علی ندوی	لکھنؤ	۱۹۶۳ء
۱۴۸	تاریخ ریاست سوات	محمد آصف	پشاور	.
۱۴۹	تاریخ اقوام قدیم (اردو ترجمہ)	مصنفہ ڈاکٹر رالن	علیگڑھ	.
۱۵۰	تاریخ فلاسفۃ الاسلام علامہ لطفی جمعہ	اردو ترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین	حیدرآباد دکن	۱۳۶۰ھ
۱۵۱	تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت	سید ہاشمی فرید آبادی	کراچی	۱۹۵۳ء ۱۹۵۷ء
۱۵۲	تجلیات مدینہ	مولانا احتشام الحسن	دہلی	۱۹۶۵ء
۱۵۳	تجلیات مجدالف ثانی، ترجمہ مکتوبات امام ربانی	ترجمہ اردو از نسیم احمد فریدی	لکھنؤ	۱۳۸۲ھ
۱۵۴	تحفۃ الکرام علی شیر قانع	اردو ترجمہ اختر رضوی	کراچی	۱۹۵۹ء
۱۵۵	تذکرہ اولیائے ہند	مرزا احمد اختر دہلوی	دہلی	۱۹۴۸ء
۱۵۶	تذکرہ علماء و مشائخ سرحد	محمد امیر شاہ قادری	پشاور	.
۱۵۷	تذکرۃ المشائخ (چشتیہ نظامیہ)	مولا بخش	فیروزپور	۱۳۰۴ھ
۱۵۸	تذکرہ خواجہ گیسو دراز	اقبال الدین احمد	کراچی	۱۹۶۶ء
۱۵۹	تذکرہ صوفیائے بنگال	اعجاز الحق قدوسی	لاہور	۱۹۶۵ء
۱۶۰	تذکرہ صوفیائے سندھ	اعجاز الحق قدوسی	کراچی	۱۹۵۹ء
۱۶۱	تذکرہ مجدد الف ثانی	مولانا محمد منظور نعمانی	لکھنؤ	۱۳۷۸ھ
۱۶۲	تذکرۃ الولی	مولوی محمد الدین ملکھڈی	ملتان	۱۹۶۳ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۱۶۳	تذکرۃ الصدیقین	مولوی محمد الدین مکھڈی	لاہور	۱۹۶۵ء
۱۶۴	تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ اردو ترجمہ نافع السالکین	محمد حسین للہی	لاہور	۱۳۸۰ھ
۱۶۵	تذکرہ مشائخ بگویہ	ظہور احمد بگوی	سرگودھا	۱۹۳۴ء
۱۶۶	تذکرۃ الخلیل	عاشق الٰہی میرٹھی	میرٹھ	•
۱۶۷	حالات مشائخ نقشبندیہ	محمد حسن	مراد آباد	۱۳۲۲ھ
۱۶۸	حیات امداد	انوار الحسن شیرکوٹی	کراچی	۱۹۶۵ء
۱۶۹	حیات بندہ نواز	احمد ادریس قادری	کراچی	۱۹۶۵ء
۱۷۰	حیات الصحابہ (اردو ترجمہ)	مصنفہ مولانا محمد یوسف دہلوی (ترجمہ از محمد عثمان)	دہلی	۱۳۸۳ھ
۱۷۱	خاتم سلیمانی (جلد اوّل)	اللہ بخش	لاہور	۱۳۲۵ھ
۱۷۲	خلاصہ تواریخ چشتیہ	مولا بخش	دہلی	۱۳۱۴ھ
۱۷۳	خیر المجالس (ملفوظات خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی)	مرتبہ حمید قلندر اردو ترجمہ احمد علی	کراچی	•
۱۷۴	ذکر حبیب	محمد الدین	لاہور	۱۳۴۲ھ
۱۷۵	ذکر ولی	سید کرم حسین شاہ	لاہور	۱۹۶۶ء
۱۷۶	رموز الغیب ترجمہ فتوح الغیب	شیخ عبد القادر جیلانیؒ ترجمہ از محمد عالم کاکوروی	لکھنؤ	
۱۷۷	روئیداد ضیاء شمس الاسلام	ڈاکٹر تسخیر احمد	سرگودھا	۱۹۶۶ء
۱۷۸	سخن نغز	بدر الحجی	پشاور	۱۹۶۳ء
۱۷۹	سوانح خواجہ اللہ بخش تونسویؒ	رحیم بخش	ملتان	۱۳۸۱ھ
۱۸۰	سوانح خواجہ محمد موسیٰ تونسویؒ	رحیم بخش	ملتان	۱۳۸۱ھ
۱۸۱	سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ	سید ابو الحسن علی ندوی	لکھنؤ	۱۳۸۳ھ

سن طباعت	مقام طباعت	نام مصنف یا مرتب	نام کتاب	نمبر شمار
۰	سرگودھا	عبدالرقیب	سوانح قبلہ عالم گولڑہ شریف	۱۸۲
۱۹۳۵ء	لاہور	صالح محمد	سیرت سلیمان	۱۸۳
۱۳۵۰ھ	ملتان	اللہ بخش	سیرۃ المحمود (خاتم سلیمانی جلد دوم)	۱۸۴
۱۹۵۹ء	کراچی	اردو ترجمہ از محمد علی لطفی	سفینۃ الاولیا (دارا شکوہ)	۱۸۵
۱۳۱۴ھ	لکھنؤ	محمد مرتضیٰ خان	شمائم امدادیہ	۱۸۶
۱۹۶۱ء	کراچی	اعجاز الحق قدوسی	شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات	۱۸۷
۱۹۴۳ء	لاہور	عزیز الرحمٰن	صبح صادق (تاریخ نوابان بہاولپور)	۱۸۸
۱۹۲۵ء	لاہور	مولانا احمد للّٰہی	صداقت نامہ	۱۸۹
۰	لاہور	شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ	صراط مستقیم (ملفوظات و افادات سید احمد شہیدؒ)	۱۹۰
	لاہور	اردو ترجمہ از فضل الدین	فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاؒ)	۱۹۱
۱۹۶۵ء	کراچی	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی	۱۹۲
۱۹۲۷ء	حیدرآباد	علامہ ابن اثیر	الکامل فی التاریخ (اردو ترجمہ)	۱۹۳
۰	کراچی	علامہ ابن تیمیہؒ (اردو ترجمہ)	الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطن	۱۹۴
۱۹۱۳ء	لدھیانہ	ایچ ایف فارلیس	فیصلہ مقدمہ دیوانی تونسہ شریف (اردو ترجمہ)	۱۹۵
۱۹۵۹ء	لاہور	سید ابوالحسن علی ندوی	قادیانیت	۱۹۶
۱۳۷۵ھ	دہلی	ڈاکٹر میر ولی الدین	قرآن اور تصوف	۱۹۷
۱۳۰۲ھ	انبالہ	شاہ ولی اللہ دہلویؒ (اردو ترجمہ از عبداللہ شاہ)	قطرات (اردو ترجمہ ہمعات)	۱۹۸

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مرتب	مقام طباعت	سن طباعت
۱۹۹	کلیات امدادیہ	حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	دہلی	.
۲۰۰	گل رعنا	سید عبدالحی ندوی	اعظم گڑھ	۱۳۷۰ھ
۲۰۱	گلزار ابرار	محمد غوثی شطاریؒ (اردو ترجمہ)	المعارف لاہور	۱۳۹۵ھ
۲۰۲	محبوب سبحانی	غلام دستگیر مجذوب	لاہور	۱۳۴۳ھ
۲۰۳	مجموعہ اعلانات و ہدایات خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی	ظہور احمد بگوی	لاہور	۱۹۲۱ء
۲۰۴	مآثر الامرا (اردو ترجمہ)	مصنفہ صمصام الدولہ شاہنواز خان	لاہور	.
۲۰۵	مراۃ الیقین	سید محمد علی مونگیری	مونگیر	۱۳۳۹ھ
۲۰۶	مسلم ثقافت ہندوستان میں	عبدالمجید سالک	لاہور	۱۹۲۷ء
۲۰۷	مرزا مظہر جانِ جاناں کے خطوط	خلیق انجم	دہلی	۱۹۶۲ء
۲۰۸	مقدمہ تولنسہ شریف	فیض اللہ خان قصوری	لاہور	۱۹۲۷ء
۲۰۹	مناقب فریدی	احمد اختر مرزا	دہلی	۱۳۱۴ھ
۲۱۰	نزہتہ الخواطر (سید عبدالحیؒ ندوی) حصہ اوّل، دوم، سوم، چہارم	اردو ترجمہ از ابو یحیٰی امام خان	لاہور	۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۷ء
۲۱۱	ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	قاضی اطہر مبارک پوری	دہلی	۱۹۶۷ء
۲۱۲	ہندوستانی مسلمان	سید ابوالحسن ندوی	لکھنؤ	۱۹۵۹ء
۲۱۳	ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں	ابوالحسنات ندوی	امرتسر	۱۳۴۱ھ
۲۱۴	سیر الانصار	سعید احمد انصاری	اعظم گڑھ	.

(ف) مجلات

اورینٹل کالج میگزین لاہور۔ شمارہ ۳، ۴، مئی و اگست ۱۹۶۵ء و شمارہ ۱، نومبر ۱۹۶۵ء

برہان دہلی — جنوری ۱۹۶۲ء تا اگست ۱۹۶۴ء

الفرقان لکھنؤ — جولائی ۱۹۶۷ء تا جولائی ۱۹۶۹ء

مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ جنوری ۱۹۷۰ء تا جنوری ۱۹۷۶ء

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

اور

اُن کے خلفاء

ایک تحقیقی کتاب جس پر مصنف کو کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی

اسلامک بک فاؤنڈیشن

ایف ۷۴۹ ۰ سمن آباد ۰ لاہور